التبیان

شرح

خلاصۃ البیان

تالیف

استاذ القراء قاری محمد ایوب سورتی

تصحیح وتبویب

قاری نجم الصبیح التھانوی

صدر مدرس مدرسہ تجوید القرآن رنگ محل لاہور

قرائت اکیڈمی ®
لاہور

التبیان شرح خلاصۃ البیان

تالیف:

استاذ القراء محمد ایوب سورتی عفی عنہ

خادم العلوم العربیہ بدار العلوم چھاپی۔(گجرات) انڈیا

تصحیح وتبویب

قاری نجم الصبیح التھانوی

صدر شعبہ تجوید القرآن رنگ محل لاہور

قرأت اکیڈمی ®

28- الفضل مارکیٹ 17- اردو بازار لاہور

Ph.: 042 - 7122423

0300 - 4785910

بسم اللہ الرحمن الرحیم

انتباہ

نام کتاب .... التبیان شرح خلاصۃ البیان

مؤلف .... استاذ القراء محمد ایوب سورتی عفی عنہ

طابع وناشر .... قرآءت اکیڈمی (رجسٹرڈ) لاہور

کمپوزنگ .... محمد حسین خاور (علی گرافکس اُردو بازار لاہور)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

زیر نظر کتاب **"خلاصۃ البیان فی تجوید القران"** (مصنفہ شیخ القراء حضرت مولانا قاری ضیاء الدین احمد صاحب الہ آبادی رحمۃ اللہ علیہ) کی شرح ہے جو علم تجوید کا ایک جامع مانع رسالہ ہے۔

علم تجوید کو تمام علوم میں جو اہمیت حاصل ہے اس سے اہل علم اور ارباب فن اچھی طرح واقف ہیں کلام الٰہی کی صحیح ادائیگی جس فن کی تعریف ہو قرآن کریم کے مبارک الفاظ جس علم کے موضوع بحث ہوں اور رضاء الٰہی و سعادت اخروی جس کے مہتم بالشان فوائد ہوں اس سے بہتر اور کون سا فن ہوسکتا ہے۔

قرن اول میں قرآن کریم کو صحیح اور کما انزل پڑھنے کا گھر گھر اہتمام تھا ان صحابہ کرام کے سامنے جو قرآن کریم کی تعلیم دیتے تھے ہزاروں افراد زانوئے ادب طے کرتے تھے پھر جب تدوین علوم کا زمانہ آیا تو قراء مجودین اور ائمہ فن نے اس کے قواعد کی تدوین اور جزئیات کا استخراج شروع کیا چنانچہ آہستہ آہستہ یہ فن مدون و مرتب اور مہذب ہوکر امت کے سامنے آگیا پھر قرناً بعد قرنٍ علماء فن نے بے شمار تالیفات وتصنیفات سے اس علم کو نکھارا اور سنوارا جس کا سلسلہ بحمد اللہ اب تک جاری ہے اور انشاء اللہ تا قیام قیامت جاری رہے گا۔

اور اس میں کوئی مبالغہ نہیں ہے کہ چودہویں صدی میں علم تجوید میں جتنی چھوٹی بڑی کتابیں لکھی گئیں اتنی کسی اور صدی میں نہیں لکھی گئیں اور یہ بھی واقعہ ہے کہ ان سب میں اہم تر اور اپنے مقصد میں سب سے زیادہ کامیاب کتاب اور مسائل تجوید پر حاوی خلاصۃ البیان ہے جس کے مصنف علم تجوید وقرآءت کے امام تھے مگر حضرت مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے چونکہ کتاب میں جامعیت اور اختصار کو ملحوظ رکھا تھا اس وجہ سے کتاب میں قدرے اغلاق پیدا ہوگیا پھر سونے پر سہاگہ یہ ہوا کہ ناشرین نہایت بے اعتنائی سے اس کو چھاپتے رہے جس کی وجہ سے

اس میں بے شمار اغلاط پیدا ہوگئیں بلکہ کتاب ناقابل استفادہ بن گئی۔

اور چونکہ کتاب وقت تصنیف سے ہی عمدہ اور مفصل شرح کی محتاج تھی اسلئے خود مصنف رحمہ اللہ نے اسکی شرح تحریر فرمانے کا ارادہ فرمایا تھا مگر تقدیر ازل اور وقت موعود نے اسکی مہلت نہ دی۔ مصنف رحمہ اللہ کے بعد ان کے جانشین خلف الصدق حضرت مولانا قاری محب الدین احمد صاحب مدظلہ شرح لکھنے کا ارادہ فرماتے رہے مگر آپ کو بھی درسی مشاغل اور دیگر تالیفات کی وجہ سے اسکا موقع میسر نہ آسکا اور اب چونکہ مسلسل ضعف اور امراض نے بڑی حد تک معذور کردیا ہے اسلئے امید بھی نظر نہیں آتی کہ آپ شرح تحریر فرماسکیں ورنہ شرح لکھنے کا حق آپ ہی کا تھا۔

ہم حق تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ اللہ پاک آپ کو صحت کاملہ مستمرہ عنایت فرمائیں اور آپ کو طالبین کے لیے ابر کرم بنائیں۔

غرض جب اس کی کوئی شرح منظر عام پر نہ آئی تو قسام ازل نے ہی اسباب کے تحت یہ خدمت مجھ نا اہل کے سپرد فرمائی! سچ ہے ان اللّٰہ یفعل ما یشاء ویحکم ما یرید، وہ چاہیں تو ذرے سے پہاڑ کا کام لیں۔

علم تجوید کے اس مبتدی طالب علم نے جس کو اس فن سے نہ گہری مناسبت ہے نہ فنی مہارت، نہ تصنیف وتالیف کا سلیقہ۔ ہے نہ شرح دبیان کا ملکہ، ابتداءً خلاصۃ البیان کے حاشیہ ہی پر مشکل مواقع کے حل کے لیے کچھ حواشی لکھ لیے تھے۔ اتفاق سے جب قبلہ والد ماجد مدظلہ دارالعلوم چھاپی میں سالانہ امتحان کے لیے تشریف لائے تو آپ کی نگاہ ان منتشر حواشی پر پڑی جسے آپ نے دیکھ کر بے حد پسند فرمایا اور اس کی تکمیل کی خواہش ظاہر فرمائی اور چونکہ والد کی رضا مندی خدائے پاک کی خوشنودی کا ذریعہ ہے (کما فی الحدیث رضا اللّٰہ فی رضا الوالد) اس لیے باوجود تدریسی مشاغل کے وقت نکال کر تھوڑا تھوڑا لکھتا رہا تا آنکہ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور والد صاحب کی توجہات سے شرح کی تکمیل ہوگئی۔ فالحمد للہ اولاً واخراً۔

قبلہ والد صاحب کے امر کے علاوہ اگر شرح کی تکمیل کے لیے میرے مخلص رفیق جناب قاری قاسم صاحب بوڑھانوی استاذ تجوید وقراءت دارالعلوم چھاپی کا پیہم اصرار نہ

ہوتا تو نہ معلوم کب تک یہ مجموعہ زاویۂ خمول میں پڑا رہتا۔

جب شرح مکمل ہوگئی تو اپنی تحریر پر اعتماد نہ کرتے ہوئے مذکور الصدر قاری صاحب اور جامعہ اسلامیہ ڈابھیل (گجرات) کے صدر شعبہ تجوید مولانا قاری احمد اللہ صاحب بھاگلپوری کو ملاحظہ اور اصلاح کے لیے دی۔ الحمد للہ ان دونوں حضرات نے قیمتی وقت نکال کر شرح کا مطالعہ فرمایا اور مناسب مشورے بھی دیے۔ خصوصاً مؤخر الذکر قاری صاحب نے جابجا اصلاحات فرمائیں جن کو شامل کتاب کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ ان دونوں حضرات کو علمی و عملی ترقیات سے نواز کر دارین کی سعادتوں سے نوازیں۔

نیز مسودہ دکھلانے اور اصل نسخہ کی اصلاح کرانے کیلئے وقت کے امام فن شیخ القراء حضرت مولانا قاری محب الدین احمد صاحب الہ آبادی رحمہ اللہ کی خدمت میں سفر کر کے لکھنؤ حاضر ہوا وہاں حضرت قاری صاحب مدظلہ کی عنایت سے خود مصنف رحمہ اللہ کا اصل نسخہ جس میں جابجا آپ نے اصلاح فرمائی تھی اور ضروری حواشی تحریر فرمائے تھے دیکھنے کو ملا اور اس سے بھرپور استفادہ کا موقع نصیب ہوا۔ حضرت قاری صاحب نے یہ شرح ملاحظہ فرما کر بے حد مسرت و خوشی ظاہر فرمائی اور خوب خوب دعائیں دیں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ موصوف کی صحت و عافیت کے ساتھ عمر دراز فرمائیں۔

نیز استاذ محترم مولانا قاری رضوان نسیم صاحب استاذ تجوید مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور کا بھی بے حد ممنون و مشکور ہوں کہ آپ نے شرح کا کچھ حصہ ملاحظہ فرمایا اور قیمتی تقریظ تحریر فرما کر میری حوصلہ افزائی فرمائی۔ اللہ پاک جل شانہ ان تمام بزرگوں اور دوستوں کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ (آمین)

آخر میں ناظرین کرام سے گزارش ہے کہ اگر وہ کتاب میں کوئی غلطی محسوس فرمائیں تو اس کی اصلاح فرما کر مجھے بھی مطلع فرمائیں تا کہ طبع ثانی میں اصلاح کر دی جائے۔

واجرھم علی اللہ۔!

محمد ایوب سورتی عفی عنہ

خادم العلوم العربیہ بدار العلوم چھاپی۔ (گجرات) انڈیا

تقریظ

امام فن حضرت مولانا قاری محبّ الدین احمد صاحب الہ آبادیؒ
سابق صدر مدرس مدرسہ تجوید الفرقان لکھنؤ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للّٰہ و کفٰی وسلام علی عبادہ الذین اصطفٰی

یہ کتاب جس کا نام "**التبیان شرح خلاصۃ البیان**" ہے میں نے دیکھی۔ عزیزی مخلصی مولوی قاری محمد ایوب صاحب سورتی سلمہ اللہ تعالیٰ نے یہ شرح بزبان اردو لکھ کر طلبائے فن پر بڑا احسان کیا۔ اللہ تعالیٰ شارح کو جزائے خیر عطا فرمائے اور طلباء کو مستفید فرمائے۔ آمین ۔ شارح موصوف نے ماشاء اللہ بہت عمدہ شرح کی ہے۔ خلاصۃ البیان جیسی چیستاں کتاب کی شرح کرنا آسان کام نہیں تھا۔ عزیز موصوف نے بڑی حد تک شرح کو آسان کرنے کی کوشش کی ہے۔ خلاصۃ البیان کی شرح کرنے کی سخت ضرورت تھی۔ التبیان شرح خلاصۃ البیان کو دیکھ کر مجھے بڑی خوشی ہوئی۔

اللہ تعالیٰ شارح کو جزائے خیر عطا فرمائے اور اس شرح کو مفید اور مقبول انام فرمائے اور شارح کو اور زیادہ حوصلہ عطا فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ تعالی علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وسلم۔

حررہ ابن ضیاء محبّ الدین احمد عفی عنہ
صدر مدرس مدرسہ تجوید الفرقان، لکھنؤ
یوم جمعہ ۱۲ رمضان المبارک ۱۳۹۸ھ

تقریظ

استاذ محترم مولانا قاری رضوان نسیم صاحب زید مجدہ

استاذ تجوید مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور

علوم دینیہ میں تجوید کو ایک خاص اہمیت اور مقام بلند حاصل ہے۔ اس لیے بھی کہ اس کے بغیر حقوق تلاوت ادا نہیں ہو سکتے اور اس لیے بھی کہ یہ علم منزل من اللہ ہے۔

"لِاَنَّهٗ بِهٖ الْاِلٰهُ اَنْزَلَا"

اسی فضل خاص کے پیش نظر علمائے سلف ہر زمانہ میں اس کی قابل قدر ہی نہیں قابل فخر خدمات انجام دیتے رہے ہیں۔ فجزاھم اللہ احسن الجزاء۔ لیکن موجودہ زمانہ میں اس مبارک علم کی جانب التفات بہت کم ہو گیا ہے یہاں تک کہ اکثر مدارس عربیہ میں اس کو ثانوی بلکہ اس سے بھی بعد کا درجہ حاصل ہے۔ اس سے زیادہ افسوس کی بات یہ ہے کہ مدارس دینیہ کی بہت بڑی تعداد ایسی ہے جہاں اس فن کا وجود ہی ضروری نہیں سمجھا گیا۔ اس فن شریف کی مسلمہ فضیلت و شرافت اور ناقابل انکار ضرورت و اہمیت کے باوجود اس کی جانب بے توجہی و بے اعتنائی کا شدید تقاضا ہے کہ علماء کرام اور قراء عظام اس کی جانب خصوصی توجہ فرمائیں۔ مدارس میں ہر طالب علم کے لیے اس کو ضروری قرار دیا جائے۔ معلمین مکاتب قرآنیہ ابتداء ہی سے بچوں کی صحت الفاظ کا اہتمام کریں عوام اور سہولت پسند طبائع کے لیے اس کو سہل تر انداز میں پیش کیا جائے۔ چنانچہ راقم الحروف نے اسی نظریہ کے پیش نظر دو رسالے "تعلیم

التجوید" اور "صریح النص فی روایۃ حفص" طبع کرائے ہیں جن کو محض اللہ کے فضل سے توقع سے زیادہ پذیرائی حاصل ہوئی اور مدارس میں داخل نصاب ہوگئے۔ والحمد للہ علی ذلک۔

پیش نظر کتاب خلاصۃ البیان کی شرح عزیزم مولوی قاری محمد ایوب صاحب سلمہ سورتی نے بڑی محنت سے مرتب کی ہے۔ احقر نے اس کا کچھ مسودہ دیکھا مسرت ہوئی۔ دل سے دعائیں نکلیں امید ہے اس سے طلباء اور اساتذہ سب ہی مستفید ہوں گے۔ اللہ جل شانہ ان کی اس سعی کو شرف قبول سے نوازے اور عزیز موصوف کو صلاح و فلاح اور سعادت دارین سے بہرہ مند فرمائے۔ آمین۔ فقط۔

رضوان نسیم

۲۴/۸/۹۸ھ

حضرت مصنف رحمۃ اللہ علیہ کے حالات

نام نامی ضیاء الدین احمد ابن عبد الرزاق۔ وطن مالوف نارہ ضلع الہ آباد۔ ۱۲۹۰ھ میں عالم رنگ و بو میں جلوہ افروز ہوئے۔ عمر مبارک کی بارہ تیرہ منزلیں پوری ہوئیں تھیں کہ حفظ قرآن کریم کی دولت سے مالا مال ہوگئے اور پھر کانپور میں محقق فن حضرت مولانا قاری عبد الرحمٰن صاحب الہ آبادی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۳۴۹ھ) کی خدمت میں حاضر ہوکر' تجوید و قراءت کی تکمیل فرمائی اور ساتھ ہی ساتھ درس نظامی متوسطات تک پڑھیں اور تکمیل مدرسہ عربیہ جامع مسجد امروہہ میں حضرت مولانا احمد حسن صاحب محدث امروہوی رحمۃ اللہ علیہ سے فرمائی۔

یہاں پر دوران طالب علمی ہی میں طلبہ آپ سے تجوید و قراءت کی مشق کرتے رہے۔ فراغت کے بعد یہیں تجوید و قراءت کی خدمت پر مامور کردیے گئے۔ اس کے بعد مختلف مدارس مثلاً تجوید الفرقان سہارنپور مدرسہ فرقانیہ لکھنؤ' قراءت القرآن کانپور۔ مدرسہ فرقانیہ جامع مسجد جونپور وغیرہ میں رہ کر علم تجوید و قراءت کی خدمت فرماتے رہے۔ پھر مدرسہ سبحانیہ الہ آباد میں سالہا سال ہزاروں تشنہ لبوں کو سیراب فرمایا۔ آخر میں علی گڑھ کالج سے طلبی پر وہاں تشریف لے گئے۔ یہاں انگریزی کے طلبہ کو بعد مغرب ایک گھنٹہ پڑھاتے تھے۔

آپ کے مشہور تلامذہ میں صاحب زادۂ محترم حضرت مولانا قاری محب الدین احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ۔ مولانا قاری اظہر حسن صاحب امروہوی رحمۃ اللہ علیہ۔ مولانا قاری محمد سلیمان صاحب رحمۃ اللہ علیہ۔ مولانا قاری عبد اللہ صاحب مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا ڈاکٹر قاری غلام مصطفیٰ صاحب رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ ہیں۔

آپ کی تالیفات میں خلاصۃ البیان اور ضیاء القراءت مشہور کتابیں ہیں۔

آخر عمر میں معذور ہو جانے کی بنا پر گوشہ نشینی اختیار فرمالی اور رائیہ و خلاصۃ البیان کی شرح مکمل کرنے کی کوشش فرماتے رہے لیکن پوری نہ ہو سکی کیونکہ بصارت بھی نہیں رہی تھی۔

عرصہ تک علیل رہ کر ۱۷ ربیع الثانی ۱۳۷۱ھ شنبہ کے دن قبل مغرب انتقال فرمایا۔ رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً۔

جس درخت کو آپ کے استاذ و شیخ مسند الہند فی التجوید حضرت مولانا قاری عبد الرحمٰن صاحب رحمہ اللہ نے باشارۂ الہام منامی ہندوستان میں آکر لگایا زندگی بھر اس کی آبیاری فرماتے رہے۔

اور یہی نہیں بلکہ اپنے صاجزادۂ ارشد حضرت مولانا قاری محب الدین احمد صاحب رحمہ اللہ کو اپنا جانشین بنا گئے جنہوں نے درس و تدریس تصنیف و تالیف کے ذریعہ علمی و فنی وراثت کا حق ادا فرمادیا۔

آپ کی تالیفات نے ہندوستان میں اس علم کو نئی روح بخشی۔ چنانچہ معرفۃ التجوید۔ تنویر المرأۃ۔ جامع الوقف۔ معرفۃ الوقوف۔ معرفۃ الرسوم آپ کے شہسوار قلم کی رہین منت اور منہ بولتی تصویریں ہیں۔

اب آپ کے صاجزادہ مولانا قاری احمد ضیاء صاحب رحمہ اللہ فاضل ازہر بھی اپنے اسلاف کے نقش قدم پر علم تجوید و قرآءۃ کی نشر و اشاعت میں مشغول ہیں چنانچہ ایک مدرسہ بھی دار القرآءۃ کے نام سے لکھنؤ میں قائم فرمایا ہے۔ گویا اس خاندان کو حق تعالیٰ نے علم تجوید کی خدمت کے لیے اس طرح چنا جیسے خاندان ولی اللّٰہی کو علم حدیث کے لیے۔ **ذالك فضل الله يوتيه من يشاء۔**

اللہ تعالیٰ اس سلسلہ کو دائم اور قائم رکھے۔ آمین۔

خلاصۃ البیان:

مصنف رحمہ اللہ نے یہ کتاب اولاً عنفوان شباب میں تالیف فرمائی تھی جو مطبع ریاضی امروہہ سے طبع ہو کر شائع ہوئی۔ قطعہ مادۂ تاریخ سے تالیف کی تاریخ ۱۳۲۰ھ معلوم ہوتی

ہے۔

بگو سال تصنیف ادائے سہیل کتاب وفی بصوت العرب
۱۳۲۰ھ

اس کے بعد آپ اس میں اصلاح فرماتے رہے۔ضروری مضامین کو داخل فرمایا اور غیر ضروری مضامین کو حذف کر دیا۔

جب دوسری مرتبہ ۱۳۳۴ھ میں طبع ہوئی جیسا کہ دوسرے قطعہ تاریخ سے معلوم ہوتا ہے۔

شد مزین زحسن طبع جدید جان طلاب نسخہ تجوید
بہر تاریخ طبع قیس بگفت دم عالم خلاصہ تجوید
۱۳۳۴ھ

تو ان دونوں میں کافی فرق ہوگیا پھر یہی بعد والا نسخہ آج تک مسلسل شائع ہو رہا ہے۔

هذا ما فهمته ولعل عند غيري احسن بل اصح من هذا والله اعلم بالصواب

OOOO

خطبہ کتاب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

م: الحمد (۱) لله الذی انزل علٰی عبده الکتاب ولم یجعل له عوجا (۲) حتی امرنا ان ننزهه عن الا عوجاج فی ادائه بقوله تعالٰی ورتل القران ترتیلا۔ والصلٰوة والسلام (۳) علی افصح رسله الذی ادی کما امر

ت: تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے اپنے بندہ پر کتاب نازل فرمائی اور اس میں ذرا بھی کجی نہیں رکھی یہاں تک کہ ہمیں حکم دیا کہ قرآن کریم کو ادا کرنے میں کجی سے پاک وصاف رکھیں چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ قرآن کریم کو خوب صاف صاف پڑھو اور صلوٰۃ وسلام نازل ہو اللہ تعالیٰ کے فصیح رسول پر جس نے تمام احکام پہنچا دیے جیسا کہ آپ کو حکم ہوا۔

ش: الحمد لله العلی العظیم والصلٰوة والسلام علٰی رسوله الکریم وعلی اله وصحبه خادمی الدین القویم علیهم رحمة ربهم الرحیم۔

(۱) عام طور پر مؤلفین ومصنفین کتب کا دستور ہے کہ وہ اپنی تالیفات کا آغاز بسملہ اور حمد وثناء سے کرتے ہیں اس کی مختلف وجوہ ہیں۔ ایک وجہ تو یہ ہے کہ حدیث میں آتا ہے کہ جو کام بسملہ یا حمدلہ سے شروع نہ ہو اس میں برکت نہیں رہتی اور وہ کام ناقص رہتا ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ خود حضور ﷺ اس کا اہتمام فرماتے تھے کہ کوئی بات یا نصیحت فرمانے سے قبل حمد وثناء فرماتے۔

احادیث میں مختلف طریقوں سے ترغیب آئی ہے کہیں بسملہ سے' کہیں حمدلہ سے اور

کہیں مطلق ذکر اللہ سے۔ مصنف نے ان سب پر عمل کیا کہ بسملہ وحمدلہ لکھ دی اور ذکر اللہ اسی کا نام ہے بلکہ امام مصنف نے تو اپنے خطبہ میں اور کمال دکھلایا کہ حمدلہ کے ساتھ آیت قرآنی سے بھی تالیف کی ابتداء کی جس سے حسن دوبالا ہوگیا اور ہم خرما وہم ثواب کا مصداق بن گیا۔

بہرنوع افتتاح نہایت محمود ہے نیز اختتام بھی والحمد للہ رب العالمین پر فرمایا جو قرآن کریم ہی کی آیت ہے تو انتہاء بھی محمود ہے اس لیے امید ہے کہ درمیانی حصہ بھی محمود اور خیر و برکت والا ہوگا۔

(۲) یہ سورۂ کہف کی ابتدائی آیت ہے جس میں قرآن میں کسی قسم کی کجی نہ ہونے کا ذکر ہے۔ نہ ظاہری نہ معنوی۔ قرآن کریم جس طرح معنوی کجی یعنی غلط بیانی۔ کذب وافتراء وغیرہ سے بالکل پاک ہے اسی طرح لفظی اختلاف سے بھی پاک وصاف ہے اسی لیے ہمیں صاحب کلام جل مجدہ کی طرف سے حکم ہوا کہ ہم اس کی ادائیگی میں کجی وغیرہ سے دور رکھ کر عمدگی اور شستگی کے ساتھ سلاست اور سادگی سے ادا کریں۔ چنانچہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا قرآن کو صاف صاف پڑھو۔ اسی کا نام تجوید ہے' جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے۔

(۳) اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کرنے کے بعد مصنفؒ نے صاحب رسالت جہاں پناہ محمد رسول اللہ ﷺ پر درود سلام پیش فرمایا ہے جس کا حدیث میں امر بھی ہے اور ترغیب بھی نیز والدین سے بھی زیادہ محسن اور شفیق کا تقاضا ہے کہ انہیں اس افتتاحی موقع پر یاد کیا جائے تاکہ خود ہمارے لئے باعث خیر و برکت بنے۔

م: ولم ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یوحی(۴) وعلی الہ واصحابہ وائمۃ دینہ(۵)

ت: اور اپنی خواہش نفسانی سے کوئی بات نہیں کہی۔ ان کا ارشاد صرف وحی ہے جو ان پر بھیجی جاتی ہے اور آپ ﷺ کے آل و اصحاب اور ائمۂ دین رضوان اللہ ورحمتہ علیہم

اجمعین پر۔

ش : (۴) موقع کے مناسب رسول اللہ ﷺ کے ایسے اوصاف بیان فرمائے جس کی ضرورت تھی ایک تو افصح الرسل ہونا جس سے نازل شدہ کتاب میں بھی فصاحت اور بلاغت کا ہونا معلوم ہو۔ دوسرے اپنی خواہش سے معاذ اللہ کوئی بات نہ فرمانا جس سے صرف وحی الٰہی ہی معلوم ہو۔ ان دونوں کا تقاضا ہے کہ کلام پاک بھی لفظی اور معنوی غلطیوں سے کلیتہً از اول تا آخر بالکل پاک ہے۔

(۵) رسول اللہ ﷺ کے آل وصحابہ کے احسانات کا اندازہ لگایئے کہ اگر یہ وسائط نہ ہوتے تو دین کامل اور بدر منیر ہم تک کس طرح پہنچتا جس سے ہم قرب الٰہی اور سعادت دائمی کے مستحق بنتے اور پھر دین کے ائمہ علماء راسخین کو بھی اس مبارک موقع پر یاد کر لیجئے۔ قاعدہ ہے گھر میں بیٹے کی شادی کے وقت گاؤں کے ہر ہر فرد کو یاد کیا جاتا ہے۔ ہر ایک کی رضا مندی مقصود ہوتی ہے۔ تو وہ سعادت اور قرب دائمی جو ہم کو انہی صحابہ اور ائمہ مجتہدین کے ذریعہ پہنچا اور جن کی محنتوں اور مجاہدوں نے ہمیں بھی ایک قابل ذکر انسان بنا کر خدا کے دین کی نسبت پر تصنیف وتالیف کے ذریعہ خدمت کی سعادت بخشی کیا اس کا اتنا بھی تقاضا نہیں کہ ہم ان سب کو یاد کر کے صلوٰۃ وسلام بھیجیں! **فجزاھم اللہ احسن الجزاء فانھم أدوا کما سمعوہ۔**

م : **فانھم أدوا کما سمعوہ فیالھم من بشری (۶) وبعد (۷)**
فھذا خلاصۃ البیان فی تجوید القرأن حد انی (۸)

ت : ”جنہوں نے تمام باتیں پہنچادیں جیسی سنی تھیں۔ پس وہ تمام بشارتیں (جو حفاظ وائمہ دین کے لیے ہیں) ان کے لیے ہوں اور حمد وصلوٰۃ کے بعد پس یہ کتاب خلاصۃ البیان فی تجوید القرآن ہے جس کی تالیف کی طرف مجھے ابھارا ہے۔

ش : (۶) احادیث میں حفاظ دین اور محافظین اسلام کے لئے بڑی بڑی فضیلتیں آئی ہیں وہ تمام بشارتیں ان سب کو حاصل ہیں مثلاً رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے نَضَّرَ اللّٰہُ

اِمْرَءً ا سَمِعَ مَقَالَتِیْ فَحِفظُھَا وَوَعَا ھَا وَاَدَاھَا فَرُبَّ مُبَلِّغٍ اَوْعٰی مِنْ سَامِعٍ۔ اَوْ سَمِعَ مَقَالَتِیْ میں قرآن کریم کا سننا اور اس کو بعینہٖ ومِنہ لاحقین تک پہنچا دینا بھی داخل ہے اسی طرح حدیث میں فرمایا اَللّٰھُمَّ اَرْحِمْ خُلَفَآئِیْ قَالُوْا وَمَنْ خُلَفَاءِكَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ الَّذِیْنَ یَرْوُوْنَ اَحَادِیْثِیْ وَیُعَلِّمُوْنَھَا النَّاسِ۔ اور روات احادیث میں روات قرآن بھی شامل ہیں اس لئے کہ سب دین کے اجزاء میں سے ہے۔ اور بھی بیشار روایات کتب احادیث میں موجود ہیں مثلاً خَیْرُکُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْاٰنَ وَعَلَّمَہٗ مشہور حدیث ہے۔

(۷) حمد وصلوٰۃ کے بعد اب مصنف کتاب کی تالیف کی وجہ بیان فرما رہے ہیں اور وہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جس میں الفاظ کے پڑھنے ہی پر نیکی اور ثواب کا ذکر ہے۔

(۸) حَدَانِیْ باب نَصَرَ سے حَدَاءً اور حُدُدًا مصدر ہے جس کے معنی ابھارنے کے ہیں۔ حدی ان رجزیہ اشعار کو کہتے ہیں جو اونٹوں کو برانگیختہ کرنے کے لئے پڑھے جائیں جیسا کہ بدوی عموماً اونٹوں کی تیز رفتاری کے لئے گنگناتے رہتے ہیں جس کی وجہ سے اونٹ مست ہوکر تیز چلنے لگتے ہیں۔

م : الیٰ تالیفه حدیث ابن مسعود رضی الله عنه قال قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم من قرأحرفا من کتاب اللّٰه فله به حسنة والحسنة بعشر امثالها (۹) لا اقول الم حرف لکن الف حرف ولام حرف و میم حرف (۱۰) فهو مشعر الیٰ ان نظم الکتاب مطلوب کمعناه (۱۱)

ت : حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث وہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص بھی کتاب اللہ کا ایک حرف پڑھتا ہے اس کو اس کے بدلہ میں نیکی ملے گی اور نیکی دس گونہ ہوگی۔ میں یہ نہیں کہتا کہ الٓمّ ایک حرف ہے بلکہ الف ایک حرف ہے اور لام ایک حرف اور میم ایک حرف ہے (رواہ الترمذی) پس یہ حدیث اس بات کی طرف اشارہ

کرتی ہے کہ کتاب اللہ کے معانی کی طرح اس کے الفاظ بھی مطلوب ہیں۔

ش: (۹) اس حدیث میں قرآن کریم کے پڑھنے کی بہت بڑی فضیلت آئی ہے۔اس میں معنی سمجھنے کی کوئی قید نہیں صرف الفاظ کے پڑھنے پر یہ ثواب ہے اور قرآن کے سمجھ کر پڑھنے پر تو اور بھی زیادہ ثواب ہے۔

(۱۰) الٓمّٓ ۔ تین حرف الف۔ لام۔ میم کا مجموعہ ہے۔ اس لئے تیس نیکیاں ملیں گی۔ حضرات علماءؒ فرماتے ہیں کہ اگر ان میں ہر حرف کو دیکھا جائے تو پھر وہ تین حرف سے مرکب ہے اس طرح اللہ کی رحمت سے امید ہے کہ صرف الٓمّٓ کے پڑھنے پر نوے نیکیاں ملیں گی۔ **وَاللّٰهُ يُضَاعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ۔**

(۱۱) ما قبل میں حمد وصلوٰۃ کے بعد فرمایا کہ حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ سبب بنی تالیف کتاب کا۔ اس پر اشکال یہ ہوا کہ یہ کیسے معلوم ہوا اس میں تو صرف ثواب کا ذکر ہے۔ یہ مضمون اسی کا جواب ہے اس طور پر کہ جس طرح معنی مقصود ہیں اسی طرح الفاظ بھی مقصود ہیں اور الفاظ کو جب تک صحیح طور پر ادا نہ کیا جائے (اس وقت تک) اس کو ادا کرنا نہیں کہیں گے۔تو مُؤَدّٰی یعنی الفاظ (جس کو ادا کیا جا رہا ہے) اسی وقت الفاظ کہلانے کے مستحق ہوں گے جب ان کو تجوید یعنی مخارج وصفات سے ادا کیا جائے۔ پھر جو تجوید سے قرآن کریم کو پڑھے گا تو اس کا اثر یعنی ثواب بھی مرتب ہوگا اور وہ اپنی آخرت کو اچھی اور کامیاب بنا لے گا۔

م: **وتجويده موجب لحسن مؤداه فكل من جوّد جوّد عقباه والتجويد (۱۲) عبارة عن ادائه كما انزل من اداء الحروف بمخارجها واعطاء كل ذى حق حقه ومستحقه (۱۳)**

ت: اور قرآن کریم کو تجوید سے پڑھنا حسن مودیٰ کا سبب ہے اس لیے کہ جو بھی قرآن کریم کو تجوید سے پڑھے گا وہ اپنے انجام کو اچھا بنائے گا اور تجوید نام ہے قرآن کے اس طرح ادا کرنے کا جس طرح نازل ہوا' حروف کو اس کے مخارج سے ادا کرنے اور ہر حق والے حرف کو اس کا حق اور استحقاق دینے کا۔

ش: تجوید کی تعریف: (۱۲) اسی مناسبت سے تجوید کی تعریف کی جارہی ہے کہ جس طرح قرآن نازل ہوا اسی طرح حروف کو مخرج وصفات سے ادا کرنا اور ہر حرف کو اس کے لوازمات ومقتضیات کے ساتھ ادا کرنے کا نام تجوید ہے۔

(۱۳) حق سے مراد ہر حرف کی صفات ذاتیہ لازمہ ہیں جو حرف سے الگ نہیں ہوتیں جیسے جہر وشدت وغیرہ اور مستحق سے مراد وہ صفات ہیں جو عارضی طور پر آتی ہیں جیسے تفخیم و ترقیق (نہایۃ القول المفید ص ۱۱)

م: **وقدورد عن زید بن ثابتؓ عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم ان اللّٰہ یحب ان یقرأ القراٰن کما انزل (۱۴) صححہ ابن خزیمۃ وقال اللّٰہ تعالی الذین اٰتینٰھم الکتاب یتلونہ حق تلاوتہ اولٰئک یؤمنون بہ فالمقصود بحق التلاوۃ وبادائہ کما انزل (۱۵) ھو الترتیل الذی امر اللّٰہ بہ فی قولہ تعالی ورتل القراٰن ترتیلا۔**

ت: چنانچہ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ پسند کرتے ہیں کہ قرآن کریم جیسا نازل ہوا اسی طرح پڑھا جائے (روایت کی تصحیح ابن خزیمہ نے کی) اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی اور وہ اس کی تلاوت کرتے ہیں جس طرح تلاوت کا حق ہے ایسے ہی لوگ اس پر ایمان لاتے ہیں تو حق تلاوت اور اس کے نازل شدہ طریقہ پر ادا کرنے سے مقصود یہی ترتیل ہے' جس کا اللہ تعالیٰ نے اپنے قول وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا میں حکم دیا۔

ش: تجوید کی اہمیت اور فضیلت: (۱۴) اس حدیث سے بھی قرآن کریم کو تجوید کے ساتھ پڑھنے کی فضیلت معلوم ہوتی ہے۔ اس پر کوئی یہ اشکال کرے کہ ہمیں یہ کیسے معلوم ہوسکتا ہے کہ قرآن کریم تجوید کے ساتھ نازل ہوا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ آپ یہ تو جانتے ہیں کہ اردو زبان کے بھی کچھ قواعد اور اصول' بولنے کی کچھ ہیئتیں اور ترکیبیں ہوتی

ہیں۔ حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے اس کی مثال دی کہ ہم روزمرہ پنکھا اور کنواں وغیرہ بولتے ہیں اور نون میں اخفاء کرتے ہیں۔ حالانکہ رسماً نون لکھا جاتا ہے تو نون کو صاف ادا کرنا چاہیے لیکن نہیں کرتے بلکہ اگر کوئی استعمال کرے تو اسے اردو سے نابلد اور ناواقف کہتے ہیں۔ ایسے ہی درخواست اور خواہش وغیرہ میں واؤ لکھا جاتا ہے لیکن پڑھنے میں نہیں آتا ہے تو جب تک قواعد اور اصول نہ ہوں گے کس طرح معلوم ہوسکتا ہے کہ کیا پڑھا جائے گا۔

اسی طرح یہ قرآن حکیم عربی زبان میں ہے اور عربی زبان قدیم اور فصیح ہونے کے ساتھ نہایت لطیف اور عمدہ زبان ہے اور اس زبان میں خوبیاں کیوں نہ ہوں کہ یہ زبان تو خود حق تعالیٰ نے اپنے لئے نبی آخر الزماں کے لئے مقربین ملائکہ اور اہل جنت کے لئے تجویز کر رکھی ہے۔ تو اس زبان کے حروف کی ادائیگی کے بھی اصول و قواعد اور کیفیتیں ہوں گی جس کو رسول اللہ ﷺ نے جبرئیل علیہ السلام سے سنا پھر اسی کیفیت کے ساتھ امت کو پہنچایا اور امت نے یکے بعد دیگرے آنے والوں تک پہنچایا اسی سے قواعد تجوید بنائے گئے۔

(۱۵) آیت يَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ کا مطلب وتفسیر بیان فرمارہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے کتاب پر ایمان لانے والے انہی لوگوں کو قرار دیا جو اس کی تلاوت کا حق ادا کریں اور تلاوت کا حق یہی ترتیل ہے جس کا خود اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے اور قرآن کریم کو بھی اسی صفت ترتیل پر اتارا ہے جیسا کہ ''وَرَتَّلْنَاهُ تَرْتِيْلًا'' شاہد ہے۔

م: وبه نزل كما قال الله تعالىٰ ورتلناه ترتيلا۔ وقال سيدنا علي رضى الله عنه الترتيل (۱۶) تجويد الحروف ومعرفة الوقوف فلمّا ثبت (۱۷) امر الله تعالىٰ بالترتيل اى التجويد وجب الاخذ به ولزم الاثم علىٰ تركه لا سيما لمن لا يبالي شانه وروى رب قارئ للقرأن والقرأن يلعنه اى اذا (۱۸) اخلّ بمبانية او بمعانيه او بالعمل بما فيه۔

ت: اور قرآن کریم بھی اسی طرح نازل ہوا جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ''ہم نے قرآن کو صاف صاف پڑھ کر سنایا۔'' سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ترتیل تجوید

حروف اور معرفت وقوف کو کہتے ہیں پس جب ترتیل یعنی تجوید کے ساتھ پڑھنے پر اللہ تعالیٰ کا حکم ثابت ہوگیا تو اس کو اختیار کرنا واجب ہے اور اس کے چھوڑ دینے پر گناہ لازم آئے گا خصوصاً ایسے شخص پر جو اس کی پرواہ ہی نہیں کرتا ہو۔ چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ بہت سے قرآن کے پڑھنے والے ہوتے ہیں حالانکہ قرآن ان پر لعنت کرتا ہے یعنی جب وہ قرآن کریم کے الفاظ میں یا اس کے معانی میں گڑبڑی کرے گا یا اس میں جو مسائل ہیں ان پر عمل کرنے میں خلل ڈالے گا (تو قرآن لعنت کرے گا)۔

ش: (۱۶) اور ترتیل ہی کا نام تجوید ہے اس لئے کہ ترتیل تفعیل کا مصدر ہے بمعنی ٹھہر ٹھہر کر عمدہ طریقہ پر پڑھنا۔ حروف کو اچھی طرح ادا کرنا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے اسی کی تفسیر منقول ہے۔ تَجْوِيْدُ الْحُرُوْفِ وَمَعْرِفَةِ الْوُقُوْفِ۔ گویا ترتیل نام ہوا دو جز کا۔ پھر اگر ان دو اجزاء کو مفصل بیان کیا جائے تو پانچ جزء بنتے ہیں چنانچہ تجوید حروف کے دو اجزاء ہیں مخارج الحروف۔ صفات الحروف۔ پھر صفات کی دو قسمیں ہیں۔ صفات لازمہ' صفات عارضہ اور معرفت وقوف کے دو جزء ہیں۔ کیفیت وقف۔ محل وقف۔ واللہ اعلم (معلم التجوید)

(۱۷) ماقبل کی آیات و روایات سے جب تجوید کی اہمیت اور اس کا حکم معلوم ہوا تو مصنف اس سے استدلال فرما رہے ہیں کہ اس پر عمل کرنا واجب اور اس کے چھوڑنے پر گناہ ہوگا خصوصاً وہ شخص جو لا پرواہی سے چھوڑ دے وہ اس سے زیادہ گناہ گار ہوگا چنانچہ ایک حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بہت سے قرآن کے پڑھنے والے اور اس کی تلاوت کرنے والے ہوتے ہیں لیکن قرآن ان پر لعنت کرتا رہتا ہے اسی لئے حدیث میں آتا ہے اَلْقُرْاٰنُ حُجَّةٌ لَّكَ اَوْ عَلَيْكَ یعنی جب قرآن کے الفاظ کو بگاڑا جائے گا یا اس کے معانی غلط بیان کئے جائیں گے یا قرآن کے احکام پر عمل نہیں کیا جائے گا تو پھر یقیناً قاری پر لعنت ہوگی۔ اس لئے جہاں قرآن پر عمل کرنا ضروری ہے وہیں تجوید سے قرآن پڑھنا بھی فرض ہے۔

(۱۸) اذا حرف شرط ہے اس کے بعد پورا جملہ معطوف و معطوف علیہ مل کر شرط ہے اور

جواب ''فَالْقُرْاٰنُ یَلْعَنُہ'' محذوف ہوگا۔

م : ومن جملة العمل بما فيه ترتيل القراٰن وتجويده وقد نقصت صلوٰة من لم يجوّد مقدار النقصان فيه بل يفسدها بعض صور اللحن الجلي (١٩) كما فصّل في زلّة القارى من كتب الفقه وقال علي القاريؒ فان اللحن على نوعين۔ جلي و خفي۔ فالجلي خطأ (٢٠)

ت : مُجملۂ قرآن کریم پر عمل کرنے کے یہ (بھی) ہے کہ قرآن کریم کو ترتیل و تجوید سے پڑھا جائے اور جتنی مقدار میں قرآن کریم کو ناقص پڑھا جائے گا' اتنی ہی مقدار میں اس کی نماز بھی ناقص ہوگی۔ بلکہ لحن جلی کی تو بعض صورتیں نماز کو فاسد ہی کر دیتی ہیں جیسا کہ کتب فقہ کے باب زلۃ القاری میں مفصل ہے۔ ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ لحن کی دو قسمیں ہیں۔لحن جلی۔لحن خفی۔ پس لحن جلی وہ خطاء ہے

ش : لحن جلی اور لحن خفی کا بیان: (١٩) مطلب یہ ہے کہ قرآءت قرآن نماز میں فرض ہے اور قرآن کو تجوید سے پڑھنا فرض ہے لہٰذا تجوید میں جتنی کمی آتی جائے گی۔ اتنی ہی نماز بھی ناقص ہوگی اور بعض صورتیں تو ایسی ہیں جس سے لحن جلی پیدا ہو کر نماز ہی فاسد ہو جاتی ہے جس کی تفصیل کتب فقہ میں ہے حاصل اس کا یہ ہے کہ لحن و خطاء کی مختلف صورتیں ہیں۔ ① ابدال حرف بحرف۔ ② خطاء فی الاعراب۔ ③ تخفیف مشدد۔ ④ تشدید مخفف۔ ⑤ زیادت حرف ⑥ نقص حرف ⑦ وصل حرف بالکلمہ ⑧ قطع بعض الکلمۃ عن بعض ⑨ خطا فی الوقف ⑩ خطاء فی الابتداء ⑪ ترک مد ⑫ زیادت مد ⑬ زیادت کلمہ ⑭ نقص کلمہ ⑮ تقدیم کلمہ ⑯ تبدیل کلمہ ⑰ تکریر کلمہ وغیرہ وغیرہ مختلف صورتیں ہیں اور پھر جگہ جگہ کا فرق ہے۔ خطاء کی جو بھی صورت پیش آئے اس کے متعلق ماہر عالم و مفتی سے مسئلہ صحیح طور سے معلوم کر کے نماز کے فساد یا عدم فساد کا حکم لگائیں گے۔ مزید تفصیل قاضی خاں عالمگیری وغیرہ میں ملاحظہ فرمائیں۔ بندہ کے غیر مطبوعہ رسالہ باب زلۃ القاری میں بھی کافی تفصیل ہے۔

(۲۰) نمبر ۱۹ حاشیہ پر جتنی صورتیں بیان کی ہیں وہ سب خطاء جلی کی ہیں البتہ مصنفؒ نے اس میں سے خطاء فی الاعراب کی مثالیں بیان کی ہیں کہ جیسے مجرور کو مرفوع یا منصوب یا مرفوع کو مجرور وغیرہ پڑھنا یا حرکت کی جگہ سکون۔ سکون کی جگہ حرکت پڑھنا۔ لحن جلی کا تفصیلی حکم گو کتب فقہ میں ہے مگر اجمالی حکم یہ ہے کہ اگر قرآن کریم کے مقصود کے خلاف معنی پیدا ہوجائیں چاہے وہ کلمہ کفر ہوں یا نہ ہوں مفسد صلوٰۃ ہے اور اگر معنی میں خلل نہ ہوں تو پھر اتفاقی اور اختلافی صورتیں "باب زلۃ القاری" میں دیکھنی چاہیے۔

م: يعرض اللفظ ويخل بالمعنى والاعراب كرفع المجرور ونصبه ونحوهما سواء تغير المعنى به ام لا والخفى (۲۱) خطأ يخل بالحرف كترك الاخفاء والقلب والاظهار والادغام والغنة و كترقيق المفخم وعكسه ومد المقصور وقصر الممدود وامثال ذالك انتهٰى۔

ت: جو لفظ کو عارض ہوتی ہے اور معنی اور اعراب میں خلل ڈالے۔ جیسے مجرور کو رفع یا نصب دینا یا اس طرح کا کوئی بھی اعراب بدل دینا چاہے معنی اس سے بدلے یا نہ بدلے اور لحن خفی وہ غلطی ہے جو حرف میں خلل ڈالے جیسے اخفاء اور قلب اور اظہار اور ادغام اور غنہ کو چھوڑ دینا (ان کی جگہ پر) اور جیسے مفخم کو مرقق یا اس کا برعکس اور مقصور میں ممدود یا ممدود میں قصر کرنا اور اس جیسی مثالیں۔

ش: (۲۱) لحن خفی وہ غلطی ہے جو حرف میں خلل ڈالے معنی پر کوئی اثر نہ ہو جیسے اخفاء کی جگہ اظہار اور اظہار کی جگہ اخفاء اسی طرح ادغام کی جگہ اظہار یا کچھ اور کرلیا۔ مفخم کو مرقق یا مرقق کو مفخم پڑھنا۔ مد کی جگہ قصر یا قصر کی جگہ مد کرنا وغیرہ وغیرہ۔ لحن خفی سے گو نماز فاسد نہیں ہوگی۔ مگر خلاف سنت پڑھنے سے تحسین قرآن فوت ہوجائے گی۔

م: والاخلال (۲۲) بالمعنىٰ قد يكون بتغير ذات الحرف وصفته معًا وقد يكون بتغير الصفة فقط كتبديل الاستفال مكان الاستعلاء نحو حتب مكان حطب فاذا قرأ حمالة الحتب بتغير الصفة

فسدت الصلوٰۃ کما فی منیۃ المصلی فلزم (۲۳) ان براعی التجوید مطلقا من غیر اختصاص بترك اللحن الجلی او الخفی۔ ومن غیر اختصاص بحرف دون حرف۔

ت : اور معنی میں خلل ڈالنا کبھی تو ہوتا ہے ذات حرف اور صفت حرف دونوں کے بدلنے سے اور کبھی صرف صفت کے بدلنے سے ہوتا ہے مثلاً صفت استعلاء کی جگہ صفت استفال کو بدل دینا جیسے حَتَبٌ پڑھا حَطَبٌ کی جگہ پس جب کسی نے حَمَّالَةَ الْحَتَبُ پڑھا صفت (استعلاء) کو بدل کر تو نماز فاسد ہو جائے گی۔ جیسا کہ منیۃ المصلی میں ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ تجوید کی مطلقاً (ہر حال میں) رعایت کی جائے بلا کسی خصوصیت کے کہ لحن جلی چھوڑا جائے یا لحن خفی اسی طرح بغیر خصوصیت کے ایک حرف کے ساتھ تو ہو نہ کہ دوسرے حرف کے ساتھ۔

ش : (۲۲) یہ پوری عبارت ماقبل ہی کی تقسیم پر متفرع ہے۔ حاصل یہ ہے کہ بعض حروف ایسے ہیں جن میں تغیر و تبدل اس وقت آتا ہے جب ذات اور صفت دونوں بدل جائیں لیکن بعض حروف ایسے بھی ہیں جن میں امتیاز صفات سے ہے تو محض صفت کے بدلنے سے حرف بدل جائے گا اس صورت میں صفت کے بدلنے پر ہی نماز فاسد ہو جائے گی جیسے حَطَبٌ کی جگہ حَتَبٌ پڑھنے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے وجہ یہ ہے کہ حَطَبٌ کے معنی حَتَبٌ میں ادا ہی نہیں ہوتے۔ قاضی خاں میں ہے حَمَّالَةَ الْحَطَبُ قرأ حَمَّالَةَ الْحَتَبُ بالتاء تفسد صلوٰۃ (قاضی خاں جلد اص ۱۴۷ بر حاشیہ عالمگیری)۔

(۲۳) جب قرآن کریم کے غلط پڑھنے کا یہ حال ہے تو اس سے تجوید کی اہمیت اور ضرورت معلوم ہوئی لہٰذا تجوید کے ساتھ قرآن کریم کو ہر حال میں پڑھنا ضروری ہے۔ یہ نہیں کہ لحن جلی کے چھوڑنے کی فکر تو ہو اور لحن خفی کی کوئی پرواہ ہی نہ ہو۔ بلکہ قرآن کریم کو تمام غلطیوں سے بچانا ضروری ہے۔

م : ولا صفة دون صفة ولا حال دون حال (۲۴) سواء کانت

القرأة ترتیلًا وحدرًا او تدویرا (۲۵)۔ ھذا۔ ولما ثبت (۲۶) فرضیۃ عمل التجوید افترض علینا علمہ۔ لان العمل فرع للعلم ولیحترز القاری عن القرأۃ ھذًا کھذ الشعر (۲۷)۔

ت: یا ایک صفت کے ساتھ نہ کہ دوسری صفت کے ساتھ اور ایک حال میں نہ کہ دوسرے حال کے ساتھ چاہے قرآءت ترتیل ہو یا تدویر ہو یا حدر۔ (ہر حال میں تجوید کی رعایت کرنا ضروری ہے) خوب یاد رکھو اور جب (اس بحث سے) تجوید پر عمل کرنے کی فرضیت ثابت ہوگئی تو ہم پر اس کا جاننا بھی فرض ہوگیا۔ اس لیے کہ عمل علم کی فرع ہے اور قاری کو چاہیے کہ جلدی جلدی قرآءت پڑھنے سے بچے جیسے جلدی جلدی اشعار پڑھ لیتے ہیں۔

ش: (۲۴) اس پوری عبارت کا حاصل یہی نکلا کہ ہر حال میں قرآن کریم کو تجوید سے پڑھا جائے یہ نہیں کہ نماز میں تو فکر ہو۔ غیر نماز میں نہیں۔ یا ایک حرف کو تو خوب ادا کرنے کی کوشش کی جائے دوسرے حروف کو نہ کریں جیسے بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ ھاء اور عین کو تو خوب اچھی طرح پڑھنے کی کوشش کرتے ہیں باقی حروف کو چھوڑ دیتے ہیں اسی طرح یہ بھی نہ کیا جائے کہ ایک صفت تو ادا کریں دوسری صفات کو چھوڑ دیں یا ایک حالت میں مثلاً جلوت میں ہوں تو سنانے کے لئے اچھی طرح پڑھیں اور دوسرے وقت جب تنہا ہوں اناپ شناپ شروع کر دیں۔

(۲۵) قرآءت قرآن کی یہ تین صورتیں ہیں۔ ترتیل۔ حدر۔ تدویر۔ بعضھا فوق بعض۔ ترتیل یہ ہے کہ ٹھہر ٹھہر کر حرف کو تمام صفات کے ساتھ پورا ادا کرنے کی کوشش کرے۔ حدر یہ ہے کہ روانی کے ساتھ حروف کو صاف ادا کرے۔ تدویر درمیانی طریق ہے۔ نماز میں یہی درمیانی طریق ہونا چاہیے تاکہ مقتدیوں کو اکتاہٹ نہ پیدا ہو۔ مصنف یہ فرمانا چاہتے ہیں کہ ان تینوں طریق میں تجوید کی رعایت کی جائے۔

(۲۶) جب تجوید پر عمل یعنی تجوید کے ساتھ قرآن کریم کو پڑھنا فرض ہے تو اس کا علم حاصل کرنا اور اس کے لئے محنت کرنا بھی فرض ہے اس لئے کہ عمل علم کے تابع ہے جب تک علم

نہیں ہوگا۔عمل ممکن نہیں۔اس لئے علم تجوید بھی قرآن کے پڑھنے والے کو حاصل کرنا چاہیے۔

آداب تلاوت قرآن:

(۲۷) یہاں سے تلاوت قرآن کے کچھ آداب بیان کئے جا رہے ہیں۔ پہلا ادب تو یہ ہے کہ قرآن کریم کو اتنی تیزی سے نہ پڑھنا چاہیے جس میں حروف کی صحیح کیفیت کا پتہ نہ چلے بلکہ حرف کی حرفیت ہی ختم ہو جائے جیسا کہ رمضان المبارک میں بہت سے حفاظ تراویح میں جلد سے جلد فارغ ہونے کے لئے کرتے ہیں۔ یہ بہت ہی غلط اور بری چیز ہے۔علماء لکھتے ہیں کہ اس طرح قرآن پڑھنا جس میں حروف غائب ہو جائیں یا کٹ جائیں یا بگڑ جائیں اس سے بہتر یہ ہے کہ الم ترکی مختصر سی صورتیں اطمینان سے پڑھ لی جائیں۔ ھذّا۔ نَصَرَ کا مصدر ہے جس کے معنی جلدی جلدی کاٹنے کے ہیں۔ مطلب یہ ہوا کہ اس طرح جلدی جلدی نہ پڑھے کہ جیسے گھاس کاٹنا ہو جس میں اچھے برے کی کوئی تمیز نہیں ہوتی کَھَذِّ الشعر۔ شعر کے ساتھ تشبیہ یاد ہونے میں ہے اور روایت کرنے میں ہے۔(مجمع البحار۔ ج ۳ ص ۴۸۱) اس لئے کہ عموماً اشعار یاد ہوتے ہیں' تو روانی کے ساتھ پڑھ سکتے ہیں۔اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ شعر پڑھنے کے ساتھ ہی تشبیہ مقصود ہو اس لئے کہ عرب میں اشعار کو جلدی جلدی پڑھنے کا معمول تھا گایا نہیں کرتے تھے۔

م: وليزينها بحسن الصوت (۲۸) لقول النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم زيّنوا القرآن باصواتكم ولقوله صلی اللّٰہ علیہ وسلم ليس منا من لم يتغنّ بالقرآن رواهما ابوداؤد۔

ت: اور قرآءت کو حسن صوت (اچھی آواز) سے مزین کرے اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم قرآن کو اچھی آواز سے مزین کرو۔اسی طرح حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ جو قرآن کو خوش آوازی سے نہ پڑھے۔وہ ہم میں سے نہیں۔رواہما ابوداؤد۔

ش: (۲۸) دوسرا ادب یہ ہے کہ قرآن اچھی آواز سے پڑھنا چاہیے' جس کو

ہمارے عرف میں خوش الحانی کہتے ہیں جو فطری اور مرغوب ہوتی ہے اور اس میں قرآن کریم کے ساتھ ایک قسم کا ادب ہے کہ اللہ کی دی ہوئی خوش الحانی کو ہم اس کے پڑھنے میں استعمال کر رہے ہیں اور انسان بھی اچھے کلام اور عمدہ نظم میں ہی اچھی آواز نکالتا ہے نہ کہ عمومی کلام میں۔ دوسری حدیث لَيْسَ مِنَّا الخ میں ایک نوع کی وعید ہے اس پر جو خوش آوازی سے نہ پڑھے۔ اس لئے کہ اس میں ایک قسم کی غفلت و لا پرواہی اور قرآن کریم سے لا ابالی پن معلوم ہوتا ہے۔ باقی اس سے گانے اور نخرے کرنے کا ثبوت نہیں مل سکتا ہے اس لئے کہ جس کا حکم ہے وہ فطری آواز ہے جس میں کوئی نزاکت نہیں ہوتی اور گانے کی شکلیں اختیاری اور بناوٹی ہیں اس لئے اس سے احتراز کرنا چاہیے۔

م: وقال النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم اقرؤا القرأن بلحون العرب (۲۹) رواہ النسائی ولا (۳۰) یترك خدمة القرأن فان فیها الخیر وفی ترکها خوف النسیان۔

ت: اسی طرح رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ قرآن کریم کو عرب کے لحن سے پڑھو۔ رواہ النسائی۔ اسی طرح قاری قرآن کی خدمت نہ چھوڑے اس لیے کہ اس میں خیر ہے اور اس کے چھوڑنے میں نسیان کا خطرہ ہے۔

ش: (۲۹) لُحُوْن لَحْن کی جمع ہے۔ لَحْن سے مراد سادہ طرز و انداز ہے۔ مراد یہ ہے کہ جیسا اہل عرب کے پڑھنے کا انداز سادگی اور روانی کے ساتھ ہے اس طرح پڑھو۔ نہ طرز میں اتار چڑھاؤ نہ گھٹانا بڑھانا نہ ہی گانے کی کوئی اور شکلیں ہوں۔

(۳۰) تیسرا ادب بیان فرمایا خدمت قرآن۔ جب اتنی محنت سے علم حاصل کیا سینہ میں اتارا تو اس کو باقی رکھنے کے لئے دوسروں کو تعلیم دو۔ اس میں تعلیم دینے کا بھی ثواب ملے گا اور اپنا بھی فائدہ حفاظت قرآن کا ہو جائے گا۔ آج کل قرآن کی خدمت سے کوتاہی ہو رہی ہے۔ لوگ اسے حقیر سمجھتے ہیں حالانکہ یہ بڑی نعمت اور دولت ہے۔ لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُوْنَ۔

م: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم خیرکم من تعلم

القرآن (۳۱) وعلّمه رواه ابوداؤد وقال صلی اللّٰه علیه وسلم تعاهدوا القرآن فوالذی نفس محمد بیده لهو اشد تفلتا من الابل فی عقلها (۳۲) رواه مسلم وقال صلی اللّٰه علیه وسلم ما من امرأ یقرأ القرآن ثم ینساه الالقی اللّٰه یوم القیامة اجذم (۳۳) رواه ابوداؤد۔

ت: حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں تم میں سے بہترین شخص وہ ہے جو قرآن کو سیکھے اور سکھائے۔ رواہ ابوداؤد۔ اسی طرح رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ قرآن کریم کی خبر گیری کرتے رہا کرو (یعنی پڑھتے رہو) پس قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے البتہ یہ قرآن بندھے ہوئے اونٹوں کے چھوٹنے سے بھی زیادہ (چھوٹ کر بھاگنے والا) ہے رواہ مسلم اسی طرح رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ جو آدمی قرآن پڑھ کر بھول جائے وہ قیامت کے دن اللہ کے سامنے جذامی بن کر آئے گا۔ رواہ ابوداؤد۔

ش: (۳۱) خدمت قرآن کے فضائل اور اس کی اہمیت پر مصنف روشنی ڈال رہے ہیں یہ حدیث قرآن کے سیکھنے اور سکھانے والوں کی فضیلت کے لئے بین ثبوت ہے اور ظاہر ہے کہ علم تجوید بھی علوم قرآن میں داخل ہے اس لئے کہ تجوید کا تعلق الفاظ قرآن کی تصحیح و تحسین سے ہے جس پر معانی کی درستگی موقوف ہے۔

(۳۲) مطلب یہ ہے کہ اگر اونٹ کو باندھا نہ جائے تو چھوٹ جائے گا اسی طرح اگر قرآن کریم کے پڑھنے پڑھانے کا معمول نہ بنایا گیا تو یہ بھی سینہ سے نکل جائے گا چنانچہ عموماً ایسا ہی ہوتا ہے کہ کتنی ہی محنت سے حفظ کرنے کے بعد اگر چھوڑ دیا گیا تو چند سالوں کے بعد سینہ سے غائب ہو جاتا ہے پھر ایک ناظرہ خواں اور اس حافظ میں کوئی فرق نہیں رہتا۔

(۳۳) اس حدیث میں بڑی وعید ہے' قرآن کے بھولنے پر۔ یہ نعمت حفظ قرآن کی ناقدری کا نتیجہ ہے' اسی طرح تجوید کے علم حاصل کرنے کے بعد پڑھنا چھوڑ دیتا ہے تو پھر زبان کی مشق آہستہ آہستہ ختم ہو جاتی ہے۔

م: ولما کان التجوید (۳۴) اداءً کاداء الرسول ووجوه

الاداء عنه الینا منقول ولا دخل للرای فیه کما لادخل له فی رسم خط القرآن وانما الاداء باستماع الآذان والرسم باتباع مصحف سیدنا عثمان رضی اللّٰه عنه وجب علینا النقل والاسناد فی القرآن فالاسناد من الدین۔

ت: اور جب تجوید ادا کے اعتبار سے رسول اللہ ﷺ کے ادا کے طریقے پر ہے اور ادا کے سارے طریقے آپ ﷺ سے ہم تک منقول ہو کر چلے آ رہے ہیں اور اس میں رائے و عقل کو کوئی دخل نہیں جیسے رسم خط قرآن میں رائے و عقل کو دخل نہیں اور یقیناً ادا کا طریقہ کانوں کے سننے سے ہوگا اور رسم (الخط معلوم کرنے) کا طریقہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے مصحف کی اتباع سے ہوگا تو ہم پر بھی نقل کرنا اور اسناد بیان کرنا قرآن کریم میں ضروری ہو گیا اس لیے کہ اسناد دین سے ہے۔

ش:

اہمیت اسناد:

(۳۴) مصنفؒ یہاں سے علم تجوید میں اسناد کی اہمیت اور کامل استاد کی ضرورت پر کلام فرما رہے ہیں اور وہ اس طرح پر کہ تجوید رسول اللہ ﷺ کے طرز ادا پر قرآن پڑھنے کا نام ہے اور آپ ﷺ سے پڑھنے کی ساری صورتیں اور طریقے ہم تک منتقل ہو کر آئے ہیں اس میں رائے کو بالکل داخل نہیں جس طرح رسم الخط میں رائے کو دخل نہیں۔ تو تجوید کا صحیح علم حاصل ہوگا کانوں کے سننے سے اور رسم الخط معلوم ہوگا' آنکھوں کے دیکھنے سے۔ جب یہ حیثیت ہے تو ہم پر اکابر اساتذہ سے نقل کرنا اور ان سے سند حاصل کرنا ضروری ہو گیا اور بلا سند و ثبوت کے یہ علم محض کتابوں سے پڑھ کر حاصل نہ کرنا چاہیے۔ اس لئے کہ اسناد دین سے ہے۔ یعنی اس دین کا مدار بھی سند پر ہی ہے۔ بلا سند کے کوئی بات معتبر نہیں ہوتی۔

م: ولولا الاسناد لقال من شاء ما شاء (۳۵) واذا لزم الاسناد

فانظر عمن تاخذ۔ (۳۶) ان کان عن ماہر ثقة فقد فزت بمرادك والافکنت مضیعا عمرك ومفوتا مطلبك۔ هذا۔ وقد اتفقت الائمة علیٰ ان من صلّٰی صلوٰة وقرأ فیها القرآئة المتواترة وفاقا للقراء السبعة جازت صلوٰته بلا خلاف بخلاف غیرها (۳۷)۔

ت: اور اگر سند نہ ہوتی تو ہر آدمی جو چاہے کہہ دیتا اور جب سند کا حاصل کرنا ضروری ہوگیا تو یہ دیکھ لو کہ تم کس سے یہ علم حاصل کر رہے ہو۔ اگر ماہر اور ثقہ استاذ سے حاصل کر رہے ہو تو اپنے مقصد میں کامیاب ہوگئے ورنہ تو اپنی عمر کو ضائع کرنے والے اور اپنے مقصد کو فوت کرنے والے بنوگے خوب سمجھ لو۔ حضرات ائمہ کا اتفاق ہے اس پر کہ کوئی نماز پڑھے اور اس میں ایسی قرآءت متواترہ پڑھے جس میں قراء سبعہ سب متفق ہوں تو بغیر کسی اختلاف کے اس کی نماز صحیح ہوجائے گی برخلاف غیر متفق قرآءت کے۔

ش: (۳۵) یہ حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ کا مقولہ ہے جو مقدمہ صحیح مسلم میں موجود ہے حاصل یہ ہے کہ سند کا ہونا بھی دین میں داخل ہے اور اگر اسناد نہ ہوتی تو جو فرد بھی جو چاہتا کہہ دیتا اس لئے کہ اسے یہ فکر تو ہوتی نہیں کہ کوئی یہ پوچھے گا کہ کہاں سے نقل کر رہے ہو کس سے حاصل کیا اگر یہ ہوتا تو اس کی فکر ہوتی۔ اسی لئے ہمارے محققین محدثین نے احادیث کی اسناد پر بڑی گہری نظر رکھی ہے۔ متواتر، مشہور، ضعیف، موضوع ہر ایک کو پرکھا اور نقد کیا ہے تاکہ کوئی شخص خواہ مخواہ رسول اللہ ﷺ کی طرف جھوٹ بات منسوب نہ کردے۔

فجزاهم الله احسن الجزاء

(۳۶) جب استاد کا ہونا ضروری ہوگیا جس سے سند مستند حاصل کیا جائے تو اب یہ بھی ضروری ہوگیا کہ ماہر اور ثقہ قاری جو مسائل تجوید پر پوری واقفیت اور عبور رکھتا ہو اسی سے حاصل کیا جائے جب ہی متعلم اپنے مقصود میں کامیاب ہے ورنہ تو جتنی عمر اس کے حاصل کرنے میں گئی وہ سب ضائع اور برباد ہوگئی اور مطلب بھی حاصل نہ ہوا۔

(۳۷) مصنف رحمہ اللہ کا بطور مقدمہ کے بہت سی مفید باتیں بیان کر رہے ہیں جس میں

ایک بات اور بھی بیان کرتے ہیں کہ نماز میں ایسی قرآءت پڑھنی چاہیے۔ جس پر قراء سبعہ کا اتفاق ہوتا کہ بلاکسی اختلاف کے سب کے یہاں نماز درست ہو جائے اور یقیناً ایسی نماز سب کے یہاں درست ہو جائے گی جو قرآءت متفق علیہ سے ہو لیکن ظاہر ہے کہ یہ اختلاف قرآءت قرآن کریم میں بہت زیادہ ہے اس لئے کم از کم آدمی کہیں امامت کرائے تو پھر ایسی قرآءت پڑھنی چاہیے جس میں عوام غلطی میں مبتلا نہ ہوں۔ اسلئے کہ وہ ایک ہی قرآءت جانتے ہیں اگر دوسری قرآءت شروع کر دی تو وہ قرآن کریم کا مذاق اڑائیں گے چنانچہ کبیری شرح منیۃ المصلی صفحہ ۴۶۳ میں ہے: قرأة القرآن بالقرآءة السبع والروايات كلها جائزة لكن ارى الصواب ان لا يقرأ بالقرآءة العجيبة والروايات الغريبة لان بعض السفهاء ربما يقعون فى الاثم ويقولون مالا يعلمون ولا ينبغي للامام ان يعمل العوام على ما فيه نقصان دينهم و دنياهم وحرمان ثوابهم فى عقباهم ولا يقرأ على رؤس العوام والجهال مثل قرآءة ابى جعفر المدنى وابن عامر و على وحمزة والكسائى صيانة لدينهم فلعلهم يستخفون ويضحكون وان كان كلها صحيحة فصيحة طيبة۔" (بتغير يسير)

م: فليكن مطمح نظرك قرآءتهم المتواترة كى تصح صلوٰتك وفاقاوهم (۳۸) النافع المدنى وابن كثير المكى (۳۹) وابوعمرو البصرى (۴۰)

ت: اس لیے تمہارا مقصود نظر یہی ہو کہ وہی قرآءت پڑھی جائے جو ان کی متفق علیہ ہوتا کہ اتفاقی طور سے تمہاری نماز درست ہو جائے اور وہ (قراء سبعہ) نافع مدنی رحمہ اللہ۔ ابن کثیر مکی رحمہ اللہ۔ ابوعمرو بصری رحمہ اللہ۔

ش: احوال ائمہ سبعہ قراءات: (۳۸) قراء سبعہ کے اسماء مصنف نے ذکر کئے ہیں۔ سب سے پہلے قاری امام نافع مدنی رحمہ اللہ ہیں۔ ۷۰ ہجری کے لگ بھگ ولادت ہے۔

ننانوے (۹۹) سال کی عمر میں ۱۶۹ھ میں وفات پائی۔ یزید بن قعقاع رحمہ اللہ اور عبدالرحمٰن بن ہرمز رحمہ اللہ وغیرہ اکابر تابعین سے علم حاصل کیا۔ جب کلام فرماتے تو منہ سے مشک کی خوشبو آتی۔ کسی نے پوچھا کہ آپ خوشبو لگاتے ہیں؟ فرمایا نہیں! البتہ رسول اللہ ﷺ کو خواب میں دیکھا کہ میرے منہ میں پڑھ رہے ہیں۔ تب سے یہ خوشبو آ رہی ہے۔ آپ کے دو شاگرد مشہور ہیں۔ ① ابوموسیٰ مدنی جن کا لقب قالون ہے۔ ② ابوسعید عثمان جن کا لقب ورش ہے۔

(۳۹) دوسرے قاری امام ابن کثیر مکی رحمہ اللہ ہیں۔ ولادت ۴۵ ہجری وفات ۱۲۰ ہجری میں ہے۔ حضرت عبداللہ بن سائب مخزومی رضی اللہ عنہ اور مجاہد رحمہ اللہ وغیرہ تابعین سے علم حاصل کیا علم قراءۃ کے ساتھ حدیث میں بھی امام سمجھے جاتے تھے۔ مشہور تلامذہ میں دو شاگرد ہیں جو بالواسطہ نقل کرتے ہیں ① احمد بزی رحمہ اللہ ② محمد جن کا لقب قنبل رحمہ اللہ ہے۔

(۴۰) تیسرے قاری امام ابوعمرو البصری المازنی رحمہ اللہ ہیں۔ ولادت ۶۸ ہجری وفات ۱۵۴ ہجری میں ہوئی۔ ابن کثیر رحمہ اللہ۔ مجاہد رحمہ اللہ' سعید بن جبیر رحمہ اللہ وغیرہ سے علم حاصل کیا جب مدینہ تشریف لائے تو لوگ انہیں سے علم حاصل کرنے لگے اور جب تک کوئی ان کے پاس حاضر خدمت نہ ہوتا اسے قاری نہیں سمجھتے تھے۔ دو شاگرد بالواسطہ مشہور ہوئے ① ابوعمر ودوری رحمہ اللہ ② ابوشعیب سوسی رحمہ اللہ۔

م: **وابن عامر الشامي (۴۱) والعاصم (۴۲) وحمزة (۴۳) والكسائي (۴۴) الكوفيون ولكل راويان بواسطة او بغيرها واما انا (۴۵) فلا اذكر في رسالتي هذه الاماروى عن الامام عاصم برواية حفص بغير واسطة من طريق الشاطبية**

ت: ابن عامر شامی رحمہ اللہ۔ عاصم کوفی رحمہ اللہ۔ حمزہ کوفی رحمہ اللہ۔ کسائی کوفی رحمہ اللہ ہیں اور (ان میں سے) ہر ایک کے دو دو راوی ہیں بالواسطہ یا بلا واسطہ۔ لیکن میں تو اپنے اس رسالہ میں صرف وہ روایات ذکر کروں گا' جو امام عاصم رحمہ اللہ سے بروایت حفص رحمہ اللہ بغیر واسطہ کے طریق شاطبی سے منقول ہے۔

ش: (۴۱) چوتھے قاری امام عبداللہ بن عامر یحصبی رحمہ اللہ قاضی دمشق ہیں۔ ۲۱ ہجری میں ولادت ہے اور ۱۱۸ ہجری میں وفات ہے۔ حضرت ابو الدرداء حضرت واثلہ بن اسقع وغیرہ صحابہ رضی اللہ عنہم سے علم حاصل کیا۔ دوراوی مشہور ہیں۔ [۱] ابوالولید ہشام بن عمار سلمی رحمہ اللہ [۲] ابوعمرو عبداللہ بن احمد بن بشیر بن ذکوان رحمہ اللہ۔

(۴۲) پانچویں قاری امام ابوبکر عاصم بن ابی النجود کوفی رحمہ اللہ ہیں جن کی قرآءت عالم اسلام بلکہ عرب وعجم میں پھیل چکی ہے۔ ولادت کا علم نہیں البتہ وفات ۱۲۷ ہجری میں ہے۔ کتاب وسنت کے امام تھے۔ عبداللہ بن حبیب سلمی رحمہ اللہ، زر بن حبیش الاسدی رحمہ اللہ وغیرہ اکابر تابعین سے علم حاصل کیا جنہوں نے حضرت عثمان، حضرت علی بن ابی طالب، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت ابی بن کعب، حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہم وغیرہ سے علم حاصل کیا۔ آپ کے بہت سے مشہور تلامذہ ہیں جن میں حماد رحمہ اللہ۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ بھی ہیں لیکن دوراوی زیادہ مشہور ہوئے۔ جن سے علم قرآءۃ کا سلسلہ جاری رہا۔ [۱] ابوبکر شعبہ بن عیاش الاسدی رحمہ اللہ ۹۴ ہجری میں ولادت اور ۱۹۳ ہجری میں وفات پائی۔ منقول ہے کہ چوبیس ہزار قرآن کریم ختم کئے۔ اسی طرح منقول ہے کہ اپنے بیٹے کو وصیت کی کہ بیٹے! اس حجرہ میں اللہ کی نافرمانی نہ کرنا اس لئے کہ میں نے اس میں اٹھارہ ہزار قرآن شریف ختم کئے ہیں۔ [۲] دوسرے راوی امام ابوعمر حفص بن سلیمان اسدی رحمہ اللہ ہیں۔ ۹۱ ہجری میں ولادت ہے اور وفات ۱۹۰ ہجری میں ہے۔ یحییٰ بن معین رحمہ اللہ محدث فرماتے ہیں کہ کثرت سے تلاوت کلام پاک فرماتے تھے۔ ابوبکر خطیب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ قوت حفظ میں شعبہ رحمہ اللہ سے افضل ہیں، اسی لئے امام عاصم رحمہ اللہ کی قرآءۃ کو اچھی طرح ضبط کیا ہے۔ امام شاطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ع

وَحَفْصٌ بِالْاِتْقَانِ كَانَ مُفَضَّلَا

چنانچہ امام حفص کی روایت امام عاصم کی قرآءت سے دنیا کے چپہ چپہ میں پھیلی ہوئی ہے۔

(۴۳) چھٹے قاری امام ابوعمارہ حمزہ بن حبیب زیات رحمہ اللہ ہیں۔ ولادت ۸۰ ہجری اور وفات ۱۵۶ ہجری میں ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ دو چیزوں میں ہم پر غالب

آ گئے علم قرآءۃ۔ علم فرائض۔ منقول ہے کہ قرآن کے پڑھانے پر اجرت نہیں لیا کرتے تھے۔ امام جعفر صادق رحمہ اللہ سے علم حاصل کیا۔ آپ کے تلامذہ میں ابراہیم بن ادہم رحمہ اللہ۔ سفیان ثوری رحمہ اللہ۔ عجلی رحمہ اللہ وغیرہ ہیں نیز امام کسائی رحمہ اللہ بھی ہیں جو ساتویں قاری ہیں لیکن دو راوی مشہور ہیں (۱) ابو محمد خلف رحمہ اللہ (۲) ابو عیسیٰ خلاد الصیر فی رحمہ اللہ۔

(۴۴) ساتویں قاری امام ابوالحسن علی بن حمزہ کسائی نحوی رحمہ اللہ ہیں۔ ستر سال عمر پائی۔ امام محمد بن الحسن شیبانی رحمہ اللہ کے خالہ زاد بھائی تھے۔ لغت اور نحو اور قرآءۃ کے امام تھے۔ دو راوی مشہور ہیں۔ (۱) ابوالحارث لیث بن خالد مروزی بغدادی رحمہ اللہ۔ (۲) ابو عمرو حفص دوری رحمہ اللہ۔

(۴۵) قراء سبعہ کی قرآءتیں مستقل ہیں ہر ایک قرآءۃ کو بیان کرنے کے لئے اور اصول کی وضاحت کرنے کے لئے ایک دفتر چاہیے۔ مصنف خلاصۃ البیانؒ اس میں سے ان قواعد واصول کو بیان کریں گے جو امام حفص رحمہ اللہ کی روایت سے امام عاصمؒ سے منقول ہیں اور انہیں امام شاطبی رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے۔ اور یہ علوم حضرت امام مصنفؒ نے استاذ اساتذۃ الہند حضرت مولانا قاری مقری عبدالرحمٰن صاحب الٰہ آبادیؒ سے حاصل کیے جن کے حالات مقدمہ میں مذکور ہو چکے۔

م : عن شیخی الحافظ المقری عبد الرحمٰن المکی استاذ اساتذۃ الھند اذ ھو المشھور فی اکثر البلاد والمقصود (۴۶) من وضعنا ھذ المختصر نفع اکثر العباد وما نصرح فیہ باسم الحفص او بضمیرہ فھو مختلف فیہ والافھو متفق علیہ۔ (۴۷)۔

ت : جس کو میں نے اپنے شیخ مولانا الحافظ القاری المقری عبدالرحمٰن مکی رحمہ اللہ استاذ اساتذہ ہند سے حاصل کیا' جو (روایت) اکثر بلاد میں مشہور ہے اور ہمارے اس مختصر رسالہ کے لکھنے سے مقصود اکثر بندوں کو نفع پہنچانا ہے اور اس رسالہ میں جہاں امام حفص رحمہ اللہ کے نام کی تصریح کریں یا ضمیر ذکر کردیں تو (سمجھو کہ) وہ مختلف فیہ ہے ورنہ متفق علیہ ہے۔

ش: (۴۶) کتاب کی تالیف کا مقصد بیان فرمایا کہ اللہ کے بندوں کو نفع پہنچانا ہے جو کارِ ثواب ہے۔

(۴۷) امام عاصمؒ کے دو شاگرد ہیں بسا اوقات اصول وقواعد میں اتفاق ہی رہے گا البتہ جہاں کہیں اختلاف ہوگا وہاں امام حفص رحمہ اللہ کا نام صراحۃً لیں گے یا ضمیر ذکر کریں گے تو نام لینا یا ضمیر ذکر کرنا علامت ہوگی کہ یہاں اختلاف ہے ورنہ کوئی نام لینے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔

م: **فاذا قرأت القرآن فاستعذ باللّٰہ من الشیطٰن الرجیم (۴۸) بھذا اللفظ جاعلًا فیہ اعوذ مکان استعذ او انقص (۴۹) منہ اوزد علیہ او بغیرہ کلًّا او بعضًا مرویا کان او غیرہ لعموم النص لکن المختار لموافقۃ النص ھو الاول والاستعاذۃ عندنا سنۃ مستحبۃ کالقرآئۃ لانھا من ادابھا۔ (۵۰)**

ت: پس جب قرآن کریم پڑھو تو پہلے اللہ کی پناہ لے لیا کرو شیطان رجیم سے اسی لفظ سے اس میں استعذ کی جگہ اعوذ کرلو۔ اس میں سے کچھ حرف کم کرلو یا زیادہ کرلو یا اس کے علاوہ پورے دوسرے الفاظ سے یا بعض الفاظ سے منقول ہوں یا غیر منقول نص کے عموم کی وجہ سے لیکن مختار و پسندیدہ نص کی موافقت کی وجہ سے پہلا ہی ہے (یعنی اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ پڑھا جائے) اور استعاذہ ہمارے یہاں سنت مستحبہ ہے جس طرح قرآءت سنت مستحبہ ہے اس لیے کہ یہ اس کے آداب میں سے ہے۔

ش: **استعاذہ وبسملہ کی بحث:** (۴۸) یہاں سے قرآن کریم پڑھنے کے آداب بیان کئے جارہے ہیں جس میں ایک ادب یہ ہے کہ شروع میں تعوذ من الشیطان کرنا چاہیے۔ اس کے لئے سب سے عمدہ لفظ وہ ہے جو قرآن کریم میں ہے۔ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۔ فرق صرف اتنا ہوا کہ استعذ کے بجائے اعوذ کیا لیکن اتنا کرنا تو ضروری تھا باقی

الفاظ میں موافقت قرآن پائی گئی۔

(۴۹) ان الفاظ میں کمی اور زیادتی بھی کر سکتے ہو مثلاً صرف اَعُوْذُ بِاللّٰہِ کہہ لو یا اَعُوْذُ بِاللّٰہِ الْعَلِیْمِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ یا اَعُوْذُ بِاللّٰہِ الْمُعِیْنِ مِنَ الشَّیْطٰنِ اللَّعِیْنِ اِلٰی یَوْمَ الدِّیْنِ یا اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنْ اِبْلِیْسَ وَجُنُوْدِہٖ ہر طرح جس سے استعاذہ حاصل ہو جائے کہنا جائز ہے۔ اس لئے کہ نص (آیت قرآنی) عام ہے استعاذہ کا حکم ہے جس طرح بھی حاصل ہو جائے البتہ مختار اول ہی ہے یعنی اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ' اس لئے کہ اس میں نص کی موافقت ہے۔ واللہ اعلم

(۵۰) استعاذہ عام علماء کے نزدیک سنت ہے چاہے نماز میں ہو یا نماز سے خارج ہو جیسا کہ شرح منیہ میں ہے اور بعض حضرات کے نزدیک واجب ہے استعذ کے صیغہ کی وجہ سے لیکن مختار قول اول ہی ہے اور اس کی دلیل مصنفؒ نے یہ دی کہ جس طرح قرآن کا پڑھنا سنت ہے اسی طرح استعاذہ بھی سنت ہے کیونکہ استعاذہ تو تلاوت قرآن کریم کے آداب میں سے ہے۔

﴿فائدہ﴾ جس طرح استعاذہ وجوب واستحباب تلاوت میں قرآن کے تابع ہے اسی طرح تجوید سے پڑھنے میں بھی تابع ہے' یعنی قرآءۃ کی طرح تعوذ کو بھی تجوید سے پڑھنا ضروری ہے اس لئے اعوذ کی جگہ اَوْذ یا اَعُوْذْ پڑھنا حرام ہوگا۔ لان ملحقات القرآءۃ کحکم القرأۃ کما ان خطبۃ الصلوۃ کحکم الصلوۃ صحۃ وادبا۔ ابن ضیاء رحمہ اللہ۔

۴: ومعها البسملة (۵۱) فی الابتداء باوائل السور کلها غیر التوبة ولو کان الابتداء حکمیًّا او تقدیریًّا (۵۲) بالوصل او الفصل او فصل الاولیٰ ووصل الثانیة او بالعکس (۵۳) بالسرّ سرًّا وبالجهر جهرًا (۵۴) ولابد من البسملة بین السورتین فی قرآئة عاصم عند الوصل (۵۵) بغیر التوبة۔

ت: اور استعاذہ کے ساتھ ابتداء میں بسم اللہ بھی ہونی چاہیے تمام سورتوں کے شروع میں سورۂ توبہ کے علاوہ اگر چہ ابتداء حکمی یا ابتداء تقدیری ہو وصل کل کرو یا فصل کل۔ یا فصل اول وصل ثانی کرو یا برعکس (یعنی وصل اول۔ فصل ثانی) سری قرآءت میں سرًا پڑھے اور جہری قرآءت میں جہراً پڑھے اور ضروری ہے بسم اللہ دو سورتوں کے درمیان امام عاصم کی قرآءت میں وصل کے وقت سورۂ توبہ کے علاوہ میں۔

ش: (۵۱) اسی کے ساتھ ابتداء میں بسم اللہ بھی پڑھنی چاہیے۔ تمام سورتوں کے ابتداء میں بسم اللہ لکھی ہوئی بھی ہے اور اسے پڑھنا بھی چاہیے تاکہ استعاذہ میں شیطان سے حفاظت ہو جائے اور بسم اللہ میں اللہ سے مدد طلب کر لی جائے البتہ سورۂ توبہ کے شروع میں بسم اللہ نہیں پڑھنی چاہیے اور اس کی وجہ جیسا کہ علماء بیان کرتے ہیں کہ سورۂ توبہ میں باری تعالیٰ کا غضب نازل ہوا ہے اور بادشاہوں کے غضب کے وقت آدمی فریاد لے کر نہیں جاتا ورنہ ٹھکرا دی جاتی ہے اسی طرح بسم اللہ اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرنا ہے۔ تو اس موقع پر نہ کرے۔ واللہ اعلم

ابتداء کے احکام:

(۵۲) ابتداء کی تین قسمیں ہیں ① ابتداء حقیقی۔ جب قرآن مجید پڑھنا شروع کیا جائے ابتداء وسط سورت یا شروع سورت سے ہو۔ ② ابتداء تقدیری۔ کسی ختم سورت پر وقف کر کے دوسری سورت یا وہی سورت شروع کی جائے۔ ③ ابتداء حکمی۔ پڑھتے پڑھتے کسی ضرورت سے رک گیا اور پھر شروع کر دیا۔ یہاں یہ تینوں قسمیں مراد ہیں۔

(۵۳) ماقبل میں **ومعها البسملة فی الابتداء باوائل السور** سے ابتداء قرآءت اور ابتداء سورت کی طرف اشارہ کیا تھا۔ یہ اسی کا حکم ہے۔ اس سے قبل یہ سمجھو کہ قرآءت کی ابتداء یا شروع سورت سے ہوگی یا درمیان سورت سے۔ اسی طرح درمیان قرآءت کی دو صورتیں ہیں یا درمیان قرآءت میں شروع سورت واقع ہو یا درمیان قرآءت میں درمیان سورۃ۔ یہ کل چار صورتیں ہوئیں لیکن چوتھی صورت میں نہ تعوذ نہ بسم اللہ ہے اس

لئے کہ قرآءت کا درمیانی اور سورت کا بھی درمیانی حصہ ہے جو ان دونوں کے پڑھنے کا محل ہی نہیں البتہ تین صورتوں پر الگ الگ احکام ثابت ہوں گے جس میں سے یہ حکم پہلی صورت کا ہے یعنی قرآءۃ کی ابتداء ہو اور سورت کی بھی اس وقت چار صورتیں جائز ہیں۔ ① وصل کل یعنی تعوذ بسم اللہ۔ ابتدا سورت کو ایک ہی سانس میں پڑھنا۔ ② فصل کل یعنی تینوں کو الگ الگ سانس میں پڑھنا۔ ③ فصل اول وصل ثانی یعنی اعوذ باللہ الخ ایک سانس میں اور بسم اللہ کے ساتھ سورت دوسرے سانس میں ④ وصل اول فصل ثانی یعنی اعوذ باللہ اور بسم اللہ ایک سانس میں اور ابتداء سورت دوسرے سانس میں۔

﴿نوٹ﴾ یہاں پر گو سورۂ توبہ کا استثناء نہیں کیا لیکن یہ استثناء ملحوظ رہے گا۔ مطلب یہ ہے کہ اگر سورۂ توبہ سے تلاوت کی ابتداء کرنی ہو تو بسم اللہ بالکل نہیں پڑھی جائے گی البتہ تعوذ کا محل چونکہ ابتداء قرآءۃ ہے اس لئے تعوذ ضروری ہوگا۔ فافہم

(۵۴) قرآءۃ اگر سری ہے تو تعوذ و بسم اللہ بھی سری ہوگا چاہے نماز میں ہوں یا خارج نماز۔ اور قرآءۃ جہری ہے تو تعوذ و بسم اللہ بھی جہری ہوگا بشرطیکہ خارج نماز ہو۔ نماز میں قرآءۃ جہری ہو تب بھی یہ دونوں سراً پڑھے جائیں گے۔ یہی حنفیہ کا مسلک ہے۔

(۵۵) ماقبل میں جو صورتیں بیان کی گئی تھیں ان میں کی یہ تیسری صورت ہے (دوسری صورت بعد میں بیان کریں گے) یعنی درمیان قرآءۃ میں شروع سورت واقع ہو اور اس کی صورت یہی ہے کہ ایک سورت پڑھتے پڑھتے ختم کر لی اب دوسری سورت شروع کرنی ہے یہ دو سورتیں چاہے مرتب ہوں یا غیر مرتب۔ غیر مرتب کی مثال جیسے سورۂ بقرہ کو ختم کر کے سورۂ یٰسین پڑھنے لگے وغیرہ وغیرہ تو یقیناً بسم اللہ دو سورتوں کے درمیان آ گئی اس وقت ماقبل کی تین صورتیں جائز ہیں۔ ① وصل کل یعنی پہلی سورت کی آخری آیت اور بسم اللہ اور دوسری سورت کی ابتدائی آیت کو ایک سانس میں پڑھے ② فصل کل یعنی سورت پر سانس ختم کر دے پھر بسم اللہ دوسرے سانس میں اور دوسری سورت تیسرے سانس میں پڑھی جائے۔ ③ فصل اول وصل ثانی۔ پہلی سورت پر سانس ختم کر دے پھر بسم اللہ کو دوسری سورت کے ساتھ

ایک سانس میں پڑھے۔ چوتھی صورت وصل اول فصل ثانی اس لئے جائز نہیں ہے کہ اس صورت میں بسم اللہ کا تعلق ماقبل والی سورت سے معلوم ہوگا حالانکہ بسم اللہ شروع سورت میں آتی ہے لِاَنَّهَا لِلْفَوَاتِحْ سے اسی علت کی طرف اشارہ ہے البتہ سورۂ توبہ کو اس سے مستثنیٰ کرنا پڑے گا جس کی صورت یہ ہے کہ پڑھتے پڑھتے سورۂ توبہ آ گئی تو نہ تعوذ کی ضرورت اس لئے کہ درمیان قرآءت ہے نہ بسملہ کی اس لئے کہ سورۂ توبہ کی ابتداء اس سے ممنوع ہے۔

﴿نوٹ﴾ مصنف کی مذکورہ عبارت میں ہمارے خیال کے اعتبار سے کافی تقدیم و تاخیر ہوگئی جس کی بناء پر مبتدی کو سمجھنے میں دشواری ہو سکتی ہے اس کے بجائے اگر یہ عبارت ہو تو آسانی سے مطلب حل ہو سکتا ہے **ولا بد من البسملة عند الوصل بين السورتين في قرآءة عاصم** رحمہ اللہ **وان كانتا غير مرتبتين بغير التوبة۔** یعنی امام عاصم رحمہ اللہ کے نزدیک دو سورتوں کو ملاتے وقت بسم اللہ پڑھنا ضروری ہے چاہے دو سورتیں غیر مرتب ہوں۔ واللہ اعلم

م : لابتداء الاخرى وان كانتا غير مرتبتين۔ فحينئذ يجوز الوجوه الثلثة الاول من الاربعة المذكورة لا الرابعة لانها للفواتح ووسط (٥٦) التوبة كوسط سائرها في تخيير البسملة۔

ت : دوسری سورت کے شروع کرنے کی وجہ سے اگرچہ وہ دونوں سورتیں غیر مرتب ہوں۔ اس صورت میں مذکورہ چاروں صورتوں میں سے پہلی تین صورتیں جائز ہیں، چوتھی صورت جائز نہیں۔ اس لیے کہ بسملہ افتتاح سورت کے لیے آتا ہے اور سورۂ توبہ کا درمیانی دیگر تمام سورتوں کے درمیانی حصہ کی طرح ہے بسم اللہ کے اختیار کرنے میں۔

ش : (٥٦) یہ دوسری صورت کا بیان ہے کسی بھی سورت کے درمیان سے قرآءۃ شروع کرنی ہو چاہے سورۂ توبہ ہو تو اس صورت میں تعوذ کے ساتھ بسم اللہ بھی اختیار کر سکتے ہو۔ **ووسط التوبة كوسط سائرها** سے یہ بتلانا ہے کہ ماقبل میں سورۂ توبہ کو مستثنیٰ کیا تھا لیکن یہاں شریک حکم ہے کہ بسم اللہ پڑھ سکتے ہو۔ اب اگر بسم اللہ تعوذ کے ساتھ پڑھنی

ہے تو دو صورت جائز ہے ① فصل کل ② وصل اول فصل ثانی۔ یعنی تعوذ و بسم اللہ ملا کر آیت کو الگ کر دے اور اگر بسم اللہ نہیں پڑھنا چاہتا ہے تو پھر تعوذ کو الگ اور آیت کو الگ پڑھے۔

م: فمعها لا يجوز الافصل الكل او وصل الاولىٰ وفصل الثانية ومع تركها فصل الاستعاذة ويجوز وصلها (۵۷) ايضا ان لم يكن اسم من الاسماء الحسنىٰ فى ابتداء القرآئة لتوهم معنى فاحش وبعد ختم (۵۸) سورة ثلٰثة اوجه وفاقا قبل التوبة وصل ووقف وسكته۔

ت: پس اس صورت میں نہیں جائز ہے مگر فصل کل یا وصل اول اور فصل ثانی اور بسم اللہ کے ترک پر تعوذ کو الگ پڑھا جائے (سورت سے) اور جائز ہے تعوذ کو ملانا بھی سورت سے اگر نہ ہو اسماء حسنیٰ میں سے کوئی نام قرآءت کی ابتداء میں تاکہ معنی فاحش کا وہم نہ ہو اور کسی سورت کے ختم کے بعد تین وجہیں اتفاقاً جائز ہیں سورۂ توبہ سے پہلے ① وصل ② وقف ③ سکتہ۔

ش: (۵۷) ہاں اگر قرآءۃ کی ابتدا اسماء حسنیٰ میں سے کسی نام سے نہ ہو رہی ہو تو پھر تعوذ کو قرآءۃ کے ساتھ ملا سکتا ہے۔ اس لئے کہ اگر اللہ کا نام یا وصف ہوگا' تو ملانے کی صورت میں الرجیم صفت ہوگی اس طرح تو معنی فاحش پیدا ہوں گے۔ اس لئے یہ قید لگا دی۔

(۵۸) اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ کسی سورت کو ختم کر کے سورۂ توبہ شروع کرنی ہو تو اس وقت ختم کرنے کی تین صورتیں ہیں۔ (۱) وصل یعنی پہلی سورت کو ختم کر کے سورۂ توبہ کو اسی کے ساتھ ملا کر پڑھتے چلو (۲) وقف۔ یعنی سورت کے ختم پر سانس پورا کر دو پھر سورۂ توبہ شروع کرو۔ (۳) سکتہ یعنی آواز رک جائے سانس جاری رہے۔ صاحب تنویر المرآءت فخر القراء استاذ الاساتذہ حضرت مولانا قاری محب الدین احمد صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں" چونکہ سورۂ توبہ کے شروع میں بسم اللہ پڑھنا جائز نہیں چاہے ابتداء قرآءۃ شروع براءۃ ہو یا درمیان قرآءۃ ابتداء براءۃ ہو اس وجہ سے درمیان قرآءۃ میں بلا بسملہ سورۂ توبہ شروع

کرنے کے تین ہی طریقے جائز ہیں (۱) وصل بر بناء اصل اور (۲) وقف بر بناء فصل اور (۳) سکتہ بوجہ ذو جہتین لیکن وقف اولیٰ ہے۔ ص ۱۱۔

م: واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا لعلكم ترحمون (۵۹) ولا يمسّه الا المطّهرون۔ وموضوع التجويد (۶۰) الحروف الهجائية القرآنية من حيث المخارج والصفات۔

ت: اور جب قرآن کریم پڑھا جائے تو غور سے سنو اور خاموش رہو تا کہ تم پر رحم کیا جائے اور قرآن کریم کو نہیں ہاتھ لگاتے مگر پاک لوگ۔ اور تجوید کا موضوع حروف ہجائیہ قرآنیہ ہیں مخارج اور صفات کے اعتبار سے۔

ش: آداب تلاوت قرآن: (۵۹) قرآن کریم کے آداب میں استعاذہ و بسملہ کا پڑھنا تھا پھر اس کے مناسب مسائل واحکام آ گئے۔ اب پھر آداب قرآن بیان فرمائے جو عام ہیں ایک یہ کہ جب قرآن کریم پڑھا جائے تو غور سے سننا اور خاموش رہنا چاہیے۔ کانوں اور زبانوں کو غیر سے ہٹا کر اسی پر متوجہ کر دو اگر اس طرح کر لیا تو اللہ کے یہاں رحم وکرم کا سبب ہوگا جب سامع کو قرآن کے غور سے سننے کا امر وحکم ہے تو خود قاری قرآن کو اپنے پڑھے ہوئے کے سننے پر کتنی زیادہ توجہ کرنی چاہیے! یہ نہیں کہ زبان تو پڑھنے میں مشغول ہو اور کان کسی اور چیز یا خبر کی طرف لگے ہوں۔

دوسرا ادب یہ ہے کہ قرآن کو پاک ہی ہاتھ لگا سکتے ہیں۔ مُطَهَّرُوْنَ باب تفعیل سے ہے مبالغہ ہے حدث اصغر اور حدث اکبر دونوں سے پاک ہونا ضروری ہے۔ نیز یہ حکم قرآن کریم کو پکڑنے کا ہے اور قرآن کا پڑھنا جنبی کے لیے تو بہر صورت ناجائز ہے۔ البتہ بے وضو قرآن پڑھ سکتا ہے۔

تجوید کا موضوع

(۶۰) ماقبل میں تعریف آئی فوائد کے ذیل میں غرض و غایت بھی آ گئی اب یہاں

موضوع کو بیان کیا۔ تجوید کا موضوع قرآن کریم کے حروف تہجی (۲۹ حروف) ہیں۔ انہی کی اصلاح مقصود اصلی ہے۔ قرآن کریم کے حروف کی قید سے دوسرے حروف نکل گئے اس میں تجوید ضروری نہیں البتہ اس کی رعایت کرنا ہر موقع پر مستحسن ومحمود ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

فائدہ ۱۱:

تلاوت قرآن کریم کے آداب میں!

علماء نے قرآن کریم کے بہت سے آداب بیان کئے ہیں۔ خود مصنفؒ مقدمہ میں جگہ جگہ آداب قرآن بیان فرما چکے۔ اب ہم مرتب طریقہ پر کچھ آداب بیان کر رہے ہیں۔

۱ قرآن کریم کو پڑھنے سے پہلے وضو کرنا چاہیے تاکہ جسم پاک ہو جائے اور اس کا اثر قلب کی پاکی پر پڑے۔

۲ کوئی پاک جگہ تلاش کرے سب سے افضل جگہ مسجد ہے۔ بعنوان حدیث خیر البقاع مساجدھا۔

۳ عمدہ یا پاک صاف کپڑے پہنے اس لئے کہ قرآن کریم احسن الخالقین اور احکم الحاکمین کے ساتھ ہم کلامی کا نام ہے جس طرح آدمی اپنے بڑے امیر یا وزیر کے پاس جانے کے لئے اچھے لباس پہنتا ہے تو یہاں بھی اہتمام کرنا چاہے۔

۴ سکون اور وقار کے ساتھ بیٹھے۔

۵ قبلہ رو ہو کر بیٹھے۔

۶ پڑھنے سے پہلے نیت درست کرے کہ خالص رضا الٰہی کے لئے قرآن پڑھ رہا ہے۔

۷ تعوذ پڑھے۔

۸ بسم اللہ پڑھے۔

۹ زور سے پڑھنے میں کوئی رکاوٹ نہ ہو اور کسی کو کوئی تکلیف نہ ہو تو زور سے پڑھے تاکہ دوسروں کو قرآن سنانے کا ثواب ملے نیز دوسروں کو بھی اس سے پڑھنے پر

رغبت پیدا ہوگی۔

10. ایسی جگہ قرآن پڑھنے کے لئے منتخب کرے جہاں پڑھنے میں خلل نہ ہو۔

11. قرآن کریم کی ترتیب سور پر پڑھے۔ الا یہ کہ خلاف ترتیب میں کوئی مرجح ہو۔

12. ترتیل یعنی آہستگی کے ساتھ کہ تمام حروف پورے ادا ہوں پڑھے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں سورۂ بقرہ وآل عمران کو ترتیل سے پڑھوں مجھے زیادہ پسند ہے کہ جلدی جلدی پورا قرآن پڑھ لوں۔

13. تدبر اور سمجھ کر پڑھے قرآن کریم میں غور وفکر کرنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کِتَابٌ اَنْزَلْنَاہُ اِلَیْکَ لِیَدَّبَّرُوْا اٰیَاتِہٖ۔

14. اسی طرح قرآن پر عمل کرنے کی نیت سے پڑھنا چاہیے' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما رئیس المفسرین نے اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰھُمُ الْکِتَابَ یَتْلُوْنَہٗ حَقَّ تِلَاوَتِہٖ کی تفسیر ہی یَتَّبِعُوْنَہٗ حَقَّ اِتِّبَاعِہٖ سے کی۔ حضرت امام غزالی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حق تلاوت کا مطلب یہ ہے کہ زبان اور عقل اور دل اس میں شریک ہو۔ زبان کا حق ہے کہ حروف کو صحیح ادا کیا جائے عقل کا حق ہے اس کے معانی کو سمجھنا اور دل کا حق ہے اس سے نصیحت حاصل کرنا اور متاثر ہونا۔

15. جب رحمت اور نعمت کی آیت پر پہنچے تو خوش ہو اور اس کا سوال اللہ سے کرے اور جب عذاب کی آیت پر پہنچے تو اللہ سے ڈرے اور پناہ مانگے۔

16. قرآن کریم پڑھتے ہوئے اللہ کی عظمت کے تصور کے ساتھ اپنی کوتاہی پر [illegible]رے اور روئے اگر رونا نہ آئے تو رونے کی صورت بنائے۔

17. تلاوت جب پوری کرے تو صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمِ وَصَدَقَ وَبَلَغَ رَسُوْلُہُ الْکَرِیْمُ وَنَحْنُ عَلٰی ذٰلِکَ مِنَ الشَّاھِدِیْنَ۔ پڑھنا چاہیے۔

18. قرآن کریم کی تلاوت کا روزانہ معمول مقرر کر لینا چاہیے خصوصاً حفاظ کے لئے چنانچہ صحیحین کی حدیث اس کی تاکید پر گزر چکی ہے۔ تعاھدوا القران فوالذی

نفسی بیدہ لھوا شد تفلتامن الابل فی عقلھا۔

⑭ قرآن کریم کو ذریعہ معاش اور پیٹ بھرنے کا آلہ نہ بنائے اس کے بارے میں احادیث میں سخت وعید آتی ہے بلکہ اخلاص وللّٰہیت کی نیت کرنی چاہیے۔ اس کے علاوہ اور بھی آداب ہیں۔ آدمی سے سارے آداب پر اگر عمل نہ ہو سکے تو کچھ کی تو کوشش ضرور کرنی چاہیے۔ **مالا یدرك كله لا يترك كله۔**

فائدہ ۲:

① کچھ چیزیں ایسی ہیں جن کو لوگوں نے قرآن کریم کے پڑھتے وقت ایجاد کر لیا ہے حالانکہ وہ حرام ہیں مثلاً گانے کی صورتوں اور شکلوں کو قرآن کے پڑھنے میں استعمال کرنا خوب گا گا کر اور راگیں نکال کر پڑھ رہا ہے۔ اس سے قرآن کریم اپنی اصلی شکل سے نکل جاتا ہے۔ سلف صالحین نے اس سے روکا ہے اس لئے کہ قرآن کریم گانے کی شکلوں پر نازل نہیں ہوا اور گانے کی شکل یہ کہ مدات میں کمی زیادتی کر دی حرکت میں اشباع کر دیا جس کی وجہ سے الف اور واؤ ادا ہو گیا اس طرح پڑھنے والا اور سننے والا دونوں گنہگار ہوں گے۔

② دوسری صورت ترقیص کی ہے۔ ترقیص کے معنی ناچنے کے آتے ہیں۔ یہاں ترقیص سے مراد یہ ہے کہ قاری دوران قرآءت میں اپنی آواز کو اس طرح نچائے کہ اس سے حروف مدہ میں حرکات پیدا ہو جائیں۔

③ اسی طرح ترعید یعنی آواز میں بتکلف کپکپی پیدا کرنا جیسے سردی کی شدت یا کسی تکلیف کی وجہ سے کانپ رہا ہو۔

④ ایسے ہی تحزین یعنی طبیعت کے خلاف غمگین آواز نکال کر بناوٹ کر رہا ہے سننے والا محسوس کرے کہ رو رہا ہے حالانکہ دل میں رونے کا کوئی اثر نہیں۔ اسی طرح مثلاً اس طرح بے پرواہی کے ساتھ حروف کو نرمی اور ڈھیلا پن کے ساتھ پڑھنا ہے جیسے سست ہو یا آواز میں بالکل سختی پیدا کر دینا وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب باتیں معیوب اور

ممنوع ہیں۔اس لئے ان تمام امور سے بچنا ضروری ہے۔①

ترتیل افضل ہے یا حدر:

فائدہ ۳:

علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ ترتیل افضل ہے یا حدر بعض حضرات حدر کی افضیلت کے قائل ہیں اور استدلال حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث مَنْ قَرَاءَ حَرْفًا مِنْ كِتَابِ اللّٰهِ الخ سے ہے اور ظاہر ہے کہ سرعت کے ساتھ پڑھنے میں زائد الفاظ ادا ہو جائیں گے تو ثواب بھی زیادہ ملے گا لیکن اکثر حضرات کی رائے یہ ہے کہ ترتیل یعنی اطمینان سے پڑھنا قلت قرآءۃ کے ساتھ افضل ہے اس لئے کہ قرآن کریم سے مقصود سمجھ اور تفقہ ہے جو اسی سے حاصل ہوگا۔ بلکہ حجۃ الاسلام امام غزالی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تدبر حاصل نہ بھی ہو مثلاً عجمی جو عربی زبان سے واقف نہیں تب بھی ترتیل افضل ہے اس لئے کہ اس میں توقیر و احترام زیادہ ہے قرآن کریم کا۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بھی اسی قسم کا مضمون منقول ہے۔ حضرت امام مالک رحمہ اللہ سے کسی نے حدر کے متعلق پوچھا تو فرمایا کہ لوگوں کی مختلف حالتیں ہیں بعض تیزی کے ساتھ پڑھتے ہیں تو صحیح پڑھتے ہیں اور ان کو بوجھ نہیں ہوتا۔ بعض ترتیل سے پڑھتے ہیں تو ان کو سہولت رہتی ہے اور اس میں کوئی تنگی نہیں یعنی جس میں آسانی ہو اسی طرح پڑھو۔ حضرت امام حمزہ کوفی نے کسی کو تحقیق سے پڑھتے سنا تو فرمایا کہ اَمَا عَلِمْتَ اَنَّ مَا فَوْقَ الْجُعُوْدَةِ فَهُوَ قَطَطٌ وَمَا فَوْقَ الْبَيَاضِ فَهُوَ بَرَصٌ تمہیں معلوم نہیں کہ بال زیادہ بڑھ جائیں تو گھونگریالے ہو جاتے ہیں جو معیوب ہیں اور سفیدی زیادہ ہو جائے تو برص ہوتا ہے۔ غرض اعتدال رکھنا چاہیے یہ مختلف اقوال نقل کر دیے۔

وللناس فيما يعشقون مذاهب

---

① قدیم نسخہ خلاصہ البیان میں کچھ صورتیں جن سے بچنا ضروری ہے بیان فرمائی ہیں۔ اختصار کے پیش نظر ہم ان کی فہرست نقل کر دیتے ہیں۔ تفصیل کتب تجوید میں دیکھ لیں۔ ۱ رکزہ ۲ تطنین ۳ تھمیز ۴ دشہ ۵ تمطیط ۶ عنعنہ ۷ ترعید ۸ ہمہمہ ۹ تعویق ۱۰ زمزمہ ۱۱ ترجیع ۱۲ تطریب ۱۳ تقبیل ۱۴ تخفیش۔

مخارج (۱) الحروف

مخارج الحروف

مخرج کی تعریف اور تعداد:

(۱) مخارج: مخرج کی جمع ہے یعنی نکلنے کی جگہ۔ تجوید کی اصطلاح میں مخرج سے مراد حرف ادا ہونے کی جگہ۔ اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ حروف کے مخارج کتنے ہیں۔ خلیل بن احمد نحوی رحمہ اللہ، اکثر نحاۃ اور قراء کی بڑی جماعت جس میں امام جزری رحمہ اللہ بھی ہیں۔ اس کے قائل ہیں کہ مخارج سترہ ہیں۔ سیبویہ رحمہ اللہ اور ان کے متبعین اور امام شاطبی رحمہ اللہ کی رائے ہے کہ سولہ مخرج ہیں۔ فراء رحمہ اللہ اور بعض حضرات کا قول ہے کہ چودہ ہیں۔ جن حضرات نے پہلا قول اختیار کیا انہوں نے لام، نون، راء کا الگ الگ مخرج اور اور جوف دہن کو مستقل مخرج شمار کیا جنہوں نے دوسرا قول اختیار کیا انہوں نے جوف کو مستقل مخرج شمار نہیں کیا اور آخری قول والوں نے اس کے ساتھ لام، نون، راء کا قرب کی وجہ سے ایک ہی مخرج شمار کیا۔ اس کے بعد سمجھئے کہ کلی طور پر مخرج پانچ ہیں۔ جوف (منہ کا خالی حصہ) حلق، زبان، شفتین، خیشوم (ناک کا بانسہ) جس میں سے جوف میں ایک مخرج، حلق میں تین، زبان میں دس، شفتین میں دو اور خیشوم میں ایک مخرج ہے۔ کل سترہ ہو گئے۔

م: الحرف (۲) صوت يعتمد على مقطع محقق اى جزء معين من اجزاء الحلق او اللسان او الشفة او مقدر كالجوف وهو اصلى ان كان له مخرج معين مستقل وفرعى ان تردد بين المخرجين فالاصلية تسعة وعشرون حرفا۔

ت: حرف اس آواز کو کہتے ہیں جو کسی مخرج محقق یعنی حلق، زبان، ہونٹ کے اجزاء میں سے کسی معین جزء یا مخرج مقدر یعنی جوف دہن میں آ کر رک جائے، پھر حرف کی (دو قسمیں ہیں) یا اصلی ہوگا اگر اس کے لیے کوئی معین مستقل مخرج ہے یا فرعی ہوگا اگر وہ دو مخرج

کے درمیان متردد ہے۔

ش: حرف کی تعریف: ۲ حروف: حرف کی جمع ہے۔لغت میں حرف کنارہ کو کہتے ہیں جیسا کہ قرآن کریم میں ہے وَمِنْهُمْ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ۔ حرف کی تعریف اہل کلام کی اصطلاح میں تو مشکل ہے لیکن علم تجوید میں اس کی آسان تعریف یہ ہے کہ جو سانس اندر سے باہر آرہا ہے اگر اس میں آواز ہے اور وہ آواز منہ کے کسی حصہ میں آ کر رکتی ہے تو یہی حرف ہے۔ یہ آواز کی کیفیت محض اللہ تعالیٰ کے پیدا کرنے سے ہوتی ہے۔ ہوا وغیرہ کے ٹکرانے کو کوئی دخل نہیں ہے۔ جیسا کہ فلاسفہ کا خیال ہے۔ پھر اس مقطع و مخرج کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) مخرج اصلی (۲) مخرج فرعی۔حرف کی آواز اگر کسی خاص جز اور جسم پر آ کر رکتی ہے جس کو غور سے سننے سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے تو یہ مخرج محقق ہے اور اگر آواز دو مخرج کے درمیان رہتی ہے کوئی جز و متعین نہیں تو یہ مقطع مقدر ہے۔اس قسم کے حروف کم ہوتے ہیں۔جس کا ذکر آئندہ آئے گا۔

م: تخرج من سبعة عشر مخرجًا فالهمزة الغير المسهلة (۳) فالهاء من اقصى الحلق مما يلي الصدر (۴) والعين فالحاء المهملتان من وسطه والغين فالخاء من ادناه وهذه الستة حلقية ثم القاف من اعلى اقصى اللسان (۵) ومما فوقه من الحنك الاعلى ثم الكاف من اسفله وهما لهويتان (۶)

ت: پس اصولی حروف انتیس ہیں جو سترہ مخرج سے نکلتے ہیں۔(اب تفصیل سے مخارج حروف سنیے) ہمزہ غیر مسہلہ اور ہاء اقصائے حلق سے اداء ہوتے ہیں (اقصائے حلق وہ) جو سینے سے متصل ہے۔اور عین وحاء مہملتان وسط حلق سے ادا ہوتے ہیں۔غین اور خاء (معجمتان) ادنائے حلق سے ادا ہوتے ہیں اور یہ چھ حروف حلقیہ کہلاتے ہیں۔قاف اقصائے لسان اوراوپر کے تالو سے مل کر کاف۔

ش: (۳) ہمزہ میں غیر مسہلہ کی قید سے ہمزہ مسہلہ کو نکالنا مقصود ہے۔ ہمزہ مسہلہ یہ ہے کہ نہ تو محض ہمزہ ہو جس میں ذرا نرمی نہیں اور نہ محض الف ہو جس میں ذرا سختی نہیں بلکہ ان دونوں کے درمیان ہو۔ اس کی تین قسمیں ہیں۔ ۱ ہمزہ اور الف کے درمیان ہو۔ جیسے ءَاَنْذَرْتَهُمْ۔ ۲ ہمزہ اور یاء کے درمیان جیسے أَئِنَّكَ۔ ۳ ہمزہ اور واؤ کے درمیان جیسے أَؤُنَزِلَ (کذا فی نهاية القول المفيد ص ۲۹)

مخرج حروف حلقیہ:

(۴) اقصائے حلق سے مراد حلق کا وہ آخری حصہ ہے جو سینے سے متصل ہے۔ اس سے ہمزہ پھر ہاء ادا ہوتا ہے۔ مخرج کو حلق کی طرف سے اس وجہ سے بیان کرنا شروع کیا کہ مبدا صوت ابتدائے حلق ہے چنانچہ جہاں سے آواز کی ابتدا ہوتی ہے وہاں سے ہمزہ ادا ہوتا ہے۔

اس کے بعد ہی سے ہاء ادا ہوتی ہے۔ صاحب نہایۃ القول المفید شیخ محمد مکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ دونوں حرفوں کے درمیان فاء عاطفہ لانے سے اس جانب اشارہ ہے کہ اقصائے حلق کے بھی جزوی طور پر دو مخرج ہیں (جن کو قرب کی وجہ سے ایک سمجھا جاتا ہے) اول سے ہمزہ اور اس کے اوپر سے ہاء ادا ہوتی ہے۔ اسی طرح عین اور حاء میں ترتیب ہے پہلے حصہ سے جو سینہ سے قریب ہے عین اور اس کے بعد والے حصہ سے حاء ادا ہوتی ہے۔ اسی طرح غین اور خاء میں یہی ترتیب ہوگی۔ ان چھ حرفوں کو حلق سے ادا ہونے کی وجہ سے حلقیہ کہتے ہیں۔

(۵) اقصائے لسان۔ زبان کا آخری حصہ جہاں زبان ختم ہوتی ہے۔ اس کے دو جزء ہیں ایک اعلیٰ جو حلق سے زیادہ قریب ہے اور ایک اسفل جو اس سے کچھ دور ہے اور چونکہ ان دونوں میں کافی فاصلہ ہے جیسا کہ دونوں کی ادائیگی سے ظاہر ہوتا ہے۔ اس لئے دونوں کو مستقبل مخرج شمار کیا۔ ہماری اس تقریر سے یہ اشکال بھی حل ہوگیا کہ جب دونوں حرف کا مخرج اقصائے لسان ہے تو ایک ہی مخرج کیوں شمار نہیں کیا جیسا کہ حروف حلقیہ میں کیا گیا۔

اور وہ حل یہ ہے کہ اقصائے لسان میں کافی بعد ہے جس کی وجہ سے الگ الگ شمار کیا۔ یہ بات اقصائے حلق میں نہیں۔

حروف لہویہ وشجریہ:

(۶) لہویہ۔ لہاۃ کی طرف منسوب ہے۔ حلق کے دونوں جانب گوشت کا ٹکڑا ہوتا ہے جس کو اردو میں کوا کہتے ہیں۔ ان دونوں حرفوں کی ادائیگی بھی چونکہ وہیں سے ہوتی ہے اس لئے لہویہ کہتے ہیں۔

م: ثم الجیم فالشین فالیاء الغیر المدّیة والغیر المشممة من وّسطه مع ما یحاذیه وهی شجریة۔ (۷)

ت: اقصائے لسان کے نیچے سے ادا ہوتا ہے اور یہ دونوں حروف لہویہ کہلاتے ہیں۔ جیم' شین' یاء غیر مدہ اور غیر مشممہ وسط لسان اور اوپر کے تالو سے مل کر ادا ہوتے ہیں اور یہ شجریہ کہلاتے ہیں۔

ش: (۷) چھٹا مخرج حروف شجریہ۔ جیم' شین' یاء کا ہے وسط لسان اور اوپر کا تالو۔ یاء میں دو قید ہیں۔ غیر مدہ تاکہ یاء مدہ نکل جائے۔ اس لئے کہ اس کا مخرج جوف دہن ہے۔ دوسری قید غیر مشممہ کی ہے۔ اس لئے کہ یاء مشممہ (عند البعض) حروف فرعیہ میں سے ہے جس کا ذکر مستقلاً آخر میں آئے گا۔ ان تین حروف میں بھی ترتیب ادا یہی ہے۔ اولاً یعنی زبان کے درمیانی حصہ کا وہ جزء جو حلق سے قریب ہے۔ جیم' پھر اس کے بعد سے شین پھر یاء ادا ہوگی اور بعض حضرات کے نزدیک اولاً شین پھر جیم پھر یاء ہے ان حروف کو شجریہ اس لئے کہتے ہیں کہ شجر (بسکون الجیم) لغت میں وسط اور درمیان کو کہتے ہیں اور یہ حروف بھی منہ کے درمیانی حصہ سے ادا ہوتے ہیں۔ اس لئے شجریہ کہلاتے ہیں۔

م: اعلم (۸) ان اسنان الانسان غالبًا اثنتان وثلثون نصفها فی الاعلیٰ ونصفها فی الاسفل ففی الاعلی المقدمتان ثنیتان ثم تلیهما

الرباعية يميناً وشمالاً ثم تليهما الناب كذالك۔

ت: (اس کے بعد) یہ سمجھو کہ عام طور پر انسان کے بتیس دانت ہوتے ہیں۔ آدھے اوپر اور آدھے نیچے پس اوپر کے دو اگلے دانت ثنایا کہلاتے ہیں پھر ان دونوں کے متصل دو دانت ہیں دائیں اور بائیں (جو رباعیہ کہلاتے ہیں) پھر ان دونوں کے۔

ش: **دانتوں کی تفصیل اور تعداد**: (۸) مصنف نے اب تک ان مخارج کو بیان کیا جن کا تعلق دانتوں سے نہیں تھا۔ اب ان مخارج کو بیان فرمائیں گے جس میں دانت کو بھی دخل ہے اور چونکہ انسانی افراد میں عموماً بتیس دانت ہوتے ہیں اور ان سے الگ الگ مخرج نکلیں گے۔ اس لئے ضرورت ہے کہ پہلے دانتوں کی ترتیب اور ان کے نام معلوم ہو جائیں۔ ان بتیس دانتوں میں سب سے بڑے چار دانت جو منہ کھولتے ہی سامنے نظر آتے ہیں۔ ثنایا کہلاتے ہیں (اوپر کے دو دانتوں کو ثنایا علیاء اور نیچے کے دو دانتوں کو ثنایا سفلیٰ کہتے ہیں) پھر ان ثنایا کے بازو میں چار دانت ہوں گے (اوپر نیچے دائیں بائیں) جن کا نام رباعی ہے اور پھر اس کے بعد چار دانت اسی ترتیب پر انیاب کہلاتے ہیں۔ کل بارہ دانت ہوئے۔ اس کے علاوہ باقی بیس دانت اضراس کہلاتے ہیں پھر ان اضراس میں یہ ترتیب ہے کہ انیاب سے متصل چار دانت ضواحک اور اس سے متصل بارہ دانت طواحن اور آخر کے چار دانتوں کو نواجذ کہتے ہیں کبھی خصوصیت کے ساتھ نواجذ کو بھی اضراس کہتے ہیں۔

﴿فائدہ﴾ حجۃ الاسلام مولانا قاسم نانوتوی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ انسان کے دانت تین قسم کے ہیں۔ قاطعہ' کاسرہ' طاحنہ' قاطعہ وہ دانت جو کاٹتے ہیں۔ ثنایا اسی لئے وضع کے اعتبار سے سیدھے تیز ہیں۔ کاسرہ توڑنے والے دانت جس کو انیاب یعنی کچلی کہتے ہیں۔ یہ وضع میں تیز اور گول ہوتے ہیں۔ طاحنہ پیسنے والے دانت جو طواحن کہلاتے ہیں۔ یہ دانت وضع کے اعتبار سے چکی کی طرح پھیلے ہوئے ہیں۔ حق تعالیٰ نے انسان کو تینوں قسم کے دانت دیئے ہیں۔ اسی لئے سبزی' گوشت دونوں کھاتا ہے۔ یہ جامعیت جانوروں میں نہیں بعض جانور صرف گوشت کھاتے ہیں اور بعض صرف گھاس پھوس پر ہاتھ ڈالتے ہیں۔

م: والباقي الاضراس فمنها ضاحك تال للنابين ثم تليهما الطواحن ثلثة يمينا وثلثة شمالا ثم الناجذ الواحد كذالك وهكذا الترتيب في الاسفل ومخرج الضاد (۹) حافة اللسان مع الاضراس العليا من الجانبين او من جانب واحد ومن الايسرا يسر۔

ت: متصل اسی طرح (دو دانت) ناب ہیں اور باقی اضراس ہیں، پھر ان اضراس میں سے (دو دانت) ضاحک ہیں جو دو ناب کے متصل ہیں پھر ان دونوں ضاحکوں کے متصل طواحن ہیں تین دائیں اور تین بائیں پھر ایک دانت نواجذ کا اسی طرح ہوگا اور یہی ترتیب نیچے کے دانتوں میں ہے۔ ضاد کا مخرج کنارۂ زبان اوپر کے ڈاڑھوں کے ساتھ مل کر (ادا ہوتا ہے)۔ دونوں طرف سے یا ایک طرف سے ادا کیا جائے اور بائیں جانب سے ادا کرنا آسان ہے۔

ش: ضاد کی مفصل تحقیق: (۹) ضاد کا مخرج حافہ لسان اوپر کے ڈاڑھوں کی جڑ ہے۔ حافہ لسان سے مراد زبان کی کروٹ اور اس کے بغلی کنارہ کا وہ حصہ جو حلق کی طرف ہے اور اضراس علیا سے مراد اوپر کے پانچ آخری دانتوں کی جڑیں ہیں۔ یہ آخری دانت نواجذ سے ضواحک تک کے ہیں اب چاہے یہ حرف دونوں طرف سے یا داہنی جانب سے یا بائیں جانب سے ادا کیا جائے تینوں کا اختیار ہے لیکن دونوں جانب سے ادا کرنا نہایت مشکل ہے کہتے ہیں کہ یہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی خصوصیت تھی اور دائیں جانب سے ادائیگی مشکل ہے اور بائیں جانب سے ادائیگی آسان ہے۔

﴿فائدہ﴾ ضاد کا مخرج تمام مخارج سے زیادہ وسیع ہے۔ اسی لئے اس کی ایک صفت استطالت بتلائی گئی ہے۔

﴿تنبیہ﴾ چونکہ ضاد کے مخرج میں لوگوں کا کافی اختلاف ہے اس وجہ سے کہ اس کی ادائیگی اور حروف کی نسبت سے زیادہ مشکل ہے چنانچہ بعض لوگ ظاء بعض لوگ دال، بعض دال مفخم (پُر دال) اور بعض غین اور دال ملا کر پڑھتے ہیں اور ہر آدمی اپنی ادائیگی کو صحیح بتلاتا ہے۔ اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس موقع پر ضاد کے متعلق بیان کیا جائے کہ یہ

حرف کس کے مشابہ ہے اور کس کے مشابہ نہیں۔

چنانچہ سب سے پہلے یہ سمجھئے کہ الف سے لے کر یاء تک جتنے بھی حروف ہیں ان میں سے کوئی بھی دو حروف ایک دوسرے سے بالکل ملے ہوئے نہیں ہیں بلکہ ہر حرف کی آواز دوسرے سے مختلف اور الگ ہے۔ البتہ بعض حروف ایسے ہیں جن کی آوازیں ایک دوسرے سے ملتی جلتی ہیں۔

حروف کی آوازیں ایک دوسرے کے ساتھ مشابہ کیوں ہوتی ہے؟ اس کے لئے دو ضابطہ ہیں۔ پہلا قاعدہ یہ ہے کہ یہ آواز کی مشابہت کبھی تو اتحاد مخرج اور صفات ذاتیہ کے اشتراک کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے اور کبھی صرف صفات ذاتیہ میں شرکت کی وجہ سے ہوتی ہے۔ دوسرا قاعدہ یہ ہے کہ جو حرف کسی حرف کے ساتھ جتنی زیادہ صفتوں میں شریک ہوگا اتنا ہی وہ اس حرف کے زیادہ مشابہ ہوگا۔

ان دونوں قاعدوں کو ذہن میں ملحوظ رکھنے کے بعد اب یہ سمجھئے کہ ضاد کے مشابہ حروف قاعدہ اولیٰ کی بناء پر ظاء' ذال' زاء دال ہیں اور دوسرے قاعدہ کی بناء پر جتنی زیادہ مشابہت ظاء کو ہے اتنی مشابہت کسی اور حرف کو حاصل نہیں اور دال کو تو کسی طرح کی مشابہت بھی حاصل نہیں۔ اس لئے کہ ضاد میں جہر' رخوت' استعلا' اطباق استطالت ہے۔ اور ظاء میں استطالت کے علاوہ تمام صفات ہیں اور دال میں جہر' شدت' استفال' انفتاح' قلقلہ ہے۔ تو دال کو ضاد کے ساتھ مشابہت صرف ایک صفت جہر میں ہے۔ برخلاف ظاء کے کہ اس کو ایک صفت کے علاوہ تمام صفات میں مشابہت ہے۔

اس تقریر سے یہ بات بخوبی واضح ہوگئی کہ بہر حال ضاد کو دال کے ساتھ مشابہ بنا کر ادا کرنا بالکل غلط ہے۔ ہاں ظاء کے ساتھ مشابہ کر کے ادا کرنے کی پھر بھی گنجائش ہے بلکہ ضاد کو اگر اس کے صحیح مخرج سے جملہ صفات ذاتیہ کی رعایت رکھتے ہوئے اور ان کے جو معنی علمائے فن نے بیان فرمائے ہیں ان کو مد نظر رکھ کر ادا کیا جائے تو باتفاق جمہور علماء ادا اور بموجب تصریحات فقہائے امت و مفسرین و محدثین اس کی آواز سننے میں حرف ظاء کی آواز

کے مشابہ ہوتی ہے (نہ کہ دال کے) جس طرح ظاء نرم اور خوب پُر ادا ہوتا ہے۔ اسی طرح ضاد بھی خوب پُر اور نرم ہی ادا ہوتا ہے اور دونوں کی آواز حالت سکون میں جاری بھی رہ سکتی ہے البتہ ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ ضاد کی آواز میں تو ایک قسم کی درازی سی پائی جاتی ہے اور ظاء کی آواز میں یہ درازی نہیں ہوتی بہر حال ضاد کو ظاء کے ساتھ مشابہت ہے اور اس پر علمائے محققین کی چند عبارتیں بطور ثبوت کے پیش کی جا رہی ہیں۔

علامہ محمد مکی رحمہ اللہ متوفی ۴۳۷ ہجری رعایہ میں فرماتے ہیں: **والضاد يشبه لفظها بلفظ الظاء لانها من حروف الاطباق ومن حروف المستعلية ومن الحروف المجهورة ولو لا اختلاف المخرجين وما في الضاد من الاستطالة لكان لفظهما واحدًا ولم يختلفا في السمع۔**

علامہ موصلی حنبلی رحمہ اللہ شرح شاطبیہ میں فرماتے ہیں: **ان هذه الثلث اى الضاد والظاء والذال متشابهة في السمع والضاد لا تفترق من الظاء الا باختلاف المخرج وزيادة الاستطالة ولولا هما لكانت احداهما عين الاخرى۔**

شیخ محمد مکی نصر رحمہ اللہ نہایۃ القول المفید میں فرماتے ہیں: **الضاد والظاء المعجمتان اشتركتا جهرًا ورخاوة واستعلاءً واطباقًا وافترقتا مخرجًا وانفردت الضاد بالاستطالة وفي المرعشي نقلا عن الرعاية ما مختصره ان هذين الحرفين اعنى الضاد والظاء متشابهان في السمع۔ الخ**

جہد المقل میں ہے: **الضاد والظاء والذال والزاى المعجمات الكل متشاركة في الجهر والرخاوة ومتشابهة في السمع۔**

شیخ نمر النابلسی رحمہ اللہ اتحاف العباد فی معرفۃ النطق بالضاد میں ضاد کی صفات بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں: **فان لفظت بالضاد المعجمة بمخرجها وصفاتها فيشبه صوتها صوت الظاء المعجمة بالضرورة۔**

علامہ مرعشی رحمۃ اللہ علیہ مصنوعۃ الضاد میں لکھتے ہیں: **واما من تلفظ الضاد من حافة اللسان مع ما يليها من الاضراس واعطى له رخاوة فمد به صوته لر خاوته وجعل امتداد صوته ازيد من امتداد صوت الظاء لزيادة الاستطالة۔ (الخ) فحينئذ يشبه لفظه فی السمع لفظ الظاء المعجمة' وهذا مما لا شك فيه۔**

شرح قصیدہ نونیہ میں ہے: **لان الظاء تشارك الضاد فی الاوصاف المذكورة غير الاستطالة فلذالك اشتد شبهة به وعسر التمييز واحتاج القارى فی ذالك الى الرياضة لا تصال بين مخرجيهما۔**

فن تجوید کی ان مستند کتابوں سے یہ بات صاف صاف معلوم ہوگئی کہ ضاد اور ظاء متشابہ الصوت ہیں۔ دوسری بات یہ بھی معلوم ہوگئی کہ علماء فن میں سے کوئی ضاد ودال میں تشابہ کا قائل نہیں ورنہ اپنی تصانیف میں اس کا بھی ذکر فرماتے۔

آیئے! اب مفسرین اور محدثین کی عبارتیں بھی اس سلسلہ میں پیش کر دیں تاکہ ثبوت واضح ہو جائے۔ امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر کبیر (جلد اول باب الاستعاذہ) میں تحریر فرماتے ہیں **المختار عندنا ان اشتباه الضاد بالظاء لا تفسد الصلوة ويدل عليه ان المشابهة حاصلة بينهما جدا والتمييز عسير۔**

حافظ عماد الدین ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ تفسیر ابن کثیر میں تحریر فرماتے ہیں: **والصحيح من مذاهب العلماء انه يغتفر الاخلال بتحرير ما بين الضاد والظاء لقرب مخرجيهما** (یعنی علماء کا صحیح مذہب یہ ہے کہ ضاد وظاء میں جو کما حقہ فرق نہیں ہوسکتا تو وہ معاف ہے اس وجہ سے کہ یہ دونوں قریب المخرج ہیں)

علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ الاتقان فی علوم القرآن میں لکھتے ہیں: **ومنها اللفظى بان يختلفا بحرف مناسب للاخر مناسبة لفظية كالضاد والظاء كقوله تعالىٰ وجوه يومئذ ناضرة الى ربها ناظرة۔** علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے ضاد

اور ظاء کے اس تقارب کی مثال کو بدائع جناس القرآن میں بیان کیا ہے جو اس کے تقارب و تشابہ پر بین ثبوت اور واضح دلیل ہے۔

مصر کے مفتی عبدہ رحمہ اللہ تفسیر المنار میں تحریر فرماتے ہیں: **اننا نجد اعراب الشام و من حولها ينطقون بالضاد فيحسبها السامع الظاء وذالك لشدة شبهها وقربها منها وهذا هو المحفوظ عن فصحاء العرب الاولين۔**

ان تمام عبارتوں سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ ضاد کا مخرج اگرچہ مستقل ہے لیکن اس کو ظاء کے ساتھ مشابہت کامل طور پر ہے۔ ہاں دال کے ساتھ بالکل نہیں۔

اب اس کے بعد مسئلہ فقہی رہ جاتا ہے کہ ضاد کو اگر کوئی صحیح مخرج سے ادا نہ کرے تو کیا حکم ہے۔ اس سلسلہ میں فقہاء متقدمین ومتاخرین کے فتاویٰ کو دیکھ کر حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ سابق مفتی دارالعلوم دیوبند ومفتی اعظم پاکستان نے جو فیصلہ صادر فرمایا اور جو فتویٰ تحریر فرمایا اس کو ہدیہ ناظرین کر رہے ہیں:

"جو عوام مخارج وصفات سے واقف نہیں بوجہ ناواقفیت یا عدم التمیز کے اگر ان کی زبان سے ایک حرف کی جگہ دوسرا حرف نکل جائے (خواہ کوئی حرف ہو) اور وہ یہ سمجھے کہ میں نے وہی حرف نکالا ہے جو قرآن شریف میں ہے تو اس کی نماز فاسد نہیں ہوگی (حسب ضابطہ متاخرین) اور جو شخص واقف ہے اور صحیح حرف کے نکالنے پر بالفعل قادر ہے اور پھر بھی جان بوجھ کر یا بے پروائی سے غلط حرف نکالتا ہے تو جس جگہ معنی میں تغیر فاحش ہو جائے گا۔ اس کی نماز فاسد قرار دی جائے گی۔" (حسب ضابطہ متقدمین) الغرض عوام کے حق میں متاخرین کے قول پر فتویٰ ہے اور قراء وفقہاء کے حق میں متقدمین کے قول پر۔ جو شخص مخارج وصفات سے واقف ہو۔ وہ خواص میں داخل ہے۔ خواہ اسے عرف عام میں قاری نہ کہیں۔ اور جو اس سے ناواقف ہے اس بارہ میں عوام میں داخل ہے اگرچہ کتنا ہی بڑا عالم ہو۔"

یہی قول علامہ شامی رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے: **ان تعمد ذالك تفسدوان جرى على لسانه اولا يعرف التميز لا تفسد وهو المختار (حليه) وهو اعدل**

الاقاویل وهو المختار (شامی باب زلة القاری)

لگے ہاتھوں قطب عالم حضرت مولانا رشید احمد محدث گنگوہیؒ کا فتویٰ بھی ملاحظہ فرمایئے جو شخص باوجود قدرت کے ضاد کو ضاد کے مخرج سے ادا نہ کرے وہ گنہگار بھی ہے اور اگر دوسرا لفظ بدل جانے سے معنی بدل گئے تو نماز بھی نہ ہوگی اور اگر باوجود کوشش وسعی ضاد اپنے مخرج سے ادا نہیں ہوتا تو معذور ہے۔ اس کی نماز ہو جاتی ہے اور جو شخص خود صحیح پڑھنے پر قادر ہے ایسے معذور کے پیچھے نماز پڑھ سکتا ہے، مگر جو شخص قصداً خالص دال یا ظاء پڑھے اس کے پیچھے نماز نہ ہوگی۔ فقط

یہ تفصیلی بحث سبیل الرشاد اور رفع التضاد وغیرہ معتبر کتابوں سے ماخوذ ہے۔

م: ثم اللام المرققة (۱۰) من ادنى الحافة مع ما يليها من اللثة العليا ثم النون المظهرة (۱۱) من طرفه مع ما يُوازيه تحت اللام۔

ت: لام مرققہ کا مخرج حافہ کے ادنیٰ حصہ سے مع متصل اوپر کے مسوڑھے کے نون مظہرہ کا مخرج طرف لسان اس کے مقابل اوپر کے دانتوں کی جڑ لام کے مخرج سے ذرا ہٹ کر،

ش: بقیہ حروف کے مخارج: (۱۰) لام مرققہ کی قید سے لام مفخمہ کو نکالنا مقصود ہے۔ اس لئے کہ لام مفخمہ حروف فرعیہ میں سے ہے۔ کما سیاتی۔ ادنائے حافہ سے مراد زبان کی کروٹ کا وہ حصہ جو ہونٹوں کی طرف ہے۔ یہ حافہ مع سرا زبان جب ثنایا، رباعی، انیاب اور ضواحک کے مسوڑھوں سے ملے گا تو لام ادا ہوگا۔ اس کو بھی ضاد کی طرح داہنی یا بائیں جانب سے ادا کیا جا سکتا ہے مگر داہنی جانب سے زیادہ مروج و مستعمل ہے۔ نیز لام کا مخرج بھی ضاد کی طرح وسیع ہے فرق یہ ہے کہ ضاد میں اقصیٰ حافہ (جو حلق کی طرف ہے) اس کو دخل ہے اور لام میں ادنائے حافہ کو (جو منہ کی طرف ہے) دخل ہے۔

(۱۱) یہاں نون مظہرہ سے نون مخفاۃ کو الگ کرنا مقصود ہے۔ **لانه من الحروف المتفرعة كما سياتي۔** نون کا مخرج طرف لسان اس کے مقابل اوپر کے دانتوں کی جڑیں، اس کے اور لام کے مخرج میں فرق یہ ہے کہ لام کے مخرج میں ضواحک کو دخل تھا جس

کے مقابل حافہ لسان ہے اور نون کے مخرج میں ضواحک داخل نہیں۔ یہی مطلب ہے مصنف کی عبارت تحت اللام کا۔

م: ثم الراء (۱۲) من ظهره بعيد طرفه مع ما يحاذيه وهذه الثلثة ذلقية (۱۳) ثم الطاء فالدال فالتاء من طرفه مع اصول الثنايا العليا وهي النطعية (۱۴) ثم الصاد الغير المشممة (۱۵) فالسين فالزاء من طرفه

ت: راء کا مخرج پشت زبان سے کچھ ہٹ کر اس کے مقابل اوپر کا تالو ہے۔ یہ تینوں حروف ذلقیہ کہلاتے ہیں۔ طاء۔ دال۔ تاء کا مخرج طرف لسان ثنایا علیا کی جڑوں سے یہ حروف نطعیہ کہلاتے ہیں۔ صاد غیر مشممہ اور سین اور زاء کا مخرج طرف لسان،

ش: (۱۲) راء کا مخرج بھی پہلے دو حروف لام و نون کے قریب ہی ہے مگر فرق یہ ہے کہ راء کے مخرج میں پشت زبان کو دخل ہے۔ اسی قرب مخرج کی وجہ سے اور زیادہ فرق نہ ہونے کا اعتبار کرتے ہوئے بعض حضرات نے تینوں کا مخرج ایک ہی شمار کیا ہے چنانچہ فوائد مکیہ میں بھی اس طرح مذکور ہے۔ طرف لسان اور دانتوں کی جڑ اس سے ل، ن، ر نکلتے ہیں لیکن صاحب خلاصۃ البیان نے معمولی فرق کو بھی مستقل خیال کر کے ہر ایک کے مخرج کو علیحدہ بیان کیا۔

(۱۳) ان حروف کو ذلقیہ اس وجہ سے کہتے ہیں کہ یہ حروف ذلق یعنی طرف لسان (کما ہو فی اللغۃ) سے ادا ہوتے ہیں۔

(۱۴) حروف نطعیہ طاء دال، تاء کہلاتے ہیں جس کا مخرج طرف زبان ثنایا علیا کی جڑیں ہیں۔ ان حروف کو نطعیہ اس وجہ سے کہتے ہیں کہ نطع (بکسر النون) اس جلد (کھال) کو کہتے ہیں۔ جو دانتوں کے اوپر تالو کے آخر میں ہوتی ہے یا اس گڑھے کو کہتے ہیں جو دانتوں کی جڑ میں ہوتا ہے اور یہ حروف بھی زبان کی حرکت کے ساتھ وہیں سے ادا ہوتے ہیں۔

(۱۵) صاد میں غیر مشممہ کی قید سے صاد مشممہ جو حروف فرعیہ میں سے ہے۔ الگ کرنا مقصود ہے۔ ہم انشاء اللہ حروف فرعیہ کی بحث مستقلاً آخر میں بیان کریں گے۔ ان تینوں

حروف کا مخرج زبان کا سرا اور ثنایا سفلیٰ کا کنارہ مع کچھ اتصال ثنایا علیا کے یہ قید یعنی کچھ اتصال ثنایا علیا کی۔ یہاں کتاب میں موجود نہیں البتہ فوائد مکیہ اور بعض عربی کی کتابوں میں موجود ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ان حروف کی ادائیگی میں اوپر کے دانت بھی نیچے کے دانت سے ملتے ہیں۔ گو کامل طور پر اتصال نہیں ہوتا بلکہ درمیان میں کچھ فاصلہ باقی رہ جاتا ہے۔ نیز زبان کی نوک نیچے کے دانتوں ہی سے ملے گی۔ ورنہ صفت صفیر ادا نہ ہوگی۔ اس کا خیال رہے۔

م: **مع الثنیتین وھی الاسلیة (١٦) ثم الظاء فالذال فالثاء من طرفه مع اطراف الثنایا العلیا وھی اللثویة (١٧) ثم الفاء۔**

ت: مع ثنایا کے اور یہ حروف اسلیہ کہلاتے ہیں۔ ظاء، ذال، ثاء طرف لسان جب ثنایا علیا کے اطراف سے ملے ادا ہوتے ہیں۔ یہ حروف لثویہ کہلاتے ہیں۔ فاء۔

ش: (١٦) ان حروف کو اسلیہ اس لئے کہتے ہیں کہ اسل بمعنی طرف لسان (زبان کا باریک حصہ) ہے اور یہ حروف بھی وہیں سے ادا ہوتے ہیں۔ نیز ان حروف کو صفیریہ بھی کہتے ہیں اس لئے کہ ان کی ادائیگی میں صفیر جیسی آواز ہوتی ہے۔

(١٧) ظاء ذالؔ ثاء کا مخرج طرف لسان جب کہ ثنایا علیا کے کناروں سے ملے۔ کنارہ سے مراد اندر کا کنارہ ہے۔ نوک نہیں۔ ان حروف کو لثویہ کہتے ہیں۔ اس لئے کہ لثہ بمعنی مسوڑے کے قریب سے ادا ہوتے ہیں۔

م: **من بطن الشفة السفلیٰ مع اطراف الثنایا العلیا (١٨) ثم الباء (١٩) فالمیم المظھرة فالواو الغیر المدیة من الشفتین لکن الواو بانفتاحھما والاولین بنطباقھما وھذہ الاربعة شفویة (٢٠) اما الجوف (٢١) فللحروف المدیة وھی الالف۔**

ت: کا مخرج نیچے کے ہونٹ کا پیٹ جب ثنایا علیا کے اطراف سے لگے۔ باءؔ میم مظہرہؔ واو غیر مدہ دونوں ہونٹ کے ملنے سے ادا ہوتے ہیں۔ لیکن (فرق یہ ہے کہ) واؤ

دونوں ہونٹ کھلا رہنے سے اور پہلے دو (باء اور میم) ہونٹ کے بند کرنے سے ادا ہوں گے اور یہ چاروں حروف شفویہ کہلاتے ہیں۔ جوف دہن یہ مخرج ہے'

ش: (۱۸) فاء کا مخرج نیچے کے ہونٹ کا اندرونی حصہ جب کہ اس پر اوپر کے دانتوں کے کنارے لگیں۔ یہ حرف حروف شفویہ میں داخل ہے۔ اس لئے کہ اس کی ادائیگی میں ہونٹ کو دخل ہے۔

(۱۹) پندرہواں مخرج تین حروف کا ہے۔ باء' میم مظہرہ (اس لئے کہ میم مخفاۃ حروف فرعیہ میں سے ہے' کما سیأتی) واو غیر مدہ یعنی متحرک اور لین (واو مدہ کا مخرج جوف دہن ہے) جس کا ذکر سولہویں مخرج میں آئے گا۔ پھر تینوں حروف کے مخرج میں کچھ فرق ہے اور وہ یہ ہے کہ باء اور میم کی ادائیگی میں دونوں ہونٹ بند ہو جائیں گے اور واو کے مخرج میں ہونٹ بالکل بند نہیں ہوں گے بلکہ کچھ کچھ کھلے رہیں گے غنچہ کی طرح۔ نیز باء اور میم کے مخرج میں آپس میں فرق یہ ہے کہ میم ہونٹ کی خشکی سے ادا ہوتا ہے۔ اور باء ہونٹ کی تری سے ادا ہوتا ہے لیکن یہ فرق اتنا بڑا نہیں ہے کہ اس کو مستقل مخرج شمار کیا جائے۔

(۲۰) یہ چار حروف ہونٹوں سے ادا ہونے کی وجہ سے حروف شفویہ کہلاتے ہیں۔

﴿فائدہ﴾ مصنف رحمہ اللہ نے ہر مخرج بیان کرنے کے بعد اس کے لقب کو بھی بیان کر دیا چنانچہ اب تک آٹھ القاب بیان کر چکے۔ حلقیہ (ء۔ع۔ہ۔ح۔غ۔خ کے لئے) لہویہ (قاف' کاف کے لئے) شجریہ (جیم' شین' یاء کے لئے) اسلیہ (صاد' سین' زاء کے لئے) نطعیہ (طاء' دال' تاء کے لئے) لثویہ (ظاء' ذال' ثاء کے لئے) ذلقیہ (لام' نون' راء کے لئے) شفویہ (فاء' باء' میم' واو کے لئے) اور ہر ایک کی وجہ تسمیہ بھی اس کے موقع پر معلوم ہو چکی ہے۔ اب آگے حروف مدہ جوفیہ کا اور پھر خیشوم کا مخرج بیان کریں گے۔ اس موقع پر بوف کا قاعدہ مشہور ہے جس کو ہم مستقل فائدہ کے تحت آئندہ ذکر کریں گے۔ ان شاء اللہ

جوف کی تحقیق:

(۲۱) جوف۔ لغت میں خالی اور کھوکھلی چیز کو کہتے ہیں۔ یہاں پر منہ کا وہ خالی حصہ مراد

ہے جو ہر وقت خالی رہتا ہے یعنی زبان اور تالو کا درمیانی حصہ۔ اس خالی حصہ سے تین حروف ادا ہوتے ہیں۔ الف ساکن ماقبل مفتوح' واو ساکن ماقبل مضموم' یاء ساکن ماقبل مکسور۔ مصنفؒ نے الف میں دو قید لگائی ہے۔ مرققہ اور غیر ممالہ کی تاکہ ان دونوں قید سے الف مفخمہ اور الف ممالہ نکل جائے اس لئے کہ الف ممالہ امام حفصؒ کے نزدیک اور الف مفخمہ بعض حضرات کے نزدیک حروف فرعیہ میں ہے۔ (کما سیأتی)

﴿فائدہ﴾ جوف دہن مستقل مخرج نہیں جیسے زبان' ہونٹ' حلق وغیرہ ہیں۔ بلکہ چونکہ ان حروف کی ادائیگی ہم نے مذکور مخارج میں سے کسی جگہ نہیں دیکھی تو منہ کے خالی حصہ کو مخرج بنالیا۔ اسی لئے جوف مخارج مقدرہ میں سے ہے۔

م: المرققة الغير الممالة والواو والياء اذا سكنا وتوافقهما حركة ما قبلهما وهي جوفيه (۲۲) وهوائية والغنة اى النون والتنوين والميم المخفاة او المدغمة بادغام ناقص۔

ت: حروف مدہ کا اور وہ (حروف مدیہ) الف مرققہ غیر ممالہ' واو' یاء جبکہ ساکن ہوں اور ان دونوں کے ماقبل کی حرکت ان کے موافق ہو (یعنی واو ماقبل مضموم اور یاء ماقبل مکسور) اور یہ حروف جوفیہ اور ہوائیہ کہلاتے ہیں۔ اور غنہ یعنی نون اور تنوین اور میم مخفاۃ یا مدغمہ یا وہ نون میم جس میں ادغام ناقص کیا جائے۔

ش: (۲۲) ان حروف کو جوفیہ اس لئے کہتے ہیں کہ جوف دہن سے ادا ہوتے ہیں اور ہوائیہ اس لئے کہلاتے ہیں کہ ہوا پر منتہی ہوتے ہیں۔ نیز حروف مدہ بھی کہلاتے ہیں اس لئے کہ مد ان پر لازمی ہے۔

﴿فائدہ﴾ حروف لینیہ (یاء اور واو ماقبل مفتوح) کا مخرج بھی یہی ہے اور ان حروف کو لینیہ اس لئے کہتے ہیں کہ ان کی ادائیگی نرمی سے صرف ہوا پر اعتماد کر کے ہوتی ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جس کا مخرج جتنا وسیع ہوگا۔ اتنی ہی آواز پھیلے گی اور ادائیگی میں سہولت ہوگی اور جتنا تنگ ہوگا اتنی ہی آواز سخت ہوگی اور دبے گی۔ اسی مخرج کی وسعت کی وجہ سے حروف

مدیہ اور لینیہ میں کم اور زیادہ ہوتا ہے۔

م: مخرجها الخيشوم (٢٣) تقدر بقدر الالف لاعمل للّسان والشفة فحروف المقدر غير الالف وهما من المتفرعة اما النون والميم الاصليان فالغنة لهما صفة۔

ت: ان تمام حروف کا مخرج خیشوم ہے جس کی مقدار ایک الف ہے اس میں زبان اور ہونٹ کو دخل نہیں پس مقدر کے حروف الف کے علاوہ ہیں۔ یہ دونوں (نون' میم مخفاۃ و مدغم) حروف فرعیہ میں سے ہیں۔ البتہ نون اور میم اصلی میں جو غنہ ہوتا ہے۔ وہ اس کی صفت ہے۔ واللہ اعلم۔

ش: غنہ اور خیشوم کی بحث: (٢٣) یہ سترہواں اور آخری مخرج ہے۔ خیشوم یعنی ناک کا بانسہ اس سے حروف غنہ ادا ہوتے ہیں۔ جو کل چار حروف ہیں۔ نون مخفاۃ' میم مخفاۃ' نون مشددہ' میم مشددہ۔ اسی کو نون میم مدغم بادغام ناقص بھی کہتے ہیں۔ یہ مخرج بھی مخارج مقدرہ میں سے اور اس کے حروف حروف متفرعہ میں ہیں۔ اس پر یہ اشکال نہ ہو کہ نون کا مخرج تو طرف لسان اور میم کا مخرج شفتین ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا پھر یہ کیسا مخرج؟ اس لئے کہ نون میم کی دو حالتیں ہیں۔ ایک حالت اظہار کی' دوم حالت اخفاء یا ادغام کی' وہاں پر اظہار کی حالت میں نون و میم کا مخرج بیان کیا تھا۔ اور یہاں پر اخفاء یا ادغام ناقص کی حالت میں نون کے مخرج کو بیان کیا ہے۔

اس پر اشکال یہ ہے کہ نون و میم کی کوئی سی بھی حالت ہو یعنی اظہار کی یا اخفاء کی ہر حالت میں زبان کے عمل کو دخل ہے' لہٰذا خیشوم کے مخرج کو مستقل شمار کرنے کی ضرورت نہیں اور اگر اس وجہ سے خیشوم کو شمار کیا جاتا ہے کہ اس میں اس کا اثر ہے تو پھر اظہار کی حالت میں بھی خیشوم کو کچھ نہ کچھ دخل ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ نون اور میم مظہرہ کی ادائیگی میں طرف لسان اور شفتین کے ساتھ اگرچہ خیشوم کو بھی ضرور دخل ہوتا ہے لیکن اظہار کی حالت میں طرف اور شفتین کو زیادہ دخل ہوتا ہے اور اخفاء کی حالت میں خیشوم کو زیادہ دخل ہوتا ہے۔

اور مخرج اصلیہ کو معمولی اور نہایت ہی ضعیف تعلق ہوتا ہے۔

یہیں پر یہ بات ذہن نشین ہو جانی چاہیے کہ غنہ صوت خیشومی کا نام ہے۔ نون اور میم کی کوئی سی بھی حالت ہو درحقیقت یہ دونوں کی صفت ہی ہے۔ البتہ جب یہ دونوں حرف مشدد یا مخفی یا مدغم بالغنہ ہوں تو اس وقت یہ صفت علی وجہ الکمال پائی جاتی ہے اور خیشوم مخرج اصلیہ پر اغلب ہوتا ہے اسی وجہ سے اس کو مستقل مخرج شمار کیا اور مصنف رحمہ اللہ کی اصلاح **لاعمل للسان والشفۃ** نے اس کو اور واضح کر دیا۔ اس قیل وقال کے بعد یہ بات واضح ہوگئی کہ نون ساکن کا اخفاء کی حالت میں مخرج اصلیہ سے ایک ادنیٰ تعلق ضرور ہوتا ہے کیونکہ اگر ذات حرف کو بالکل معدوم کر دیا جائے تو غنہ ادا کرنے کی دو ہی صورت ہوگی۔

اولاً مابعد کے حرف پر بغیر اعتماد یا الصاق کے غنہ ادا کیا جائے۔ اس صورت میں تو بعد حرف مد لازم آئے گا (جس سے قرآن کریم میں ایک حرف کی زیادتی ہو جاتی ہے)۔

ثانیاً مابعد کے حرف پر اعتماد کر کے بقدر ایک الف غنہ ادا کیا جائے۔ دوسری صورت میں تشدید ناقص یا ادغام ناقص کی صورت بن جاتی ہے اور اس پر اخفاء کی تعریف صادق نہیں آتی۔ اس لئے کہ اخفاء کی تعریف **ھی حالۃ بین الاظھار والادغام** کی جاتی ہے یعنی نہ تو اظہار ہو اور نہ ادغام۔ اظہار کے معنی ہیں حرف کو مخرج اصلی اور مع صفات اصلیہ کے ادا کرنا اور ادغام کے معنی ہیں **خلط حرف بحرف بحیث یرتفع اللسان ارتفاعًا واحدًا مع شدۃ اتصال فیھما** اب خلط کی تین صورتیں ہوتی ہیں۔

(۱) خلط قلب کے ساتھ مع جمیع صفات کے ہوتا ہے جیسے قُلْ رَّبِّ میں۔ (۲) یا قلب ذات مع بقاء صفت غنہ کے جیسے مَنْ یَّقُوْلُ میں۔ (۳) یا خلط مع شدۃ اتصال بعض صفت کے انعدام کے ساتھ جیسے اَحَطْتُّ میں ہوتا ہے۔ اب اس کی تشریح ملاحظہ فرمائیے۔ اخفاء میں نون اپنے مخرج سے کامل طور پر ادا نہیں ہوتا اس لئے اظہار نہیں کہلا سکتا اور چونکہ کچھ مخرج کو بھی دخل ہے اور صفت غنہ بھی باقی ہے لہٰذا کچھ اظہار بھی ہوا اور ادغام ستر ذات و صفت کا ہوتا ہے اور یہ ستر اخفاء میں ناقص ہوتا ہے لیکن ادغام میں خلط اور شدۃ اتصال کے

ساتھ ہوتا ہے اور اخفاء میں یہ بات نہیں ہونی چاہیے لہٰذا اب اخفاء کی تعریف بین الاظہار والادغام صادق آ گئی اور یہی اخفاء کی علت ہے۔ واللہ اعلم

مخارج کی بحث پوری ہونے کے بعد اب ہم چند فوائد کے ذیل میں وہ باتیں پیش کر دیتے ہیں جس کا ہم وعدہ کرتے آئے ہیں۔

﴿فائدہ﴾ بحث حروف فرعیہ وحرکات فرعیہ:

حروف فرعیہ وہ ہیں جو دو مخرج سے ہو کر نکلیں اور دو حرف کے درمیان متردد ہو۔ حروف فرعیہ کی دو قسمیں ہیں۔ ① فصیح ② غیر فصیح، حروف فرعیہ۔ فصیح قرآن میں آٹھ ہیں ① ہمزہ مسہلہ ② الف ممالہ ③ صاد مشمہ ④ یاء مشمہ ⑤ الف مفخمہ ⑥ لام مفخمہ ⑦ نون مخفاۃ ⑧ میم مسکنہ اب ہر ایک کی تعریف تفصیل سے سنئے!

[۱] ہمزۂ مسہلہ وہ ہمزہ جس میں نہ تو بہت شدت ہو اور نہ بہت نرمی ہو الف کی طرح بلکہ نرمی اور سختی کے درمیان رہے۔ ہمزہ مسہلہ کی تین صورتیں ہیں ① یا تو ہمزہ اور الف کے درمیان ہو جیسے ءَاَنْذَرْتَهُمْ ② ہمزہ اور یاء کے درمیان ہو جیسے أَئِنَّكَ ③ ہمزہ اور واوٴ کے درمیان ہو جیسے أَؤُنَزِلَ۔ پہلی مثال میں ہمزہ کا الف کی جانب میلان دوسری مثال میں ہمزہ کا یاء کی جانب اور تیسری مثال میں ہمزہ کا واوٴ کی جانب میلان ہے جس کی وجہ سے ہمزہ میں تسہیل پیدا ہوگئی۔

[۲] الف ممالہ وہ الف جو الف اور یاء کے درمیان رہ کر ادا ہو نہ خالص الف اور نہ خالص یاء ادا ہو اس کی مثال قراءۃ حفص میں صرف مَجْرٖهَا ہے۔ دوسرے قراء کے نزدیک اور مواقع میں بھی ہے۔

[۳] صاد مشمہ وہ صاد جس میں زاء کی بو دی جائے۔ اس اشمام کا خلاصہ یہ ہے کہ صاد اور زاء کو مرکب کر کے ایک ایسا حرف وجود میں لایا جائے کہ وہ نہ تو خالص صاد رہے اور نہ خالص زاء بلکہ دونوں کے درمیان میں ہو اور اس کا طریقہ ادا یہ ہوگا کہ صاد کی صفت تفخیم کو باقی رکھا جائے اور زاء سے صفت جہر کو لیا جائے اور پھر ملا کر اس طرح ادا کریں کہ سننے میں

ایسا معلوم ہو جیسے زاء کو پُر پڑھ رہے ہوں (یہ اشمام امام حمزہ رحمہ اللہ کی قرآءۃ میں لفظ اَلصِّرَاطَ۔ صِرَاطَ۔ قَصْدُ السَّبِيْلِ اور دیگر الفاظ میں کیا جاتا ہے) جیسے صِرَاطَ اصل میں سِرَاطَ تھا۔ اس کلمہ میں سین اور طاء متضاد صفات والے حروف جمع ہیں۔ اس لئے کہ سین میں ہمس استفال انفتاح' صفیر ہے۔

اور طاء میں اس میں کی کوئی صفت نہیں اس لئے صاد سے بدلا جو طاء کے استعلاء اور اطباق میں موافق ہے پھر صاد میں زاء کی بو پیدا کی تا کہ اصل یعنی سین کے قریب ہو جائے اس لئے کہ سین اور زاء استفال اور انفتاح میں شریک ہے۔ هكذا قالوا یہ اشمام صِرَاطَ' اَلصِّرَاطَ' قَصْدُ السَّبِيْلِ میں امام حمزہ رحمہ اللہ کے نزدیک ہے۔ باقی قراء صاد خالص پڑھتے ہیں جو قریش کی لغت ہے۔ (بیضاوی ص ۱۰)

۴ یاء مشممہ۔ یہاں اشمام سے مراد حرف میں ضمہ کی بو ادا کرنا جیسے قِيْلَ اور غِيْضَ کی یاء میں جب اشمام کریں گے تو واو یا ضمہ کی طرف ہونٹوں سے اشارہ کیا جائے گا۔ یہ اشمام ہشام اور کسائی کے نزدیک ہے۔

۵ الف مفخمہ وہ الف جو کسی پُر حرف کے بعد آنے کی وجہ سے پُر پڑھا جاتا ہے جیسے لام جلالہ کا الف اور اسی طرح امام نافع مدنی رحمہ اللہ کی قرآءت میں بروایت ورش من طریق الازرق اَلصَّلٰوۃَ۔ اَلطَّلَاقَ وغیرہ کے الفات۔ اس الف کے تلفظ میں تفخیم کا اختلاط ہو جاتا ہے اور یہ اختلاط اس کو واؤ کے تلفظ کے قریب کر دیتا ہے لیکن اس حالت میں انضمام شفتین قطعاً نہ کیا جائے ورنہ واؤ پیدا ہو کر قرآن کریم میں ایک حرف کی زیادتی ہو جائے گی پس اس صورت میں الف کی ادائیگی الف اصلیہ اور واؤ کے درمیان متردد ہو گی۔

۶' ۷ لام مفخمہ۔ نون مخفاۃ۔ بہت سے محققین نے ان دونوں کو حروف فرعیہ میں ذکر کیا ہے لیکن بعض دیگر حضرات نے اس پر نقد کیا کہ حرف فرعی تو اس وقت بنے گا جب کہ دو حرفوں کے درمیان متردد ہو اور ان دونوں میں یہ بات ہے ہی نہیں ان میں دوسرے حرف کا شائبہ ہی نہیں اس لئے ان کو حروف فرعیہ میں ذکر کرنا وہم ہے۔

8 میم مسکنہ۔ اس میں بھی وہی بات ہے جو نون مخفاۃ میں ذکر کی۔ جب میم میں اظہار کیا جائے تو وہ میم اصلی ہوتا ہے اور جب میم میں ادغام یا اخفاء ہو تو حرف فرعی بن جاتا ہے۔

﴿فائدہ﴾ جس طرح حرف کی دو قسمیں ہیں اصلی اور فرعی اسی طرح حرکت کی بھی دو قسمیں ہیں۔ ① اصلی حرکت ② فرعی حرکت' حرکت اصلیہ تین ہیں۔ فتح' کسرہ' ضمہ۔ حرکت فرعیہ دو ہیں حرکت ممالہ (فتحہ کو کسرہ کی جانب مائل کرنا) جیسے **مَجْرِهَا عند الحفص**۔ حرکت مشمہ (کسرہ میں ضمہ کی جانب میلان) جیسے **قِيْلَ' غِيْضَ** وغیرہ۔

﴿فائدہ﴾ حروف بوف کا قاعدہ:

بوف' با' داوَ۔ فاء کے مجموعہ کا نام ہے۔ اس سے اس تنبیہ کی طرف اشارہ ہے جس میں لوگ عموماً غلطی کرتے ہیں مثلاً باء کی ادائیگی میں غلطی یہ ہے کہ لوگ اس کی ادائیگی میں ہونٹوں کی تری والے حصہ کو ملانے کے بجائے خشکی کے حصہ کو ملا دیتے ہیں۔ جس کی وجہ سے باء (عربی) میں پاء (فارسی) کی آمیزش ہو جاتی ہے جو قطعاً معیوب ہے۔ فاء کے متعلق قاعدہ یہ ہے کہ نیچے کے ہونٹ کے تری والے حصہ کو اوپر کے دانتوں کی نوکوں کے ساتھ نرمی سے لگایا جائے ورنہ اگر زور سے لگایا جائے گا' تو فاء کی آواز کے ساتھ ایک پھنکاری نکلتی ہے جس سے رخسار بھی ہل جاتے ہیں۔ یہ دونوں باتیں فاء کی ادائیگی میں معیوب ہیں اس لئے فاء کی آواز نہایت لطیف اور نرم رہے جس کی صورت یہ ہے کہ ہونٹوں کو دانتوں کے ساتھ نہایت نرمی سے لگایا جائے کہ اس کا اثر رخسار پر پڑتا ہے۔

واوَ کی ادائیگی میں اس کا لحاظ رہے کہ یہ اپنے مخرج یعنی دونوں ہونٹوں کے ناقص ملنے سے ادا ہو بعض لوگ نیچے کے ہونٹ کو اندر لے جا کر ثنایا علیا کی نوکوں کے نیچے دبا کر ادا کرتے ہیں یہ سخت غلطی ہے۔

یہ ہے حروف بوف کا قاعدہ۔ اسی طرح بعض لوگ دال مفتوحہ کو خواہ مخواہ پُر پڑھتے ہیں یہ بھی غلطی ہے۔ دال کسی حال میں پُر نہیں ہوتا۔ فتنبہ۔ واللہ اعلم

صفات الحروف (ا)

حروف کی صفات کا بیان

صفات کی تحقیق اور اس کے فوائد:

(ا) صفات صفت کی جمع ہے۔لغت میں صفت اس وصف کو کہتے ہیں جو کسی شے کے ساتھ قائم ہو۔اصطلاح تجوید میں صفت اس کیفیت کو کہتے ہیں جو حرف کو اس کے مخرج سے ادا کرنے کی صورت میں عارض ہو۔

﴿فائدہ﴾ حرف کے مخرج سے اس کی کمیت اور مقدار معلوم ہوتی ہے اور صفت سے اس کی کیفیت معلوم ہوتی ہے۔اس کی تفصیل یہ ہے کہ جو ہوا پھیپھڑوں سے نکلتی ہے اگر طبیعت کے اقتضاء سے نہ سننے والی ہوا آ رہی ہو تو اسے نَفس (فاء کے فتح کے ساتھ بمعنی سانس) کہتے ہیں اور اگر وہ ہوا بالارادہ نکلے جس میں دو جسم کے ٹکرانے کی وجہ سے کچھ سنائی بھی دے تو اسے صوت (آواز) کہتے ہیں پھر اس آواز میں اگر کوئی مخصوص کیفیت مخرج محقق یا مخرج مقدر پر اعتماد کرنے کی وجہ سے پیدا ہوئی تو اسے حرف کہتے ہیں اس حرف میں جو دوسری کیفیات کسی سبب سے پائی جائیں گی تو اسے صفت کہتے ہیں۔

پھر خارج ہونے والی ہوا جو حرف کی صفت ہے اگر قوی آواز کے ساتھ متکیف ہو رہی ہے تو یہ صفت جہر ہے اور اگر کچھ سانس بغیر آواز کے بھی حرف کے ساتھ جاری رہتا ہے تو یہ صفت ہمس ہے۔پھر اگر حرف کی آواز اپنے مخرج میں مکمل طریقہ پر رک جائے کہ بالکل بھی جاری نہ ہو تو اس کا نام شدت ہے جیسے اَلْحَجّْ پر وقف کرنے کی صورت میں آواز بالکل رک جائے گی حتیٰ کہ اگر آواز کھینچنا بھی چاہیں تو نہیں کھینچ سکتے اور اگر آواز پورے طریقہ پر جاری رہے اور بالکل نہ رکے تو اس کا نام رخوہ ہے جیسے طَشْ پر وقف کرنے کی صورت میں آواز جاری رہتی ہے کہ جتنا چاہیں کھینچ سکتے ہیں اور اگر آواز نہ پورے طریقہ پر بند ہو اور نہ جاری ہو تو اس کا نام توسط ہے جیسے ظِلُّ پر وقف کرنے کی صورت میں۔

﴿فائدہ﴾ علماء نے ان صفات کے تین فائدے لکھے ہیں۔

1 مشترک المخارج حروف میں امتیاز۔ علامہ ابن الجزری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہر وہ حرف جو دوسرے حرف کے مخرج میں شریک ہے تو ان میں امتیاز صفات ہی سے ہوگا اور جو حرف دوسرے حرف کی صفات میں شریک ہے تو ان میں امتیاز مخرج سے ہوگا۔ اور اگر یہ امتیاز کی صورت نہ ہوتی تو سننے میں حروف کی آوازیں ایک دوسرے کے ساتھ بالکل مشابہ ہو جائیں پس جیسے جانوروں کی آوازیں کہ صرف آواز ہوتی ہے اور کوئی معنی مفہوم نہیں ہوتے یہی حال انسانوں کی آوازوں کا ہوتا کہ نہ حرف میں امتیاز اور نہ کوئی معنی مفہوم ہوتے۔

2 دوسرا فائدہ یہ ہے کہ ان صفات سے قوی اور ضعیف حروف کی معرفت حاصل ہو جاتی ہے تاکہ اس کے ذریعہ سے یہ معلوم ہو سکے کہ حرف کا ادغام کس حرف میں صحیح ہے اور کس میں صحیح نہیں۔ کما سیاتی ان شاء اللہ۔

3 تیسرا فائدہ یہ ہے کہ صفات سے مختلف المخرج حروف کی ادائیگی میں تحسین اور خوبی پیدا ہوگی۔ اس بحث سے یہ معلوم ہوگیا کہ صفات کی معرفت میں کتنے فوائد پوشیدہ ہیں۔ فسبحان من جلّت فی کل شیء قدرته۔

منقول ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا ایک معتزلی سے مناظرہ ہوا (معتزلہ کا عقیدہ ہے کہ بندہ خود اپنے افعال کا خالق ہے) امام صاحب رحمہ اللہ نے معتزلی سے کہا کہ باء ادا کرو اس نے باء ادا کر دی۔ آپ نے فرمایا کہ حاء ادا کرو اس نے حاء بھی ادا کر دی۔ آپ نے فرمایا کہ دونوں کا مخرج بیان کرو اس نے دونوں کا مخرج بیان کر دیا (باء ہونٹ کی تری سے اور حاء وسط حلق سے) اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ اچھا اگر تو اپنے افعال کا خالق ہے تو باء کو حاء کے مخرج سے ادا کرو۔ معتزلی ہکا بکا رہ گیا اور ناکام واپس چلا گیا۔

4 : الصفة (۲) ما يدل على معنى فى موصوفه اما باعتبار محلّه وهى المحلّية كالحلقية والشفوية وغيرهما كما مرت فى المخارج او باعتبار ما يعرض له وهى العارضة كالتفخيم والادغام

والحرکة کما تأتي او باعتبار ذاته وهی الذاتیة اللازمة فاللازمة (۳
سبعة عشر نوعا

ت: صفت وہ ہے جو اپنے موصوف کے معنی پر دلالت کرے (یہ دلالت) یا ا
اس کے محل کے اعتبار سے ہوگی تو یہ صفت محلیہ ہے جیسے حلقیہ اور شفویہ وغیرہ جن کا بیان مخارج
کے ذیل میں گزر چکا۔ یا (یہ دلالت) اس حالت کے اعتبار سے ہے جو اسے عارض ہو تو یہ صفت
عارضہ کہلائے گی جیسے تفخیم و ادغام و حرکت وغیرہ (جس کا بیان آگے آئے گا) یا (یہ صفت کی
دلالت) اس کی ذات کے اعتبار سے ہوگی اور اس کا نام صفت ذاتیہ لازمہ ہے۔ پس صفت
ذاتیہ لازمہ کی سترہ قسمیں ہیں۔

ش: (۲) صفت کی جو تعریف صاحب کتاب نے کی یہی تعریف اکثر مصنفین
نے کی ہے یعنی صفت وہ حالت ہے جو اپنے موصوف کے معنی پر دلالت کرے دوسری تعریف
الصفة لفظ یضاف الی الموصوف لبیان حالته۔ ابن ضیاء رحمہ اللہ۔ اس کے بعد
یہ سمجھئے کہ صفت کی دو قسمیں ہیں۔

ایک تو یہ کہ اگر وہ صفت ادا نہ ہو تو وہ حرف ہی باقی نہ رہے ایسی صفت کو صفت ذاتیہ
لازمہ ممیزہ کہتے ہیں اسی قسم کو مصنف رحمہ اللہ آگے تفصیل کے موقع پر سب سے پہلے بیان کریں
گے اگرچہ یہاں سب سے آخر میں ہے۔

دوسری قسم یہ ہے کہ اگر وہ صفت ادا نہ ہو تو حرف اپنی حالت پر باقی رہے مگر اس کا
حسن و زینت فوت ہو جائے۔ ایسی صفت کو صفت عارضہ مزینہ اور محسنہ کہتے ہیں۔ ان دونوں
قسموں کا بیان تفصیل کے ساتھ آئے گا۔

صفت کی ایک قسم اور بھی ہے جس کو مصنفؒ نے تقسیم کے ذکر میں سب سے پہلے او
باعتبار محله سے ذکر کیا اس کو صفت محلیہ کہتے ہیں یعنی وہ صفت جو محل کے اعتبار سے ہو
جیسے حرف کا حلقی ہونا اس لئے کہ حلق سے ادا ہوتے ہیں اور شفوی ہونا اس لئے کہ ہونٹ سے
ادا ہوتے ہیں وغیرہ وغیرہ جن کا بیان پہلے ہی گزر چکا۔

(۳) صفت کی دو قسمیں لازمہ اور عارضہ بیان کرنے کے بعد صفت لازمہ کی تقسیم بیان کر رہے ہیں۔ صفت ذاتیہ لازمہ کی تعریف چونکہ واضح تھی اس لئے بیان نہیں فرمائی (اور ہم اس کی تعریف ماقبل میں کر چکے ہیں)

صاحب کتاب نے صفت ذاتیہ لازمہ کی سترہ قسمیں بیان کی ہیں۔

علماء کے صفات کی تعداد میں مختلف اقوال ہیں کسی نے چودہ کسی نے سولہ بیان کی ہیں چنانچہ برکوی رحمہ اللہ نے الدر الیتیم میں اذلاق واصمات نیز انحراف ولین کو حذف کر کے چودہ ہی بیان کی ہیں۔ صاحب فوائد مکیہ نے بھی یہی طرز اختیار فرمایا اور بعض حضرات نے سترہ سے بھی زیادہ چوالیس تک صفات بیان کی ہیں لیکن خیر الامور اور اعدل الاقوال سترہ کا قول ہے جو فن تجوید کے امام محمد بن الجزری رحمہ اللہ کا مختار ہے' اسی قول کو ہمارے مصنف نے اختیار فرمایا تو جس طرح مخارج سترہ ہیں صفات بھی سترہ ہیں۔

م : **عشرۃ متضادۃ وسبعۃ مفردۃ۔ (۴)**

ت : جن میں دس متضادہ اور سات مفردہ (غیر متضادہ) ہیں۔

ش : (۴) سترہ صفات میں سے دس متضادہ اور سات غیر متضادہ ہیں جن کے نام یہ ہیں۔ جہر و ہمس۔ شدت و رخوت۔ استعلاء و استفال۔ اطباق و انفتاح۔ اصمات و اذلاق۔ ان میں سے ہر پہلی دوسری کی ضد ہے چنانچہ جہر کی ضد ہمس اور شدت کی ضد رخوت (البتہ توسط کو اس میں سے کسی ایک میں داخل کرنا چاہیے اور رخوت میں داخل کرنا اولیٰ ہے) **وھکذا۔** اور سات صفات غیر متضادہ یہ ہیں قلقلہ' صفیر' انحراف' تکریر' استطالت' تفشی' لین۔ ان دس صفات متضادہ میں سے ہر حرف میں پانچ صفت کا اور غیر متضادہ میں سے کسی کسی میں ایک یا دو صفت کا ہونا ضروری ہے چنانچہ راء میں سات صفت ہیں اور باقی میں چھ چھ اور بعض حروف میں پانچ پانچ ہی ہیں۔

م : **فالمتضادۃ منھا الجھر (۵)۔**

ت : پس صفات متضادہ میں سے (پہلی صفت) جہر ہے۔

صفات متضادہ کا بیان

ش: (۵) اب ہر صفت کا مستقل بیان شروع ہوگا۔ ہم شرح اور ہر صفت کے مستقل بیان کی توضیح سے پہلے یہ مناسب سمجھتے ہیں کہ اول کی چار صفات جہر، ہمس، شدت و رخوت کو مجموعی طور پر واضح انداز میں بیان کر دیں تاکہ آئندہ عبارت یا مسئلہ پر جو بھی اشکال پیدا ہو وہ حل ہو جائے۔ یہ چار صفات کچھ ملی جلی ہیں اس لئے مجموعی طور پر ہی اس کا بیان مفید معلوم ہو رہا ہے۔ سب سے پہلے ہر ایک کی تعریف جامع انداز میں ملاحظہ فرمایئے۔ پھر یہ دیکھئے کہ ان صفات میں کون کون سے حروف پائے جا رہے ہیں۔

جهر: حرف کے ادا کرتے وقت آواز کا مخرج میں ایسی قوت کے ساتھ ٹھہرنا کہ اس کے اثر سے سانس بند ہو جائے۔

همس: حرف کے ادا کرتے وقت آواز کا مخرج میں ایسی نرمی کے ساتھ ٹھہرنا کہ اس کے اثر سے سانس جاری رہ سکے۔

شدت: حرف کے ادا کرتے وقت آواز کا مخرج میں ایسی سختی کے ساتھ ٹھہرنا کہ اس کے اثر سے خود آواز بند ہو جائے۔

رخوت: حرف کے ادا کرتے وقت آواز کا مخرج میں ایسی نرمی کے ساتھ ٹھہرنا کہ اس کے اثر سے آواز جاری رہ سکے۔

اول کی مثال مَجْدُوْدٌ۔ ثانی کی مثال مَبْثُوْثٌ. ثالث (شدت) کی مثال حَرِيْقٌ.
رابع (رخوت) کی مثال اَلنَّاسُ ہے۔

اوپر کی چار صفات میں سے دو صفت قوت کی اور دو صفت ضعف کی ہیں اور ہر حرف میں ان چار صفات میں سے دو صفت کا ہونا ضروری ہے۔ اس میں عام طور پر تو یہ ہوگا کہ ہمس کے ساتھ رخوت اور جہر کے ساتھ شدت ہو۔ البتہ بعض حروف ایسے بھی ہیں جس میں قوت وضعف کی دو متقابل صفات ہیں مثلاً جہر کے ساتھ رخوت والے آٹھ حروف ہیں اور ہمس کے ساتھ شدت والے حرف دو ہیں۔ ان دونوں صورتوں میں اشکال یہ ہے کہ نرمی کے

ساتھ قوت والی صفت کیسے جمع ہوگئی۔ بالفاظ دیگر یوں اشکال ہوا کہ ایک حرف میں ایسی دو صفت کیسے جمع ہوگئی کہ ایک میں جاری رہنے اور دوسرے میں بند ہونے کی قید ہے۔ اس کے جواب سے پہلے مذکورہ صفات کی طرف ایک نگاہ اور کرلیں اور یہ دیکھ لیں کہ ان میں کون سی قید ایسی ہے جو دوسرے سے مابہ الامتیاز بنی پھر جواب خود بخود مل جائے گا۔ سو غور کرنے پر معلوم ہوتا ہے کہ جہر اور ہمس میں سانس کے جاری اور بند ہونے کی قید ہے اور شدت و رخوت میں آواز کے جاری رہنے اور بند ہونے کی قید ہے اور یہ دونوں الگ الگ چیزیں ہیں۔ اب اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ہوسکتا ہے کہ سانس کے بند ہونے کے ساتھ آواز جاری رہے جیسے مجہورہ رخوہ والے حروف (الف ذال زاء وغیرہ) میں ہوا۔

اسی طرح یہ بھی ہوسکتا ہے کہ سانس کے جاری رہنے کے ساتھ آواز بند ہو جائے جیسا کہ مہموسہ شدیدہ والے حروف کاف اور تاء میں ہوا لیکن پہلی صورت پر اشکال یہ ہے کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ سانس بند ہو جائے اور آواز جاری رہے اس لئے کہ آواز تو بغیر سانس کے جاری نہیں رہ سکتی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ آپ ماقبل میں پڑھ چکے کہ اگر اندر سے خارج ہونے والی ہوا نہ سنائی دینے والی ہو تو وہ نفس اور سنائی دے تو وہ صوت کہلاتی ہے۔ اب یہ سمجھو کہ سانس کے بند ہونے کی دو صورتیں ہیں ایک تو یہ ہے کہ سرے سے سانس ختم ہو جائے اور دوسرے یہ کہ سانس آواز بن کر جاری ہو جائے اور سانس کی ذاتی حیثیت بالکل ختم ہو جائے اور اس کی صورت یہ ہوگی جب آواز کسی حرف کے مخرج پر ٹکتی ہے تو اس کی دو صورتیں ہیں یا قوت کے ساتھ رکے یا ضعف کے ساتھ۔ اگر قوت کے ساتھ رکتی ہے تو وہ سانس قوت اعتماد کی وجہ سے پوری آواز بن جائے گا پھر سانس گویا کالعدم ہوگیا۔ اب یہ کہنا صحیح ہے کہ جہر کی صفت کے ساتھ رخوت بھی ہے یعنی سانس تو بند ہوگیا اور پوری آواز جاری رہی۔ دوسری صورت ہمس کے ساتھ شدت کے جمع ہونے کا اشکال ہے اس کے جواب سے چونکہ مصنفؒ نے تعرض کیا اس لئے ہم سوال و جواب سے وہیں تعرض کریں گے ان شاء اللہ۔ اس طور پر سانس کے جاری اور بند ہونے کے اعتبار سے حروف کی پانچ قسمیں ہوں گی۔

(۱) وہ حروف جس میں سانس اور آواز دونوں جاری رہتے ہیں۔ یہ وہ حروف ہیں جن میں ہمس کے ساتھ رخوت بھی جمع ہوگئی۔ ایسے حروف آٹھ ہیں۔ فاء' حاء' ثاء' شین' خاء' صاد' سین اور ھاء۔

(۲) وہ حروف جن میں سانس اور آواز دونوں بند ہو جاتے ہیں۔ یہ وہ حروف ہیں' جن میں جہر اور شدت جمع ہیں۔ ایسے حروف چھ ہیں۔ ء۔ ج۔ د۔ ق۔ ط۔ ب۔

(۳) وہ حروف جن میں سانس تو بند ہو جاتا ہے مگر آواز جاری رہتی ہے۔ یہ وہ حروف ہیں جن میں جہر اور رخوت جمع ہیں ایسے آٹھ حروف ہیں۔ الف' ذ' ز' ض' ظ' غ' ؤ' ی۔

(۴) وہ حروف جن میں پہلے آواز بند ہو جاتی ہے اور بعد میں سانس جاری رہتا ہے ایسے دو حرف ہیں جس میں ہمس اور شدت ہے۔ ک' ت۔

(۵) وہ حروف جن میں سانس بند ہو جاتا ہے لیکن آواز نہ شدیدہ کی طرح فوراً بند ہوتی ہے اور نہ رخوت کی طرح پوری جاری رہتی ہے' ایسے حروف مجہورہ متوسطہ ہیں جو پانچ ہیں۔ ل' ن' ع' م' ر۔

صاحب نہایۃ قول المفید نے ان چار صفات کو دلیل حصر کے ساتھ اس طرح بیان کیا ہے کہ حرف کی آواز اور سانس یا تو بالکلیہ رک جائے یا بالکلیہ جاری رہے یا کچھ رکے اور کچھ جاری رہے۔ پہلی صورت شدت' دوسری صورت رخوت' تیسری صورت توسط ہے۔ پھر پہلی صورت میں اگر سانس جاری رہے تو یہ ہمس وشدت اور اگر سانس جاری نہیں تو شدت و جہر ہے۔ دوسری صورت میں (کہ آواز بالکلیہ جاری رہے) آواز جاری رہنے کے ساتھ تھوڑا سانس بھی جاری رہے تو رخوت اور جہر اور اگر سانس پورا جاری رہے تو رخوت اور ہمس ہوگا۔

م: وهو (٦) علو الصوت لا عتماده على المقطع بالقوة مع احتباس النفس وضده الهمس (٧) في فَحَثَّهُ شَخْصٌ سَكَتْ (٨)

ت: جہر کہتے ہیں (حرف کی ادائیگی کے وقت) آواز کا بلند ہو جانا مخرج پر قوت کے ساتھ رکنے کی وجہ سے سانس کے بند ہونے کے ساتھ اور اس کی ضد ہمس ہے جو دس

حروف فَحَثَّهُ شَخْصٌ سَكَتْ میں پائی جاتی ہے۔

ش: جہر: (۶) جہر لغت میں ظاہر کرنے اور زور سے پڑھنے کو کہتے ہیں۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے وَلَا تَجْهَرْ بِصَلٰوتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا۔ اصطلاح تجوید میں جہر اس صفت کو کہتے ہیں جس میں حرف کی ادائیگی کے وقت پوری قوت کے ساتھ مخرج پر ٹھہرنے کی وجہ سے سانس کا جاری ہونا بند ہو جائے اور آواز میں ایک قسم کی بلندی ہو۔

ھمس: (۷) جہر کا مقابل ہمس ہے جس کے لغوی معنی پست آواز کے آتے ہیں جیسے قرآن کریم میں ہے فَلَا تَسْمَعُ اِلَّا هَمْسًا۔ تجوید کی اصطلاح میں ہمس وہ صفت ہے جس میں حرف ادا کرتے وقت مخرج پر ضعف کے ساتھ ٹھہرنے کی وجہ سے سانس جاری رہ سکے اور آواز میں ایک قسم کی پستی ہو جیسے وَالصَّيْفْ کی فاء۔

(۸) فَحَثَّهُ شَخْصٌ سَكَتْ۔ یہ دس حروف کا مجموعہ ہے جن میں صفت ہمس پائی جاتی ہے۔ عام طور پر ایک قسم کے حروف کی صفات کو اس لئے جمع کیا جاتا ہے تاکہ اس کے یاد رکھنے میں آسانی ہو۔ ان جملوں سے کسی معنی اور مفہوم کا نکالنا نہ مقصود ہے اور نہ معنی سمجھنے کی ضرورت ہے اگرچہ بعض قراء اس قسم کے مجموعوں کے معانی عام طور پر بیان کرتے ہیں ہم بھی کہیں کہیں افادۃ للناظرین اس کے معانی بیان کریں گے۔ ایک بات قابل لحاظ یہ بھی ہے کہ ہمس کے حروف کو تو جمع کیا لیکن جہر کے حروف' جمع نہیں کیا گیا جب کہ وہ اول الذکر ہے! اس کی وجہ یہ ہے کہ جس صفت میں حروف کم ہیں اس کے جمع کرنے اور یاد کرنے میں آسانی ہے اور اس کے جمع کا اہتمام کیا باقی کو وضدہ سے مخاطب کی سمجھ پر چھوڑ دیا۔

۴: ومنها الشدة (۹) وهي قوة الصوت للاعتماد بالقوة مع احتباسه سواء انحبس معه النفس ام لا (۱۰) فلا تضاد بينها وبين الهمس

ت: انہی متضاد صفات میں سے شدت ہے اور وہ آواز کا قوی ہو جانا ہے آواز کے رک جانے کے ساتھ مخرج پر قوت کے ساتھ اعتماد کرنے کی وجہ سے۔ چاہے سانس اس کے ساتھ رکے یا نہ رکے۔ اس لیے شدت اور ہمس میں کوئی تعارض نہیں۔

ش : شدت: (۹) صفات متضادہ میں تیسری صفت شدت ہے' جس کی مقابل صفت رخاوت ہے۔ شدت کے معنی سختی کے ہیں۔ اس لفظ کا استعمال قرآن میں بہت ہے۔ وَاشْدُدْ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ۔ اَشِدَّآءُ عَلَی الْكُفَّارِ۔ وغیرہ وغیرہ۔ اصطلاح میں شدت کہتے ہیں کہ حرف ادا کرتے وقت مخرج پر پورے اعتماد کی وجہ سے حرف کی آواز کا جاری ہونا بند ہو جائے چاہے سانس جاری رہے یا بند ہو جائے۔ سانس کے بند ہو کر آواز کے بند ہونے کی مثال حروف قلقلہ اور ہمزہ میں ہو گی جیسے اِقْرَاْ کا ہمزہ اور سانس کے جاری رہ کر آواز کے بند ہونے کی مثال کاف اور تاء میں ہے جیسے لَا تُشْرِكْ کا کاف۔ اس صفت کو شدت اس لئے کہتے ہیں کہ حرف اپنے مخرج میں جا کر سخت ہو جاتا ہے اسی لئے آواز بند ہو جاتی ہے۔ حروف شدت آٹھ ہیں جو مجموعہ اَجِدُ قَطٍ بَكَتْ میں جمع ہیں۔ پھر ان حروف میں قوت اور ضعف کے اعتبار سے ترتیب رہے گی۔ جس حرف میں قوت کی جتنی زیادہ صفات ہوں گی اتنی ہی اس میں شدت ہو گی مثلاً طاء میں شدت زیادہ ہو گی اس لئے کہ اطباق' جہر' استعلاء' اصمات سب قوی صفات ہیں۔

(۱۰) سواء انحبس معه النفس ام لا۔ یہ شدت کی تعریف میں ایک قید خاص ہے جس سے اس اشکال کا دور کرنا مقصود ہے جو کاف اور تاء میں شدت کے ساتھ ہمس کے جمع ہونے پر ہوتا ہے۔ اشکال یہ ہے کہ ہمس سانس کے جاری ہونے کا نام ہے اور مستلزم ہے اس کو کہ آواز بھی جاری رہے اور شدت آواز کے بند ہو جانے کا نام ہے اور یہ صفت چاہتی ہے کہ سانس بھی بند ہو جائے تو ہمس و شدت میں تناقض ہے پھر یہ دونوں صفت کاف اور تاء میں کیسے جمع ہو گئی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ہمس کی وجہ سے جو نرمی اور ضعف پایا جاتا ہے وہ سانس میں اور شدت کی وجہ سے جو قوت پائی جاتی ہے وہ آواز میں' حروف شدیدہ میں مخرج میں قوت شدت کی وجہ سے دفعتہً آواز بند ہو جاتی ہے البتہ سانس اس کے بعد بھی (ہمس کی صفت کی وجہ سے) جاری رہ سکتا ہے اور ان میں کوئی تعارض نہیں۔ بقول نہایۃ القول المفید میں شدت آنی ہے اور ہمس زمانی۔ ابتداء میں شدت رہی اور انتہاء میں ہمس کی

صفت پیدا ہوئی۔ تناقض اور تعارض تو اس وقت ہوتا' جب ایک وقت میں دونوں پائے جائے۔ واللہ اعلم

م: واجتمعت به في التاء والكاف وهي توجد في أَجِدُ قَطٍ بَكَتْ (۱۱) ويضادها الرخوة (۱۲) وبينهما (۱۳) لِنْ عُمَرْ (۱۴)۔

ت: اور تاء اور کاف میں یہ دونوں صفت جمع ہوسکتی ہے۔ یہ صفت أَجِدُ قَطٍ بَكَتْ والے حروف میں ہے اس کی ضد رخوت ہے اور ان دونوں کے درمیان (ایک صفت توسط ہے جو) لِنْ عُمَرْ (میں پائی جاتی ہے)۔

ش: (۱۱) أَجِدُ قَطٍ بَكَتْ۔ حروف شدت کا مجموعہ ہے۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ کسی اہل عرب کی ایک محبوبہ تھی جس کا نام قَطْ تھا۔ ایک مرتبہ گھر میں اس کے رونے کی آواز پائی گئی تو عاشق نے یہ الفاظ کہے أَجِدُ قَطٍ بَكَتْ یعنی کیا بات ہے کہ قط محبوبہ کو روتا ہوا پا رہا ہوں۔

رخوت: (۱۲) رخوت کے لغوی معنی نرمی اور سہولت کے ہیں قرآن کریم میں ارشاد ہے: تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖ رُخَآءً حَيْثُ اَصَابْ۔ اصطلاح میں رخوت کہتے ہیں مخرج پر اعتماد ضعیف کی وجہ سے حرف کے ساتھ آواز کا جاری رہنا۔ رخوت کے سولہ حروف ہیں جو شدت اور توسط کے علاوہ ہیں۔

توسط: (۱۳) شدت اور رخوت کے درمیان میں ایک صفت اور ہے جس کا نام توسط ہے۔ توسط ایسی صفت کا نام ہے جس میں آواز نہ پورے طریقہ پر جاری رہے نہ پورے طریقہ پر بند ہو۔ ایسے پانچ حروف ہیں جن کا مجموعہ لِنْ عُمَرْ ہے بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ متوسط حروف آٹھ ہیں پانچ یہ اور تین حروف مدہ جس کا مجموعہ وَلِيْنَا عُمَرْ ہے۔ امام شاطبی رحمہ اللہ کی یہی رائے ہے۔ بہر حال ان حروف کو حروف متوسطہ اس لئے کہتے ہیں کہ آواز نہ شدت کی طرح پوری بند ہو جاتی ہے اور نہ رخوت کی طرح پوری جاری رہتی ہے بلکہ دونوں کے درمیان رہتی ہے جیسے قُلْ کا لام۔ ان صفات کا صحیح احساس اور فرق ماہر قاری کے بتلانے اور ادا

کرنے سے ہی ہو سکتا ہے۔ انہی متوسط حروف کو حروف بینیہ بھی کہتے ہیں اس لئے کہ دو صفت کے بین بین ہے ماقبل میں سانس و آواز کے جاری اور بند ہونے کے اعتبار سے حروف کی پانچ قسمیں بیان کی تھیں جس میں پانچویں قسم میں وہ حروف ہیں جن میں جہر کے ساتھ توسط جمع ہے اور ایسے حروف پانچ ہیں۔ ل' ن' ع' م' ر۔ یہاں بھی وہ اشکال ہو سکتا ہے جو جہر و رخوت کے جمع ہونے میں ہوا تھا کہ جہر میں سانس بند ہو جاتی ہے پھر توسط کی وجہ سے کچھ آواز کا جاری رہنا کیسے ممکن ہے۔ اس کا جواب وہی ہے جو ماقبل میں دیا گیا ملاحظہ فرما لیں۔

(۱۴) لِنْ عُمَرْ اصل میں لِنْ يَا عُمَرْ تھا۔ ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کچھ لوگوں کے ساتھ تیزی سے چلے جا رہے تھے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لِنْ يَا عُمَرْ! عمر! ساتھیوں کا خیال رکھو اور آہستہ آہستہ چلو۔

م: ومنها الاستعلاء (۱۵) وهو ارتفاع اقصى اللسان الى الحنك الاعلىٰ عند النطق وحروفه خُصَّ ضَغْطٍ قِظْ (۱۶) ويقابله الاستفال (۱۷)۔

ت: اور انہیں صفات میں سے استعلاء ہے اور وہ ادا کرتے وقت اقصائے لسان کا بلند ہونا ہے اوپر کے تالو کی طرف اور استعلاء کے حروف خُصَّ ضَغْطٍ قِظْ ہیں اور اس کے مقابل استفال ہے۔

ش:

استعلاء: (۱۵) صفات متضادہ میں پانچویں صفت استعلاء ہے۔ استعلاء کے لغوی معنی بلندی کے ہیں۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا۔ اصطلاح تجوید میں استعلاء وہ صفت ہے جس میں حرف کے ادا کرتے وقت اکثر حصہ زبان کا تالو کی طرف بلند ہوتا ہے۔ ایسے حروف سات ہیں جو خُصَّ ضَغْطٍ قِظْ میں جمع ہیں ان کو مستعلیہ اس لئے کہا جاتا ہے کہ ان حروف کے ادا کرتے وقت زبان اوپر کو اٹھ جاتی ہے۔ ان سات حروف میں ان حروف کا استعلاء کامل ہوگا جن میں صفت اطباق بھی ہے یعنی صادؔ

ضاذ طاء ظاء۔ اس موقع پر یہ بات بھی ذہن میں رہے جو علامہ مرعشی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اقصائے لسان کے اوپر اٹھنے کا نام استعلاء ہے۔ نفس استعلاء زبان مراد نہیں ورنہ تو جیم شین یاء میں بھی استعلاء ہوتا اس لئے کہ ان تین حروف کا تو مخرج ہی ہے وسط لسان اور اوپر کا تالو۔ اسی طرح کاف میں اقصائے لسان اور وسط لسان کا درمیانی حصہ لگتا ہے اس لئے اس میں بھی صفت استعلاء نہ ہوگی۔

﴿نوٹ﴾ یہ اشکال وجواب اطباق کی بحث میں بھی چل سکتا ہے۔

(۱۶) مستعلیہ کے حروف کو خُصَّ ضَغْطٍ قِظْ کے مجموعہ میں جمع کر کے ایک لطیف نصیحت کی طرف اشارہ کیا ہے خُصَّ لغت میں بانس اور گھاس پھوس کے مکان کو کہتے ہیں ضَغْطٍ کے معنی تنگی اور قِظْ قَاظَ سے امر ہے جس کے معنی قیام کرنے کے ہیں۔ معنی یہ ہوئے کہ گرمی کے موقع پر گھاس پھوس کے مکان میں قیام کرو جیسے غریب اور مسافر لوگ رہتے ہیں۔ اشارہ ہے کہ دنیا میں بھی اس قسم کے مکان میں قیام کرلو اس لئے کہ ایک دن دنیا سے جانا ہے۔ كن فی الدنيا كانك غريب۔

استفال: (۱۷) چھٹی صفت استفال ہے جس کے لغوی معنی نچلا اور پست ہونے کے ہیں چنانچہ قرآن میں اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ فِی الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ وارد ہوا ہے۔ اصطلاح میں استفال حرف کے ادا ہوتے وقت جڑ زبان کا تالو سے الگ رہنے کا نام ہے۔ حروف مستعلیہ کے علاوہ باقی حروف مستفلہ ہیں جو ایک شعر میں جمع ہیں ع

ثَبَتَ عِزُّ مَنْ يُجَوِّدُ حَرْفَهٗ اِذْ سَلَّ شَكَا

م: ومنها الاطباق (۱۸) وهو انطباق وسط اللسان بالحنك الاعلىٰ فی ص ض ط ظ (۱۹) ويقابله الانفتاح (۲۰) ومنها الاذلاق (۲۱) وهو سرعة النطق لذلق المخرج فی فَرَّمِنْ لُبِّ۔

ت: انہی صفات میں سے اطباق ہے اور وہ وسط لسان کا منطبق ہوجانا ہے اوپر کے تالو سے۔ (یہ صفت) صاد ضاد طاء ظاء میں ہے اس کا مقابل انفتاح ہے۔ انہی صفات

میں سے اذلاق ہے اور وہ حرف کا جلد ادا ہو جانا ہے مخرج کے کنارے ہونے کی وجہ سے۔ یہ صفت فَرَّمِنْ لُبِّ (کے چھ حروف) میں ہے۔

ش: طباق: (۱۸) اطباق کے لغوی معنی بند ہونے اور ملنے کے ہیں۔ قرآن کریم میں فرمان باری ہے لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ یعنی تمہیں ایک حالت کے بعد دوسری حالت سے بھی گزرنا ہوگا۔ اصطلاحی معنی مصنف بیان فرماتے ہیں کہ وسط لسان کا اوپر کے تالو سے پوری طرح لگ جانا جس کی وجہ سے حرف خوب پُر ہو کر ادا ہو۔ دوسری تعریف بقول قسطلانی رحمہ اللہ وجار بردی رحمہ اللہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ وسط اقصائے لسان کا اوپر کے تالو سے لگنا۔ اس لئے کہ جو حروف مطبقہ کے ہیں وہی تمام حروف استعلاء میں بھی داخل ہیں' گویا اطباق میں اکثر زبان اوپر کو اٹھ جاتی ہے۔

(۱۹) یہاں اطباق کے حروف کو جمع نہیں کیا گیا۔ اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ ان کا جمع ہو کر کسی معنی کا ادا ہونا مشکل ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ زبان پر اس کا ادا ہونا مشکل ہے۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ یہ چاروں حروف اصمات کے بھی ہیں اگر اس کی ترکیب کی جائے تو رباعی کلمہ بن جائے گا' حالانکہ کلام عرب میں صرف مصمتہ حروف سے رباعی یا خماسی کلمہ کی ترکیب نہیں ہوتی۔ کما سیأتی

انفتاح: (۲۰) اطباق کا مقابل انفتاح ہے۔ انفتاح کے لغوی معنی کھلنے اور الگ ہونے کے ہیں۔ باب فتح کا استعمال قرآن کریم میں بہت ہے۔ اصطلاح میں انفتاح وسط زبان کو اوپر کے تالو سے الگ رہنے کو کہتے ہیں۔ انفتاح کے ۲۵ حروف ہیں جس کو ایک جملہ میں کسی نے جمع کر دیا ہے۔ "من اخذ وجد سعة فز کا حق له شرب غيث"۔ مطلب یہ ہے کہ "جو آدمی وسعت مالی پائے اور اس کی زکوٰۃ ادا کر دے تو حق تعالیٰ اسے اپنی رحمت سے پلائیں گے" ان حروف کو منفتحہ اس لئے کہتے ہیں کہ زبان کا اوپر کے تالو سے کوئی تعلق نہیں رہتا اور ہوا ادائیگی حروف کے وقت دونوں کے درمیان سے آسانی سے نکلتی ہے۔ اس پر یہ اشکال ہوسکتا ہے کہ جیم بھی زبان کے اوپر کے تالو سے لگ کر ادا ہوتی ہے۔ نیز ادائیگی کے

وقت آواز اندر ہی رکتی ہوئی معلوم ہوتی ہے' تو اسے اطباق میں شمار کرنا چاہیے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حروف مطبقہ میں اکثر زبان تالو سے ملتی ہے بخلاف جیم' شین' یاء کے کہ اس میں بعض حصہ ملتا ہے۔

اذلاق: (۲۱) نویں صفت اذلاق ہے جس کے معنی پھسلنے' لغزش کھانے' کنارہ ہونے کے ہیں۔ اصطلاح میں اذلاق اس صفت کو کہتے ہیں جس میں حرف مخرج سے بہت جلد بسہولت تمام ادا ہو جائے۔ ایسے حروف چھ ہیں جن کا مجموعہ **فَرَّ مِنْ لُبِّ** ہے۔ یہ حروف اس طرح کیوں ادا ہوتے ہیں شراح اس کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ یہ حروف یا طرف لسان یا طرف شفت سے ادا ہوتے ہیں اور اذلاق ذلق سے ماخوذ ہے جس کے معنی بھی طرف کے ہیں اور ظاہر ہے کہ جو چیز کنارے ہوگی وہ بلا کسی سے مزاحمت کئے ہوئے جلد نکلے گی ایسے ہی یہ حروف کنارے ہونے کی وجہ سے جلد ادا ہوتے ہیں۔

م: ولما عداها الاصمات (۲۲) لمنع السرعة۔

ت: اس کے علاوہ اصمات ہے جلدی سے ادا نہ ہونے کی وجہ سے۔

ش: اصمات: (۲۲) دسویں اور صفات متضادہ میں آخری صفت اصمات ہے۔ اصمات باب افعال کا مصدر ہے۔ صمت کے معنی روکنے کے ہیں خاموشی کو بھی صمت کہتے ہیں اس لئے کہ خاموش رہنے والا اپنے کو کلام کرنے سے روک دیتا ہے۔ اصطلاح فن میں اصمات اذلاق کے مقابل ایسی صفت ہے جس میں حرف کی ادائیگی جلدی نہیں ہوتی گویا یہ حروف سرعت ادائیگی سے رکے ہوئے ہیں اس لئے اصمات کہتے ہیں یا پھر اس وجہ سے اصمات کہتے ہیں کہ صرف مصمتہ حروف سے کلام عرب میں خالص رباعی یا خماسی کلمہ نہیں بنتا یعنی ایسا کلمہ جس میں مادہ کے چار یا پانچ حرف ہوں اور وہ سارے حروف اصمات کے ہوں اذلاق کا اس میں ایک حرف بھی نہ ہو ایسا نہیں ہوتا یہی مطلب ہے مصنف کی عبارت **ولذالك منع تركيب اصول الرباعية والخماسية بخالصهما في العرب** کا۔

م: ولذالك منع تركيب اصول الرباعية والخماسية

بخالصهما فی العرب فعسجد وعسطوس عجمیان (۲۳) تلك عشرة كاملة والمفردة (۲۴)

ت: اسی وجہ سے ممنوع ہے خالص رباعی اور خماسی کے اصول کی ترکیب کلام عرب میں (حروف مصمتہ سے) پس عَسْجَدٌ اور عَسْطُوْسَ عجمی ہیں۔ یہ پورے دس ہوگئے۔ اور صفات مفردہ (غیر متضادہ میں)

ش: (۲۳) مذکورہ تقریر پر یہ اشکال ہوسکتا ہے کہ آپ کہتے ہیں کہ چار اور پانچ حرفی کلمہ کی بنیاد مصمتہ حروف سے نہیں ہوسکتی حالانکہ ہم آپ کو ایسی مثالیں دکھلاتے ہیں جس میں حروف مصمتہ سے ترکیب ہوئی اور وہ ہے عَسْجَدٌ (بروزن مرکز) اور عَسْطُوْسٌ (بروزن عصفور) پہلی مثال میں چار حرفی دوسری مثال میں پانچ حرفی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ عربی کلمات نہیں بلکہ عجمی کلمات ہیں۔ عربی کلام میں ایسا نہیں ہوگا کہ صرف مصمتہ حروف سے ترکیب کی بناء ہو۔ **فاندفع الاشكال**۔ عَسْجَدٌ کے معنی سونا جواہرات موتی وغیرہ کے ہیں۔ عَسْطُوْسٌ کے معنی مجھے اب تک نہیں مل سکے۔ واللہ اعلم صفات متضادہ کا بیان پورا ہوا۔

صفات غیر متضادہ:

(۲۴) صفات متضادہ سے فارغ ہو کر اب صفات غیر متضادہ کو شروع کر رہے ہیں۔ مصنف اور تمام مصنفین کتب نے صفات متضادہ کو مقدم کیا اس لئے کہ ان میں سے پانچ صفت تو ہر حرف میں ہونا ضروری ہے اور غیر متضادہ صفات کسی حرف میں ہوتی ہے اور کسی حرف میں نہیں ہوتی اس لئے اسے مؤخر کیا۔ قاعدہ ہے کہ جس کی ضرورت ہر ایک کو ہوتی ہے وہ لائق تقدیم ہی ہوتی ہے۔ مصنف نے صفات غیر متضادہ کو مفردہ سے تعبیر کیا اس لئے کہ اس کی ضد نہیں آتی اور یہ اکیلے ہی ہوتی ہیں۔ اس پر یہ اشکال کہ ضد تو ہر ایک کی ہوتی ہے تو اس کی بھی ہونی چاہیے۔ اس کا جواب خود کتاب میں آئندہ آپ ملاحظہ فرمائیں گے۔

م: **منها الصفير (۲۵) للصاد والسين والزاء وهو صوت فيها**

یشبه صفیر الطائر ومنها اللین (۲۶) للوا و والیاء اذا سکنا وانفتح ما قبلھما وھو الخروج بسھولۃ۔

ت: صفیر ہے صاد سین زاء کے لیے اور وہ ایک آواز ہوتی ہے اس میں جو پرندہ کی آواز کے مشابہ ہوتی ہے انہی صفات میں سے لین ہے واؤ اور یاء کے لیے جب کہ ساکن ماقبل مفتوح ہو اور لین نام ہے سہولت سے ادا ہونے کا!

ش:

صفیر: (۲۵) صفات غیر متضادہ سات ہیں ان میں سے مصنف رحمہ اللہ نے صفیر کو مقدم کیا۔ یہی طرز صاحب مقدمہ جزریہ کا اختیار کردہ ہے۔ صفیر باب ضرب سے صفیراً مصدر ہے جس کے معنی سیٹی بجانا ہے۔ یہاں پر صفیر سے مراد جانوروں کی وہ آواز ہے جو سیٹی کے مشابہ ہے۔ ان تین حروف کی ادائیگی کے وقت بھی جانوروں کی سی آواز ہوتی ہے چنانچہ صاد میں مرغابی کی اور زاء میں شہد کی مکھی کی اور سین میں ٹڈی کی سی آواز پائی جاتی ہے۔ ان تینوں حرف میں صفیر کی وجہ سے قوت آ گئی ہے۔ پھر ان میں سب سے زیادہ قوی صاد ہے اطباق واستعلاء کی بنا پر اس سے کم زا ہے اس لئے کہ اس میں جہر ہے اس سے کم سین ہے اس لئے کہ اس میں صفت ہمس ہے۔ لہٰذا صفیر سب سے کم ادا ہوگی سین میں۔

﴿یہاں شارح موصوف سے مراتب صفیر میں تسامح ہوا سب سے زیادہ صفیر سین میں پھر صاد اور پھر زاء میں پائی جاتی ہے مزید تفصیل کے لیے دیکھو الجواہر النقیہ شرح المقدمۃ الجزریہ ص ۵۸۔ قاری نجم الصبیح التھانوی﴾

لین: (۲۶) بارہویں صفت لین ہے۔ لین کے معنی نرمی کے ہیں۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے وَاَلَنَّا لَهُ الْحَدِيْدَ۔ یہاں بھی نرمی کے معنی مراد ہیں۔ صفت لین دو حرف میں پائی جاتی ہے واؤ اور یاء جب کہ ساکن ہو اور دونوں کا ماقبل مفتوح ہو اس صورت میں ان کی ادائیگی طبعاً نرمی اور سہولت سے ہونی چاہیے جیسے وَالصَّيْفُ۔ مِنْ خَوْفٌ۔ اسی صفت لین کی وجہ سے ان دو حرفوں کو (مذکورہ کیفیت کے ساتھ) حروف لینیہ بھی کہتے ہیں۔

م: ومنها الانحراف (۲۷) للام والراء وھو میل یوجد بعد خروج الحرف فاللام یمیل الی طرف اللسان والراء الیٰ ظھرہ ولذالك ینقلب احدھما عن الآخر عند الاداء من بعض الصبیان ومنھا التفشی (۲۸) للشین وفاقا (۲۹) وھو انتشار الریح فی الفم عند النطق بالحرف۔

ت: انہی صفات میں سے انحراف ہے لام اور راء کے لیے اور یہ ایک میلان ہے جو حرف کے ادا ہونے کے بعد پایا جاتا ہے چنانچہ لام طرف لسان کی طرف اور راء پشت لسان کی طرف مائل ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے بدل جاتے ہیں یہ دونوں حرف ایک دوسرے سے بعض بچوں سے ادائیگی کے وقت۔ اور انہی صفات میں سے تفشی ہے جو بالاتفاق شین کے لیے ہے اور وہ ہوا کا پھیل جانا ہے منہ میں حرف کے ادا کرتے وقت!

ش: انحراف: (۲۷) تیرہویں صفت انحراف ہے۔ انحراف کے لغوی معنی مڑنے اور اپنی جگہ سے ہٹنے کے ہیں۔ قرآن کریم میں **يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ** باب تفعیل سے اسی معنی بدلنے اور اپنی جگہ سے ہٹانے کے ہیں۔ اصطلاح تجوید میں انحراف نام ہے حرف کے ادا ہونے کے بعد طرف لسان یا ظہر لسان کی طرف کچھ مائل ہونے کا۔ یہ صفت دو حرفوں میں پائی جاتی ہے۔ لام، راء یہ دونوں حرف ادائیگی کے وقت اپنے مخرج سے ہٹ کر قریب والے حرف کے مخرج کی طرف مائل ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ لام میں طرف لسان کے کونہ کی طرف اور راء میں زبان کی پشت اور کچھ لام کے مخرج کی طرف میلان پایا جاتا ہے۔ اسی لئے جس کی زبان میں کچھ ہکلا پن اور نقص وغیرہ ہو وہ لام کو راء اور راء کو لام پڑھ جاتا ہے۔ بچوں میں بھی یہ غلطی عام طور پر پائی جاتی ہے۔

تفشی: (۲۸) چودہویں صفت تفشی ہے۔ تفشی باب تفعل کا مصدر ہے جس کے معنی ظاہر ہونا، پھیلنا، وسیع ہونا وغیرہ ہے۔ یہاں پر تفشی سے مراد منہ یعنی زبان اور تالو کے درمیان ہوا کا پھیل جانا ہے حرف تفشی کے ادا کرتے وقت یہ صفت شین میں پائی جاتی ہے چنانچہ جب

حرف شین کو ادا کیا جائے تو اس کی آواز اور ہوا میں پھیلاؤ بداہتہً معلوم ہوگا۔

(۲۹) یعنی تفشی کا شین میں پایا جانا اتفاقی ہے۔ مصنفؒ کے یہاں وفاقاً کہنے سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اس میں کچھ اختلاف بھی ہوگا۔ اس لئے ہم اس سلسلہ کا کچھ اختلاف ہدیہ ناظرین کر رہے ہیں۔ بعض علماء کا یہ خیال ہے کہ یہ صفت جس طرح شین میں ہے اسی طرح ثاء میں بھی ہے اور بعض کا قول یہ ہے کہ ثاء کے ساتھ فاء میں بھی یہ صفت پائی جاتی ہے۔ اس لئے ثاء کی جگہ فاء بولنا صحیح ہے جیسے جَدَثْ اور جَدَفْ اور بعض علماء نے ضاد کے متعلق بھی یہ خیال ظاہر فرمایا ہے اور بھی اقوال ہیں۔

جن حضرات نے شین کے علاوہ اور حروف میں تفشی کو ذکر کیا انہوں نے مذکورہ حروف میں نفس تفشی کو پا کر فیصلہ کیا ہے لیکن محقق قول یہ ہے کہ تفشی کی صفت صرف شین میں پائی جاتی ہے اس لئے کہ کامل طور پر یہ صفت اسی حرف میں ظاہر ہوتی ہے مصنفؒ کا رجحان بھی اسی طرف معلوم ہوتا ہے۔ واللہ اعلم

م: ومنها الاستطالة (۳۰) للضاد المعجمه وهی امتداد الصوت تدریجًا من مخرجه الیٰ اٰخر الحافة۔

ت: اور انہی صفات میں استطالت ہے ضاد معجمہ میں اور وہ نام ہے آواز کے آہستہ آہستہ بڑھنے کا اس کے مخرج سے حافۂ لسان کے آخر تک۔

ش:

استطالت: (۳۰) پندرہویں صفت استطالت ہے۔ استطالت باب استفعال کا مصدر ہے جس کے معنی درازی چاہنے لمبا کرنے کے ہیں۔ استطالت سے یہاں پر مراد آواز کا اپنے پورے مخرج میں دراز ہونا ہے۔ یہ صفت ضاد میں پائی جاتی ہے اس لئے کہ ضاد کا مخرج اوسع المخارج ہے جیسا کہ معلوم ہو چکا۔ یہ صفت اس طرح ادا کی جائے کہ ضاد میں آواز کو اتنا لمبا کیا جائے کہ ابتداء حافہ سے آخر حافہ تک کھنچتی چلی جائے۔

اگر ضاد میں اس صفت کا خاص لحاظ کیا جائے تب ہی جا کر ظاء سے امتیاز ہو سکتا ہے

ورنہ تو ضاد اور ظاء استطالت کے علاوہ تمام صفات میں مشترک ہیں اور استطالت کا اس کے علاوہ اور کوئی مطلب نہیں کہ اس کا مخرج جتنا وسیع ہے اس پورے مخرج میں آواز لمبی ہو اسی ذیل میں بطور تنبیہ یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ ایک استطالت ضاد میں ہے کہ آواز لمبی اور دراز ہو۔ یہی درازی کے معنی حرف مد میں بھی پائے جاتے ہیں لیکن دونوں میں فرق یہ ہے کہ حرف مد میں درازی ذات حرف میں ہوتی ہے اور ضاد میں درازی اس کے مخرج کے اعتبار سے ہوتی ہے۔ حروف مدہ کا کوئی مخرج نہیں ہوتا بس ہوا میں جتنا دراز کرنا چاہو کر سکتے ہو اس لئے اس میں طول توسط قصر ہوتا ہے اور یہاں پر درازی مخرج کی حد تک ہی ہو سکتی ہے۔

﴿فائدہ﴾ ضاد کو ادا کرنے کی صحیح ترکیب یہ ہے کہ نوک زبان کو ظاء اور دال کے مخرج سے الگ رکھ کر حافہ لسان کو ڈاڑھوں سے لگاتے ہوئے استطالت کی صفت ادا کریں نیز ضاد میں اطباق و استعلاء کی بناء پر وسط لسان کو تالو سے منطبق رکھیں۔ واللہ الموفق للصواب۔

م: ومنها القلقلة (۳۱) بِقُطْبِ جَدٍّ۔ لكنها للقاف احق۔

ت: انہی صفات میں سے قلقلہ ہے جو قُطْبُ جَدٍّ (کے حروف) میں ہے لیکن یہ قاف کے لیے زیادہ لازم ہے۔

ش: قلقلہ: (۳۱) قلقلہ سولہویں صفت ہے۔ مصنفؒ نے قلقلہ کی صفت کو کافی مؤخر کیا جب کہ عام مصنفین اس کو صفیر کے بعد بیان کرتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں مقصود مسائل کو بیان کرنا اور جمع کرنا ہے ترتیب ملحوظ نہیں۔ قلقلہ رباعی مجرد کا مصدر ہے جس کے معنی بے چین ہونے مضطرب ہونے حرکت کرنے کے آتے ہیں۔ فن تجوید میں قلقلہ حرف یا مخرج کے حرکت دینے کو کہتے ہیں۔ یہ حرکت کیوں دی جاتی اور ایسی متحرک آواز کیسے پیدا ہوتی ہے؟

اس کا جواب مصنف رحمہ اللہ کے الفاظ میں **يحدث لا نفكاك دفعي بعد التصاق محكم** سے دیا گیا۔ طبعی قاعدہ ہے کہ جب کوئی وزنی یا مضبوط چیز کسی سخت چیز پر پڑتی ہے تو ایک مرتبہ گرنے کے بعد کچھ اوپر کو اٹھ کر دوبارہ گرتی ہے۔ یہاں پر بھی یہی

بات ہے۔حروف قلقلہ قاف۔طاء' باء' جیم' دال میں جہر اور شدت دونوں ہیں جس کا تقاضا یہ ہے کہ ان حروف کی ادائیگی کے وقت آواز اور سانس دونوں مخرج میں جا کر منحصر ہو جائیں اور پھر چونکہ اس کے بعد دوسرے حرف کو بھی ادا کرنا ہوتا ہے یا یوں کہو کہ زبان مخرج پر جا کر پھر وہاں سے لازماً ہٹے گی اور یہ ہٹنا (چاہے دوسرے حرف کی ادائیگی کے لئے ہو یا نہ ہو) ایک دم ہوگا اس لئے لامحالہ ایسی آواز کا پیدا ہونا ضروری ہے جو نفس حرف سے زائد اسی حرف کے مناسب متحرک ہو اور اسی کا نام قلقلہ ہے۔

م: كما لغيره حق وهي صوت يحدث لانفكاك دفعي بعد التصاق محكم يجب (٣٢) بيانها في السكون كما هي ابين في الوقف ومنها التكرير (٣٣) للراء وهو تعثر اللسان في مخرجه بعد لا يورث اخرى واضداد المفردة(٣٤)

ت: جیسے اور حروف کے لیے لازم ہے اور وہ قلقلہ ایسی آواز ہے جو پیدا ہوتی ہے (دوبارہ مخرج سے) مضبوطی سے' التصاق کے بعد فوری جدائیگی سے' ضروری ہے اس کا ظاہر کرنا سکون میں جیسا کہ حالت وقف میں اور زیادہ ظاہر ہوگی اور انہی صفات مفردہ میں تکریر ہے اور وہ زبان کا لغزش کھا جانا ہے اپنے مخرج میں اس طرح کہ دوسری راء نہ پیدا ہو جائے اور صفات مفردہ (غیر متضادہ) کی ضد۔

ش: (٣٢) قلقلہ ان پانچ حروف میں ہر موقع پر ہوگا چاہے یہ کسی حالت میں ہو البتہ جب ان حروف پر سکون ہو اس وقت قلقلہ زیادہ ظاہر ہوتا ہے۔ بہ نسبت اس کے کہ متحرک ہو اور اگر وہ حرف ساکن حرف موقوف علیہ بھی ہو تو اور زیادہ قلقلہ کا اظہار کرنا ضروری ہے گویا قلقلہ کے تین درجے ہوئے۔ [١] سب سے زیادہ قلقلہ موقوف علیہ ساکن میں جیسے مِنْ عَلَقْ۔ [٢] ساکن میں جیسے خَلَقْنَا۔ [٣] متحرک میں جیسے وَقَبْ کا قاف۔

اسی طرح حروف قلقلہ میں بعض حضرات کے نزدیک ترتیب یہ ہے کہ سب سے اعلیٰ قلقلہ طاء میں اس سے کم قاف میں اور اس سے کم بقیہ تین میں ہوگا لیکن حق یہ ہے کہ یہ

نسبت قاف کے حروف طُبْ جِدٌ میں قلقلہ کم ہوتا ہے جیسا کہ صاحب الرعایہ اور نہایۃ القول المفید کی عبارت سے ظاہر ہوتا ہے اور قراء کا عمل بھی اسی پر ہے متن کتاب میں بھی یہی تحقیق ہے۔ واللہ اعلم

﴿تنبیہ﴾ قلقلہ کا مدار اظہار پر ہے اس لئے کم سے کم قلقلہ وہ ہوگا کہ سامنے والا سن لے۔ صرف اپنے آپ کو سنانے سے قلقلہ ادا نہیں ہوگا۔

تکریر: (۳۳) سترہویں اور آخری صفت تکریر ہے۔ تکریر باب تفعیل کا مصدر ہے جس کے معنی بار بار کرنے کے ہیں۔ یہاں پر تکریر کے معنی یہ ہیں کہ راء میں ایسی کیفیت موجود ہے کہ اس میں تکرار ہوسکتی ہے اور ایک راء کے بجائے کئی راء ادا ہوسکتی ہے۔ **وهو تعثر اللسان في مخرجه** یعنی طرف زبان میں ارتعاش اور کانپنے کی صلاحیت ہے۔ تکریر کا یہ مطلب ہرگز نہ سمجھا جائے کہ راء میں صفت تکریر ادا کی جائے۔ علماء نے صراحۃً لکھا ہے کہ تکریر کی صفت کو اس لئے بیان کیا جاتا ہے۔ تاکہ لوگ اس سے احتراز کریں جیسے سحر کا علم اس لئے سیکھا جائے تاکہ اس سے بچا جائے۔ ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **ومعنى قولهم ان الراء مكرر هو ان الراء له قبول التكرار لارتعاد طرف اللسان به عند التلفظ (الى اخر ما قال) بل تكريره لحن فيجب معرفة التحفظ عنه للتحفظ به وهذا كمعرفة السحر ليجتنب عن تضرره۔ (المنح الفكرية شرح متن الجزريه ص ۱۸)**

صاحب نہایۃ القول المفید فرماتے ہیں: **ومعنى وصفه بالتكرير كونه قابلا له فيجب التحرز عنه لان الغرض من هذه الصفة تركها۔ (ص ۵۷)**

تنویر المرآءت شرح ضیاء القرآءت میں مولانا قاری محبّ الدین صاحب الٰہ آبادی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "چونکہ راء میں قوت مکرر ہونے کی ہے اس وجہ سے جب تکریر زیادہ ہو جاتی ہے تو بجائے ایک راء کے کئی راء ادا کریں اور نفس تکرار سے احتراز کریں تاکہ بجائے ایک راء کے کئی راء نہ ہونے پائیں۔" بہرحال راء میں قوت تکریر ہے لیکن تکرار مقصود نہیں اس لئے اس

سے پرہیز کرنا چاہیے اور اسی لئے تاکہ لوگ اس سے اجتناب کریں اس کا ذکر کیا جاتا ہے۔

اور میرا خیال یہ ہے کہ اسی وجہ سے مصنفؒ نے عام مصنفین کے طرز کو چھوڑ کر اس صفت تکریر کو سب سے آخر میں بیان کیا اس لئے کہ تمام صفات وجودی اور فعلی ہیں اور یہ صفت عدمی اور ترک کے قبیل سے ہے۔ والعلم عند اللہ

﴿فائدہ﴾ تکرار حقیقی سے بچنے کا طریقہ علماء مجودین نے یہ بیان کیا کہ قاری کو چاہیے کہ راء کے ادا کرتے وقت سرا زبان کو تالو کے ساتھ ایک بار مضبوطی سے اس طرح چمٹائے کہ لرزنے نہ پائے۔ الحمد للہ صفات کا بیان ختم ہوا۔ اب اگلی عبارات میں صفات کا مقام اور درجہ اور ان کی اہمیت اور ضرورت پر کلام کریں گے۔

(۳۴) یہاں سے مصنفؒ اس اشکال کا جواب دینا چاہتے ہیں جس کا ہم اجمالاً ماقبل میں ذکر کر چکے۔ وہ اشکال یہ ہے کہ جس طرح پہلی دس صفات میں پانچ پانچ ایک دوسرے کی مقابل اور ضد ہیں تو یہاں پر ان کی ضد کیوں نہیں ہوسکتی مثلاً صفیر کی ضد عدم صفیر قلقلہ کی ضد عدم قلقلہ ہو جائے اس کا جواب یہ ہے کہ ویسے تو ہر صفت کی ضد بنا سکتے ہیں لیکن چونکہ اس کی کوئی خاص ضرورت نہیں اس لئے بیان نہیں کیا۔

اولاً تو مجموعی طور پر صفات غیر متضادہ ہر حرف میں پائی نہیں جاتی سولہ حرف میں ہے اور باقی میں مفقود پھر انفرادی طور پر یہ صفت کہیں تو ایک حرف میں اور کہیں دو تین حرفوں میں پائی جاتی ہے اس لئے اضداد کو ترک کر دیا۔

﴿شارحِ موصوف نے یہاں صفات لازمہ غیر متضادہ کے اضداد نہ ہونے کی کوئی واضح توجیہ بیان نہیں کی ہے۔ دراصل نام نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ عدم صفیر یا عدم قلقلہ وغیرہ کوئی مفہوم وجودی نہیں بلکہ سلبی ہے اور اشیاء کی تعریفیں حقائق ثابتہ اور نفس الامری مفہوم کے مقابلہ میں ہوتی ہیں اسی لیے عدم صفیر یا عدم قلقلہ وغیرہ کو صفت نہیں مانا گیا اور نہ ہی کوئی نام تجویز کیا گیا۔ ایسا کرنا شان علمی کے منافی ہے۔ قاری نَجمُ الصَّبیحِ التّھانوِی﴾

۴ : وان تتعقل (۳۵) بالسلب لکن لم تسمّ باسم لعدم

الحاجة الى بحثها ولكل حرف (۳۶) خمسة من العشرة۔ وخمستها قوية (۳۷) الجهر والشدة والاستعلاء والاطباق والاصمات واضدادها ضعيفة۔ والمفردة كلها قوية الا اللين(۳۸)۔

ت: اگرچہ سلب سے سمجھ میں آتی ہے لیکن اس کا کوئی نام نہیں رکھا گیا اس لیے کہ اس کی بحث کی ضرورت نہیں اور ہر حرف کے لیے پانچ صفت کا ہونا ضروری ہے (پہلی) دس صفات میں سے اور ان دس میں سے پانچ قوی ہیں۔ جہر۔ شدت۔ استعلاء۔ اطباق۔ اصمات اور اس کی ضد ضعیف ہیں۔ اور صفات غیر متضادہ سب قوی ہیں سوائے صفت لین کے۔

ش: (۳۵) تَتَعَقَّلُ۔ خلاصۃ البیان کے جدید مطبوعہ نسخوں میں تَنْعَقِلُ تاء اور نون سے ہے مگر یہ غلط ہے صحیح تَتَعَقَّلُ بالتائین ہے۔ باب تفعل سے مضارع واحد مؤنث غائب کا صیغہ ہے جس کے معنی سمجھ میں آنا ہے۔

(۳۶) یہاں سے یہ قاعدہ بیان کر رہے ہیں کہ صفات متضادہ میں سے ہر حرف میں پانچ صفات کا ہونا ضروری ہے کوئی حرف بھی پانچ صفات سے خالی نہیں ہوسکتا ہے ہاں صفات غیر متضادہ کی وجہ سے پانچ سے زیادہ کسی کسی حرف میں ہوسکتی ہیں۔

(۳۷) ان دس صفات میں پانچ صفات قوی اور پانچ ضعیف ہیں۔ قوی صفات جہرٗ شدتٗ استعلاءٗ اطباقٗ اصمات ہیں۔ اور اس کے بالمقابل پانچ ضعیف ہیں۔ ہمسٗ رخوتٗ استفالٗ انفتاحٗ اذلاق۔ یہی تقسیم عام طور پر قراء و مجودین کرتے ہیں۔ صاحب نہایۃ القول المفید فرماتے ہیں کہ شرح ابن غازی میں ان صفات کی تقسیم تین طرح پر کی ہے۔ قوی ضعیف۔ متوسط جس میں اصمات اور اذلاق کو متوسط اور بقیہ کو اوپر کی ترتیب کے مطابق شمار کیا ہے۔

(۳۸) صفات مفردہ میں سب صفات قوی ہیں البتہ لین ضعیف صفات میں ہے گویا سترہ میں سے ۱۱ صفات قوت کی اور ۶ صفات ضعف کی ہیں۔ وبعضها فوق بعض۔

م: فان اجتمع (۳۹) فی حرف جميع القوية فهو الاقوى وان اجتمع الضعيفة فهو الاضعف والافهو المتوسط والقوة والضعف

متفاوتان کما قیل: (۴۰)

اقوی الحروف الطاء و ضاد معجمۃ — والظاء ثم القاف وھی الخاتمۃ
قویھا جیم ودال ثم راء — صاد وزای ثم غین قررا
واوسط ھمزہ وبا تاء الف — خاء وذال عین وکاف ثم قف
واضعف الحروف ثاء حاء — والنون والمیم وفاء ھاء
ضعیفھا سین وشین لام — والواو والیاء ھی الختام

ت: پس اگر کسی حرف میں تمام قوی صفات جمع ہو جائیں تو وہ اقوی کہلائے گا اور اگر ساری صفات ضعیفہ جمع ہو جائیں تو وہ حرف اضعف کہلائے گا ورنہ تو وہ حرف متوسط ہے۔ پھر اس میں قوت وضعف کا بھی فرق رہے گا۔ کما قیل

حروف میں سب سے زیادہ قوی طاء ضاد ظاء قاف ہیں۔ قوی حروف جیم' دال' راء صاد' زاء غین ہیں۔ متوسط حروف ہمزہ' باء' تاء' الف خاء' ذال' عین' کاف ہیں اضعف حروف ثاء' حاء' نون' میم' فاء اور ھاء ہیں۔ ضعیف حروف سین' شین' لام' واو اور یاء ہیں۔ (یہ آخری کلام ہے)

ش: (۳۹) اب حرف کی تقسیم باعتبار قوت وضعف کے فرمائیں گے۔ اس سے پہلے ایک قاعدہ کلیہ بیان کر دیا کہ اگر ایک حرف میں تمام قوی حروف جمع ہو جائیں تو وہ حرف اقوی کہلائے گا اور اگر ساری صفات ضعیفہ جمع ہو جائیں تو حرف اضعف کہلائے گا اور اگر دونوں قسم کی صفات برابر ہوں تو متوسط کہلائے گا پھر قوت وضعف کے اعتبار سے بھی دو قسمیں ہیں اگر ساری صفات قوت کی تو اقوی اور اکثر صفات قوت کی اور کچھ صفات ضعف کی ہیں تو قوی ہے اسی طرح ضعف میں اگر ساری صفات ضعیفہ جمع ہو جائیں تو اضعف اور اگر اکثر صفات ضعف کی اور ایک دو صفت قوت کی بھی ہے تو ضعیف کہلائے گا۔ اس طرح پر حرف کی قوت اور ضعف کے اعتبار سے پانچ قسمیں ہوگئی۔ اقوی قوی' متوسط' ضعیف' اضعف۔

(۴۰) مذکورہ اشعار میں حروف کی ان پانچ قسموں پر تقسیم بتلائی گئی ہے۔ خلاصۃ البیان

کے قدیم و جدید نسخوں میں ان اشعار کے ضبط میں کافی فرق ہے لیکن اوپر والی ترتیب نہایۃ القول المفید کے مصری نسخہ سے لی گئی ہے اور مصری نسخوں پر صحت کے اعتبار سے اعتماد ہو سکتا ہے۔ اب خلاصۃ البیان کا جو نسخہ اس کے موافق ہوا سے صحیح سمجھا جائے ایک نظر میں پھر یہ تقسیم ملاحظہ ہو۔ اقویٰ حروف چار ہیں۔ طاء' ضاد' ظاء' قاف' قوی حروف چھ ہیں جیم' دال' راء' صاد' زاء' غین۔ متوسط حروف آٹھ ہیں۔ ہمزہ' باء' تاء' الف' خاء' ذال' عین' کاف۔ ضعیف حروف پانچ ہیں۔ سین' شین' لام' واؤ' یاء۔ اضعف حروف چھ ہیں ثاء' حاء' نون' میم' فاء' ہاء۔ اس طرح یہ انتیس حروف پورے ہو گئے۔ ان میں جن حروف کو جس قسم میں رکھا گیا ان میں اکثر تو اپنی جگہ درست ہیں البتہ بعض میں کچھ اشکال اور بعض حروف میں بہت زیادہ اشکال ہے۔ قوی حروف میں صاد' جیم' دال' غین میں تو کوئی اشکال نہیں البتہ دو حرف را' اور زا میں اشکال ہے۔ راء میں تو اشکال یہ ہے کہ اس میں سات صفات ہیں۔ جہر' توسط' استفال' انفتاح' اذلاق' انحراف' تکریر ان سات میں جہر انحراف تکریر تین قوی صفات ہیں اور باقی چار صفات ضعیف ہیں۔ اوپر کے بیان کردہ قاعدہ کے اعتبار سے اس کو ضعیف میں داخل ہونا چاہیے چہ جائیکہ قوی میں۔

زاء میں اشکال یہ ہے کہ اس کی چھ صفات میں سے تین صفت جہر اصمات صفیر قوی ہیں اور تین صفت رخوت استفال انفتاح ضعیف ہے۔ جب ضعف وقوت والی صفت برابر ہیں تو اسے متوسط حروف میں داخل ہونا چاہیے۔

زاء پر یہ اشکال موجودہ صورت شعر میں ہے ورنہ بعضوں نے بجائے زاء کے باء لکھا ہے اور زاء کو متوسطہ میں شمار کیا۔ اس صورت میں زاء پر تو کوئی اشکال نہیں رہا لیکن باء پر وہی اشکال آ گیا کہ اس میں بھی چھ صفات میں سے جہر شدت قلقلہ صفات قویہ میں سے ہے اور باقی تین استفال انفتاح اذلاق ضعیف تو اسے توسط میں داخل ہونا چاہیے نہ کہ حروف قویہ میں۔ بہر حال اشکال ہر صورت میں ہے۔

اس کے جواب سے پہلے ایک اور قاعدہ اہل تجوید کا ذہن نشین ہو جائے تو مقصود تک رسائی ان شاء اللہ آسان ہو گی وہ یہ کہ قوی صفات میں بھی ترتیب ہے چنانچہ سب سے زیادہ

قوی قلقلہ اس کے بعد شدت پھر جہر پھر اطباق پھر استعلاء اور پھر اصمات ہے۔ اس قاعدہ کے بعد باء کے اشکال کا جواب تو بآسانی یہ دیا جاسکتا ہے کہ گو دونوں صفت تعداد میں برابر ہیں مگر اس میں قلقلہ شدت جہر جیسی قوی سے قوی تر صفات موجود ہیں اس لئے اسے قوی حرف میں داخل کر دیا اور راء کا جواب یہ ہوسکتا ہے کہ راء میں گو استفال ہے مگر اس میں بسا اوقات تفخیم بھی ہوتی ہے جب اس پر فتحہ یا ضمہ ہو تو اس کا لحاظ کر کے قوی میں داخل کیا جاسکتا ہے۔

اور زاء میں اگرچہ دونوں صفت تین تین میں مگر قوت والی صفات کا خیال کر کے اس کو قویہ میں داخل کر دیا ہو اس لئے کہ قاعدہ ہے کہ القوی یغلب علی الضعیف۔ لیکن اس جواب پر اشکال یہ ہے کہ پھر وہ قاعدہ کس کام کا رہا۔ یہ تو خلط ملط یا ترجیح بلا مرجح ہے۔

حروف متوسطہ میں آٹھ حرفوں کو شمار کیا ہمزہ باء' تاء' الف' خاء' ذال' عین' کاف۔ اس میں اگر باء ہے تو کوئی اشکال ہی نہیں جیسا کہ دوسری کتابوں میں ہے۔ اس لئے کہ ضعف و قوت کی صفات برابر ہیں' البتہ بقیہ سات صفات پر بہت بڑا اشکال ہے اور وہ یہ کہ ہر ایک میں قوت کی صفات کم اور ضعف کی صفات زیادہ ہیں۔

پھر انہیں متوسطہ میں کیوں شمار کیا جارہا ہے۔ اس اشکال کو فوائد مکیہ کے حاشیہ توضیحات مرضیہ میں استاذ القراء قاری محمد شریف صاحب پاکستانی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا اور اسی کے ساتھ ان کو اس اشکال کا صحیح جواب جس سے قلب کو اطمینان حاصل ہو جائے نہیں مل سکا۔

بندہ کو بھی یہ اشکال یہاں پر ہے کہ جب قوی اور ضعیف میں داخل کرنے کا اصول بیان کر دیا تو اب اس کے خلاف کیوں ہو رہا ہے الا یہ کہ کہہ دیا جائے انا وجدنا اباء نا کذالك یفعلون (کما قال بعضهم) لیکن ثلج صدر اور شفا للقلوب کسی اور عمدہ جواب کی ضرورت ہے۔ ولعل الله یحدث بعد ذالك امرا۔ وفوق کل ذی علم علیم۔

﴿حروف کی تقسیم باعتبار قوت وضعف کے بیان میں استاذ القراء حضرت قاری محمد شریف صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی کوئی شافی حل پیش نہ کر سکے اور نہ ہی شارح موصوف سے ہی یہ مسئلہ حل ہوا۔ الحمد للہ اس کا شافی حل قبلہ والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''الجواہر النقیہ شرح

المقدمۃ الجزریہ" میں ص نمبر ۶۹۔ ۷۰۔ ۷۱ پر دیا گیا ہے۔ شائقین حضرات وہاں ملاحظہ کریں۔ قاری نجم الصبیح التھانوی

م: والحروف کما تریٰ کلھا (۴۱) ممتاز بالذات او الصفۃ او معًا فابطال الصفۃ مستلزم لنقصان الحرف ان کان الامتیاز بھما ومبطل لہ ان کان بالصفۃ فقط کقنط وقنت وصبی وسبی۔

ت: اور حروف جیسا کہ تم دیکھ رہے ہو سب کے سب ممتاز ہوں گے (ایک دوسرے سے) یا تو ذات سے یا صفت سے یا دونوں سے۔ لہٰذا اگر کسی حرف میں امتیاز دونوں سے ہے تو اس میں صفت کو باطل کرنا مستلزم ہے حرف کے ناقص ہونے کو اور حرف ہی کو باطل کردے گا اگر ہو امتیاز صرف صفت سے (اور وہ صفت ادا نہ کی جائے) جیسے قنط اور قنت صبی اور سبی!

ش: (۴۱) یہاں سے صفات کی اہمیت اور ضرورت بیان کر رہے ہیں۔ حروف کی تین صورتیں ہیں یا تو ایک حرف دوسرے حرف سے ذات یعنی مخرج کی وجہ سے ممتاز ہوگا یا مخرج کے اعتبار سے تو شریک ہے لیکن صفت میں اختلاف ہے تو صفت کی وجہ سے امتیاز ہوگا یا دونوں سے امتیاز ہوگا یعنی مخرج سے بھی اور صفت سے بھی اگر پہلی یا تیسری صورت ہے یعنی ایک حرف کا دوسرے حرف سے امتیاز مخرج یا مخرج اور صفت دونوں سے ہے تو اس میں صفت کے ادا نہ کرنے سے وہ حرف ناقص ادا ہوگا اور اگر دوسری صورت ہے یعنی حروف میں امتیاز صفت ہی کے ذریعہ سے ہوتا ہے اور صفت ہی کو ادا نہ کیا تو حرف ہی باطل اور ختم ہو جائے گا اس لئے کہ حرف میں مابہ الامتیاز ہی صفت تھی اور اسے ختم کر دیا تو حرف ہی ختم ہو جائے گا جیسے قَنَطْ میں طاء کی صفت ادا نہ کی تو قَنَتْ ہو جائے گا اسی طرح صَبِیْ اور سَبِیْ ہیں۔

حاصل یہ ہے کہ صفت کو ادا نہ کرنے یا صفت سے لا پرواہی برتنے میں کم سے کم نقصان تو یہ ہے کہ حرف ناقص ہوگا اور بڑے سے بڑا نقصان یہ ہے کہ حرف ہی باطل ہو جائے گا اور دونوں چیزیں بُری ہیں البتہ دوسری چیز اور بھی زیادہ قبیح اور بُری ہے۔

م : وهذا اشد قبحا خاصة في كلام الملك العزيز العلام (۴۲) لانه ملك الكلام (۴۳) هذا۔

ت : اور اس میں بہت زیادہ قباحت ہے خصوصاً اللہ جل شانہ کے کلام میں؛ اس لیے کہ وہ تو کلام کے بادشاہ ہیں!

ش : (۴۲) قاعدہ ہے کہ جیسا متکلم ہوتا ہے ایسا ہی اس کا کلام ہوتا ہے۔ اگر متکلم معمولی درجہ کا اور معمولی لکھا پڑھا آدمی ہے تو اس کے کلام میں کوئی وقعت نہیں ہوتی نیز غلطیوں کا بھی کافی امکان رہتا ہے اور جو آدمی جتنا بڑا فصیح و بلیغ اور صاحب لسان متفرق علوم سے واقف کار اور صاحب بصیرت ہوگا اتنا ہی غلطی کا امکان کم اور کلام میں فصاحت و بلاغت ہوگی بلکہ اس سے بڑھ کر کلام ایسا مختصر اور جامع ہوگا کہ تھوڑی بھی ادھر ادھر کی تبدیلی سے معنی و مضمون کے فاسد ہونے کا قوی امکان موجود ہے۔

ظاہر ہے کہ کلام باری قرآن کریم افصح الفصحاء علام الغیوب اور الَّذِیْ وَسِعَ کُلَّ شَیْءٍ عِلْمًا کا کلام ہے اس کے کلام عالی مقام میں فصاحت و بلاغت کے جو نوک و پل ہوں گے اور جو لطافت و باریکی ہوگی وہ کسی اور کے کلام میں ہرگز ہرگز نہیں ہوسکتی اسی اعتبار سے کلام میں نزاکت بھی بڑھ جائے گی اور معمولی سی حرف کی تبدیلی بلکہ حرکت کی تبدیلی سے معنی اور مضمون کے غلط ہونے کا احتمال ہے۔ اس لئے بندوں کو چاہیے کہ اپنے خالق و مالک اللہ تعالیٰ کے کلام کو معمولی غلطیوں سے بھی بچائیں اور غلطیوں سے بچنے کی وہ تمام صورتیں اختیار کریں جو وسعت میں ہوں جس میں خاص طور پر مخارج وصفات کی پختگی اور عملی مشق ہے۔ اللهم وفقنا لما تحب و ترضى۔

(۴۳) اس سے تلمیح ہے زبان زد مقولہ کلام الملوك ملوك الكلام کی طرف بادشاہوں کا کلام بھی بادشاہ اور سرتاج ہوا کرتا ہے۔

والله تعالى اعلم وعلمه اتم واحكم

16854

نقشہ تجوید حروف وصفات

نمبر شمار	حروف	حروف کے نام	صفات محلیہ	مخارج	صفات متضادہ					غیر متضادہ	صفات عارضہ	تجوید
(۱)	ا	(الف)	جوفیہ	جوف دہن	جہر	رخو	استفال	انفتاح	اصمات	مدہ	—	(جہاں ترقیق ہو وہاں ترقیق (اور جہاں تفخیم
			ہو وہاں) تفخیم کا خیال رکھا جائے۔ نیز الف میں امالہ نہ کرنا چاہیے۔ جب مد کرنا ہو تو زیادتی اور کمی سے احتیاط کریں (یعنی اس کی صحیح مقدار ہی ادا کریں) نیز نون ومیم سے پہلے جیسے (وَالْاَنْعَامِ وَالْجَآنّ یا بعد میں جیسے مِنَ الْمَآءِ مِنَ النَّارِ آئے تو اس میں غنہ نہ پیدا کریں حاصل یہ کہ نون و میم میں غنہ ہو تو اس میں کریں الف کو غنہ سے بچائیں۔									
(۲)	ء	(ہمزہ)	حلقیہ	اقصائے حلق	جہر	شدت	استفال	انفتاح	اصمات	—	ترقیق۔تسہیل	ہمزہ میں تحقیق کی جائے خصوصاً جب کہ مکرر
			ہو (جیسے ءَاَنْذَرْتَهُمْ) نیز الف سے پہلے بھی (جیسے آتِیْ. آمِیْنَ) لیکن ایسی بھی تحقیق نہیں کہ تہوع یعنی قے کرنے یا کھانسے کی طرح ہو۔ نیز صفت ترقیق کا خیال رکھیں خصوص ابتداء میں (جیسے اَعُوْذُ) اور حروف مفخم سے پہلے (جیسے اَلطَّلَاقُ. اِصْطَفٰی) اور حروف مجانس ومقارب سے پہلے (جیسے اَعُوْذُ. اِهْدِنَا. اَعْطٰی) اور تخفیف کا خیال رہے خصوصاً مدہ سے پہلے۔									

(۳)	ہ	ہاء	حلقیہ	اقصائے حلق	ہمس	رخو	استفال	انفتاح	اصمات		ترقیق، ہاضمیر میں صلہ وسکون	ہاء کو تمام خوبی سے ادا کرو خصوصاً تکرار کے
			وقت صفات اچھی طرح ادا ہوں (جیسے وُجُوْهِهِمْ يُلْهِيهِمْ) اور الف و حاء کے بعد ہو تو ظاہر کرو (جیسے مُنْتَهٰهَا اول کی مثال ہے۔ حاء کے بعد کی مثال سَبِّحْهُ تاکہ ہاء غلیظ ہو کر حاء نہ ہو جائے) اسی طرح دو الف کے درمیان ہو تو خوب ظاہر کرو (جیسے دَحٰهَا. طَحٰهَا).									
(۴)	ع	عین	حلقیہ	وسط حلق	جہر	توسط	استفال	انفتاح	اصمات	—	ترقیق	صفات وغیرہ کو خوب ظاہر کرنا چاہیے خصوصاً
			تکرار کے وقت (جیسے اَنْ تَقَطَّعَ عَلَى الْاَرْضِ) (فُزِّعَ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ) اسی طرح عَهِدَ اور اَلَمْ اَعْهَدْ جیسی صورت میں (یعنی ہر ایسی جگہ عین سے پہلے یا بعد میں مجانس حرف ہو تو عین کو ظاہر کرنا ضروری ہے تاکہ اشتباہ نہ ہو جائے) نیز صفت توسط کا خاص لحاظ کیا جائے خصوصاً تشدید کے وقت (جیسے يَدُعُّ الْيَتِيْمَ)									
(۵)	ح	حاء	حلقیہ	وسط حلق	ہمس	رخو	استفال	انفتاح	اصمات	—	ترقیق	حاء کو ظاہر کرو خصوصاً تکرار کے وقت (جیسے
			لَا اَبْرَحُ حَتّٰی. عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتّٰی يَبْلُغَ) اور لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اور سَبِّحْهُ جیسی مثالوں میں (یعنی ہر ایسی جگہ جہاں حاء									

			کے بعد مجانس حرف ہوتا کہ التباس نہ ہو جائے) حاء کو خوب ظاہر کرو۔ الف یا حروف مفخم سے پہلے حاء آئے تو ترقیق کا خیال رہے۔ (اول کی مثال حَاكِمِيْنَ. ثانی کی مثال اَحَطْتُّ)									
(۶)	غ	غین	حلقیہ	ادنائے حلق	جہر	رخو	استعلاء	انفتاح	اصمات	—	تفخیم	غین کو اس کے مخرج و صفات کے ساتھ ظاہر کرو
			خصوصاً لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا. اَفْرِغْ عَلَيْنَا. اَبْلِغْهُ. يَغْشٰى جیسے مواقع (یعنی ایسی جگہ جہاں بعد میں مجانس یا مقارب حرف ہو جیسے عین قاف ہاء وغیرہ تاکہ دوسرے سے خلط ملط نہ ہو) نیز غین میں تفخیم کا خیال رکھا جائے اور سب سے زیادہ تفخیم غین مفتوح پھر غین مضموم پھر غین مکسور میں ہوگی۔									
(۷)	خ	خاء	حلقیہ	ادنائے حلق	ہمس	رخو	استعلاء	انفتاح	اصمات	—	تفخیم	خاء میں صفت ہمس کا خیال رکھا جائے تاکہ
			غین نہ بن جائے (اس لیے کہ دونوں میں فرق صرف اسی صفت سے ہے) نیز تفخیم کا خیال رکھا جائے۔ کامل تفخیم خاء میں اس وقت ہوگی جب کہ خاء مفتوح ہو اور اس کے بعد الف ہو (جیسے خَاشِعِيْنَ. وَاِذَا خَاطَبَهُمْ)۔									
(۸)	ق	قاف	لہویہ	اعلیٰ اقصائے لسان اوپر کا تالو	جہر	شدت	استعلاء	انفتاح	اصمات	قلقلہ	تفخیم ادغام بالمتقاربین	قاف کی صفات کو ظاہر کرنا چاہیے خصوصاً جب

			کہ کاف اس کے بعد ہو (جیسے خَلَقَكُمْ) اسی طرح اگر اس سے پہلے ہو تب بھی (جیسے وَيَجْعَلْ لَّكَ قُصُوْرًا) نیز صفت جہر و استعلاء کو ادا کیا جائے خصوصاً تکرار کے وقت (جیسے حَقَّ قَدْرِہٖ) سکون کے وقت قلقلہ کو خوب ظاہر کرو (جیسے خَلَقْنَا. خَلَق)									
(۹)	ك	کاف	لہویہ	ادنیٰ اقصائے لسان اوپر کا تالو	ہمس	شدت	استفال	انفتاح	اصمات	—	ترقیق	کاف کو تکرار کے وقت خصوصیت کے ساتھ
			ظاہر کرنا چاہیے (جیسے بِشِرْكِكُمْ. مَنَاسِكَكُمْ) نیز صفت ہمس و شدت کو ہر حالت میں ظاہر کرو اور صفت ہمس کو خاص طور پر سکون کے وقت ظاہر کرو۔									
(۱۰)	ج	جیم	شجریہ	وسط لسان اوپر کا تالو	جہر	شدت	استفال	انفتاح	اصمات	قلقلہ	ترقیق	جیم کی تمام صفات کو ادا کرو خصوصاً تکرار اور تشدید
			کے وقت (جیسے حَاجَجْتُمْ. وَحَآجَّهٗ قَوْمُهٗ) نیز صفت جہر و شدت کو ہر حال میں ظاہر کرو (تاکہ شین سے کوئی تلبس نہ ہو)									
(۱۱)	ش	شین	شجریہ	وسط لسان اوپر کا تالو	ہمس	رخو	استفال	انفتاح	اصمات	تفشی	ترقیق	شین میں صفت تفشی کو ظاہر کرو (تفشی کے تین
			درجے ہیں) سب سے اعلیٰ تفشی اس وقت ہوگی جب مشدد ہو (جیسے فَبَشَّرْنٰهُ) اور متوسط جب ساکن ہو (جیسے اِشْتَرَوْا) ادنیٰ جب متحرک ہو (جیسے شَجَرَةٍ)									

(۱۲)	ی	یاء	شجریہ	وسط لسان جہر اوپر کا تالو	جہر	رخو	استفال	انفتاح	اصمات	مدیہ۔لینیہ	ترقیق۔مد	یاء کو تکرار اور تشدید کے وقت خاص طور پر ادا
			کرو (تکرار کی مثال اَحْيَيْنَا. اور تشدید کی مثال اِيَّاكَ وغیرہ) (اور فِيْ يَوْمٍ جیسی صورتوں میں یعنی یاء ساکنہ اور متحرکہ جمع ہوں) اور يَوْمٍ جیسی صورت یاء کے بعد واو لین آ جائے تو یاء کو ظاہر کرو۔ نیز اگر یاء الف یا حروف مفخم سے پہلے آئے تو ترقیق کا خیال کرو (الف کی مثال شَيٰطِيْنِهِمْ حرف مفخم کی مثال يَصْطَفِيْ يَصْطَرِخُوْنَ) نیز یاء میں صفت رخوت ظاہر کرو۔									
(۱۳)	ض	ضاد	مستطیلہ	حافہ لسان مع اضراس علیا	جہر	رخو	استعلاء	اطباق	اصمات	استطالہ	تفخیم	ضاد کو صحیح مخرج سے ادا کرو نیز صفت استطالہ
			صحیح ادا کرو اور ظاء اور دال مفخمہ سے ممتاز کرو (ظاء سے امتیاز استطالہ ہی کی وجہ سے ہو سکتا ہے) ضاد کو تکرار کے وقت خاص طور پر ظاہر کرو (جیسے يَغْضُضْنَ) اسی طرح ضاد کے بعد حرف مطبقہ آئے تو خوب ظاہر کرو (جیسے فَمَنِ اضْطُرَّ. اُضْطُرِرْتُمْ) (اسی طرح خاص طور پر ضاد کے بعد ظاء آئے تو ایک دوسرے سے ظاہر کرنا چاہیے۔ اس لیے کہ دونوں کی آواز متشابہ ہے جیسے اَنْقَضَ ظَهْرَكَ. يَعَضُّ الظَّالِمُ)									
(۱۴)	ل	لام	ذلقیہ	ادنیٰ کے حافہ مع متصل اوپر کے سوڑھے	جہر	توسط	استفال	انفتاح	اذلاق	انحراف	مغلظہ۔ادغام بالمتقاربین	لام کو تکرار کے وقت خوب ظاہر کرو (جیسے

			فَلْيُمْلِلِ الَّذِىْ) نیز ترقیق لام کا خیال رکھو خصوصاً حرف مفخم سے پہلے اور اس کے بعد (جیسے عَلَى اللّٰهِ میں عَلٰی کا لام۔ بِطِلْ فَصَلَتِ الْعِيْرُ وغیرہ) نیز الف سے پہلے (جیسے لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ) البتہ اللہ کے لام کو جب فتح یا ضمہ کے بعد آئے تو پُر پڑھنا چاہیے (جیسے وَاللّٰهُ. رَسُوْلُ اللّٰهِ)									
(۱۵)	ن	نون	ذلقیہ	طرف لسان مع مقابل اوپر کا تالو	جہر	توسط	استفال	انفتاح	اذلاق	غنہ	ترقیق۔ اخفاء ادغام بالمتقاربین	نون کو تکرار۔ تشدید اور وقف کے وقت ظاہر کرنا
			چاہیے (تکرار کی مثال بِاَعْيُنِنَا تشدید کی مثال لَيُؤْمِنَنَّ. لِتَعْلُنَّ وقف کی مثال اَلْعَالَمِيْنَ. يُؤْمِنُوْنَ) صفت ترقیق کا خیال رکھو خصوصاً الف سے پہلے (جیسے نَاصِرِيْنَ)									
(۱۶)	ر	راء	ذلقیہ	طرف لسان مع پشت مقابل اوپر کا تالو	جہر	توسط	استفال	انفتاح	اذلاق	انحراف	ترقیق۔ تکریر	صفت تکریر کا اخفاء کیا جائے نیز توسط جو شدت و رخوت کی درمیانی
			صفت ہے اس کا خیال کیا جائے خاص طور پر تشدید کے وقت راء کی تکریر میں اخفاء کرنا چاہیے (جیسے مُسْتَقِرٌّ)									
(۱۷)	ط	طاء	نطعیہ	طرف لسان اور ثنایا علیا کی جڑ	جہر	شدت	استعلاء	اطباق	اصمات	قلقلہ	تفخیم	طاء میں صفت استعلاء و اطباق و تفخیم کو خوب

											ظاہر کرو (اس لیے کہ دال سے ممیز یہی ہے) خصوصاً تکرار و تشدید کے وقت (اول کے مثال شَطَطًا ثانی کی مثال اَنْ يَّطَّوَّفَ) نیز ادغام کے وقت صفت قلقلہ سے بچنا چاہیے (جیسے اَحَطْتُّ اس لیے کہ قلقلہ کی صورت میں ادغام نہیں ہوسکتا)
(۱۸)	د	دال	نطعیہ	طرف لسان ثنایا علیا کی جڑ	جہر	شدت	استفال	انفتاح	اصمات	قلقلہ	ترقیق ادغام بالمتجانسین	تکرار و تشدید کے وقت دال کی صفات کو خوب
											ظاہر کرکے پڑھو (جیسے مَنْ يَّرْتَدِدْ. اَنَحْنُ صَدَدْنٰكُمْ نیز حروف مفخم کے بعد یاء الف سے پہلے آئے تو ترقیق کا خیال کرنا ضروری ہے (اول کی مثال صُدُوْرِ. اَصْدَقُ ثانی کی مثال دَارَ. دَآئِمُوْنَ وغیرہ) قلقلہ کے اظہار کے وقت حرکت پیدا نہ کرو (جیسے حَسَدٌ. فِي الْعُقَدِ)
(۱۹)	ت	تاء	نطعیہ	طرف لسان ثنایا علیا کی جڑ	ہمس	شدت	استفال	انفتاح	اصمات	—	ترقیق ادغام بالمتجانسین	مکرر تاء کے وقت ظاہر کرو (جیسے تَتْلُوْا تَتَوَفّٰهُمْ)
											نیز حروف مطبقہ اور الف سے پہلے آئے تو ترقیق کا خیال رکھو (مطبقہ کی مثال تَطْغَوْا. اَفَتَطْمَعُوْنَ خصوصاً طاء سے پہلے ترقیق ہو جو مخرج میں بھی شریک ہے۔ الف کی مثال تَآئِبُوْنَ) نیز وقف کے وقت ہمس کا خیال رکھو (جیسے بَقِيَّتُ. وَتَمَّتْ)
(۲۰)	ص	صاد	اسلیہ	طرف لسان ثنایا سفلی کا کنارہ کے	ہمس	رخو	استعلاء	اطبا	اصمات	صفیر	تفخیم	

				مع اتصال ثنایا علیا								صاد کو خالص ادا کرو اور
			اس کے بعد دال یا تاء آئے (جیسے یُصْدِرُ. اَصْدَقُ) اور طاء سے پہلے آئے تو اطباق و استعلاء کا خیال رکھو (جیسے اِصْطَفٰی ورنہ زاء سے مشابہت ہو جائے گی)									
(۲۱)	س	سین	اسلیہ	//	ہمس	رخو	استفال	انفتاح	اصمات	صفیر	ترقیق	صفت ہمس وصفیر کو ظاہر
			کرنا چاہیے خصوصاً حروف مطبقہ سے پہلے (جیسے بَسْطَةً ورنہ صاد سے اشتباہ ہو جائے گا) اور مُسْتَقِيْم سُلْطَان جیسی مثالوں میں (یعنی سین کے بعد تاء لام وغیرہ آئے تو صفت ہمس وصفیر کو ظاہر کرو۔ نیز صفیر میں صاد سے زیادہ ظاہر کرو اس لیے کہ صاد کی صفیر تو اطباق وغیرہ سے بھی ظاہر ہو سکتی ہے۔									
(۲۲)	ز	زاء	اسلیہ	//	جہر	رخو	استفال	انفتاح	اصمات	صفیر	ترقیق	زاء کو تکرار کے وقت خاص
			طور سے ظاہر کرو (جیسے فَعَزَّزْنَا) الف سے پہلے آئے تو صفت جہر و ترقیق کا خیال رکھو (جیسے مَا زَادُوْكُمْ. اَلزَّانِيَةُ)									
(۲۳)	ظ	ظاء	لثویہ	طرف لسان مع ثنایا علیا کا کنارہ	جہر	رخو	استعلاء	اطباق	اصمات	—	تفخیم	ظاء کو اس وقت زیادہ
			ظاہر کر کے پڑھیں گے جب کہ اس کے بعد تاء ہو اور ظاء ساکن ہو (جیسے اَوَعَظْتَ) نیز مطلقاً صفت استعلاء و اطباق کا خیال کرنا ضروری ہے۔									

(۲۴)	ذ	ذال	لثویہ	طرف زبان ثنایا علیا کا کنارہ	جہر	رخو	استفال	اطباق	اصمات	—	ترقیق ادغام بالمتجانسین	ذال کو اس وقت خاص طور پر ادا کریں گے
			جب ذال ساکن ہو اور اس کے بعد نون ہو (تا کہ نون میں ادغام نہ ہو جائے جیسے وَاِذْ نَتَقْنَا نیز ذال کی صفت استفال و انفتاح و ترقیق کو ظاہر کرو (ورنہ ظاء ہو جائے گی) خصوص جب کہ اس کے بعد حرف مفخم ہو (جیسے اِذْ قَالَ. اَنْذِرْ) نیز حرف مہموسہ آئے تو ذال کی صفت جہر ظاہر کرو (جیسے وَاذْكُرُوْا. اِذْ كُنْتُمْ)									
(۲۵)	ث	ثاء	لثویہ	طرف زبان ثنایا علیا کا کنارہ	ہمس	رخو	استفال	انفتاح	اصمات	—	ترقیق ادغام بالمتجانسین	تکرار کے وقت خوب ادا کرو (جیسے ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ
			حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ) نیز الف اور مفخم سے پہلے آئے تو ترقیق کا خیال رکھو (جیسے ثَامِنُهُمْ) اور اگر ثاء ساکن ہو تو اور زیادہ ترقیق کا خیال رکھنا چاہیے (جیسے اَثْخَنْتُمُوْهُمْ. اَنْ يَّثْقَفُوْكُمْ)									
(۲۶)	ف	فاء	شفویہ	ثنایا علیا کا کنارہ اور نیچے	ہمس	رخو	استفال	انفتاح	اذلاق ◇۱		ترقیق	فاء کو اس وقت ظاہر کرنا زیادہ ضروری ہے جب
			مکرر ہو (چاہے ایک کلمہ میں ہو یا دو کلموں میں جیسے وَلْيَسْتَعْفِفْ. تَعْرِفُ وُجُوْهَهُمْ) نیز اس کے بعد الف آئے تو ترقیق کا خاص خیال رکھا جائے (جیسے فَاكِهِيْنَ)									

◇۱ خلاصہ کے بعض نسخوں میں یہاں اصمات لکھا ہے۔ یہ غلط ہے۔ فاء حروف مذلقہ میں سے ہے۔ منہ

(۲۷)	و	واؤ	شفویہ	دونوں ہونٹ کچھ کھلے رہیں (مدہ ہوتو جوف دہن)	جہر	رخو	استفال	انفتاح	اصمات	مدیہ۔لینیہ	مدیہ۔ترقیق	واؤ جب مضموم یا مکسور ہو تو خاص طور پر صاف ادا کرو (جیسے وُجُوْهٌ. لِكُلٍّ وِجْهَةٌ) اسی طرح تکرار کے وقت اور قَالُوْا وَهُمْ جیسی مثالوں میں (یعنی ایسی جگہ جہاں واؤ ساکن کے بعد واؤ متحرک آئے جیسے اٰمَنُوْا وَعَمِلُوْا نیز واؤ مشدد ہوتو تشدید ظاہر کرو (جیسے وَاُفَوِّضُ اَمْرِیْ. عَدُوًّا)
(۲۸)	ب	باء	شفویہ	دونوں ہونٹ کا اندرونی حصہ	جہر	شدت	استفال	انفتاح	اذلاق	قلقلہ	ترقیق ادغام بالمتجانسین	باء میں صفت جہر و شدت کو خوب ظاہر کریں گے نیز ترقیق کا خیال خاص طور پر تکرار کے وقت رکھیں گے۔ اسی طرح حرف مفخم یا حرف خفی سے پہلے آئے تب بھی (تکرار کی مثال اَلْكِتٰبَ بِالْحَقِّ اور پہلی باء ساکن ہوتو ادغام ہو جائے گا جیسے يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ مفخم سے پہلے آنے کی مثال بَطَلٌ. بَصَلِهَا خفی سے پہلے کی مثال بِهِمْ. بَاسِطٌ نیز ترقیق کا خیال رکھنے میں اس سے احتیاط رکھیں کہ کہیں امالہ نہ ہو جائے (جیسا کہ بعض لوگوں کی عادت ہے)
(۲۹)	م	میم	شفویہ	دونوں ہونٹ کا بیرونی حصہ	جہر	توسط	استفال	انفتاح	اذلاق	غنہ	ترقیق۔ادغام اخفاء صلہ	میم کی ترقیق کا خیال رہے خصوصاً حرف مفخم اور الف سے پہلے (مفخم کی مثال مَقْتًا مَخْمَصَةٍ۔ الف کی مثال مٰلِكِ. مَآ اُنْزِلَ)

نوٹ

1 صاحب خلاصۃ البیان نے تمام حروف کی تجوید اور ان کا خلاصہ ایک نظر میں پیش کر دیا ہے۔ نیز یہ کہ ہر حرف میں کن کن باتوں کی محافظت اور اس کا خیال ضروری ہے اور کن باتوں سے پرہیز کرنا چاہیے۔ ہم نے عربی عبارات طوالت کی وجہ سے چھوڑ دیں صرف ترجمہ پیش کر دیا ہے اسے اصل عبارت سے آپ منطبق کر لیں۔

2 صاحب کتاب نے ہر حرف کے ضروری مسائل ہی بیان کئے ہیں ویسے ہر حرف میں اور بھی تفصیلات ہیں۔ ہم نے بھی مصنف کے اختصار کو پسند کر کے حاشیہ بڑھا کر اضافہ نہیں کیا۔

3 البتہ ہر قاعدہ کی ایک ایک دو مثالیں اور ضروری وضاحت بین القوسین بیان کر دی ہیں تا کہ سمجھنے میں دشواری نہ پیش آئے۔

باب الصفات العارضة (۱)

صفات عارضہ کا بیان

ش: (۱) مخارج اور صفات ذاتیہ لازمہ سے فارغ ہونے کے بعد اب صفات عارضہ کو بیان کر رہے ہیں۔

صفت عارضہ اس صفت کو کہتے ہیں جو حرف کی ذات میں نہ ہو بلکہ کسی خارجی عروض کی وجہ سے وہ صفت پیدا ہو۔

م: وَالصفاتُ العارضة اِمّا عارضها صفة لازمة (۲) واِمّا اتّصال حرفٍ بحرفٍ موجبٍ (۳) لها واِمّا الخفاءُ الموجب للظهور (۴) واِمّا وضعُ اللفظ(۵)

ت: اور صفات عارضہ (کے اسباب) یا تو معارض ہوگی اس کو صفت لازمہ اور یا حرف کا کسی ایسے حرف سے ملنا جو اس (صفت عارضی) کو واجب کرنے والی ہو اور یا خفاء ہوگا جو ظہور کو مستلزم ہوگا۔ اور یا لفظ کی وضع ہوگی!

ش: اسباب صفات عارضہ: (۲) مصنف نے یہاں پر صفات عارضہ کے چار اسباب مختصراً بیان کئے ہیں جس کی تفصیل ترتیب وار آئندہ صفحات میں پیش کریں گے جس میں پہلا سبب یہ ہے کہ کوئی ایسی صفت لازمہ ہوگی جس سے وہ عارضی صفت پیدا ہوگی یعنی صفت لازمہ سبب بنی صفات عارضہ کے وجود کا جیسے صفت استفال کے لئے ترقیق اور صفت استعلاء کے لئے تفخیم لازم ہے۔ استفال واستعلاء حرف کی ذاتی صفت ہیں اور ترقیق وتفخیم عارضی۔

اس کی مثال والد صاحب کے حاشیہ خلاصۃ البیان میں یہ ہے صفت عارضی کی مثال حال اور واردات کی سی ہے جیسے آدمی کے غصہ یا خوشی کے وقت چہرہ کا رنگ اور مزاج کا متغیر ہونا عارضی حالت ہے جو کچھ وقت کے بعد ختم ہو جائے گی یہی حال صفات عارضہ کا ہے اور

آدمی کی عمومی حالت زندگی اور باتیں وغیرہ کرنا اس کی ذاتی صفات ہیں جو اس کے ساتھ باقی رہتی ہیں۔

(۳) دوسرا سبب یہ ہے کہ حرف کے ساتھ کوئی ایسا حرف ملے گا جس کی وجہ سے صفت عارضہ پیدا ہوگی مثلاً اظہار کی صفت پیدا ہوتی ہے نون ساکن کے بعد حروف حلقیہ کے آنے سے اور میم ساکن میں اخفاء ہوا اس کے بعد باء آنے کی وجہ سے وغیرہ وغیرہ۔

(۴) تیسرا سبب یہ ہے کہ حرف کا خفاء سبب بنے گا ظہور کے لئے جیسے لَهٗ اور بِهٖ میں صلہ اس لئے کیا جاتا ہے کہ اگر صلہ نہ کریں تو حرف ایسا خفی ہے کہ پتہ بھی نہ چلے گا اور نہ ادا ہوگا۔ تو خفاء سبب ہے ظہور کا۔ لہٰذا ظہور صفت عارضی ہوئی۔

(۵) صفات عارضہ کا چوتھا سبب لفظ کی وضع ہے یعنی لفظ کی وضع ایسی ہوگی جو عارضی صفت مثلاً حرکت زبر زیر پیش سکون یا تشدید کو چاہتی ہوگی وغیرہ وغیرہ۔

م: والعارضة كُلّها مشروط بوجود الشرائط وفقدان الموانع(٦)

ت: اور صفات عارضہ سب کی سب مشروط ہیں شرائط کے پائے جانے اور موانع کے نہ ہونے پر۔

ش: (٦) والعارضة كلها مشروط سے یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ یہ صفات عارضہ اسی وقت پائی جائیں گی جب کہ اس کی تمام شرطیں پائی جائیں اور کوئی مانع صفت عارضہ کے لئے نہ ہو اور سب سے اہم اور ضروری شرط روایت کی موافقت ہے یعنی حضرات قراء نے اپنے اساتذہ دراساتذہ اور انہوں نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو انہوں نے سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کو جس طرح پڑھتے سنا اسی طرح قرآن پڑھنا فرض ہے اور قراء نے اسی طرز پر قواعد وضع کئے ہیں مثلاً فن تجوید کے واضعین قراء نے دیکھا کہ عموماً جہاں نون ساکن کے بعد حروف حلقیہ میں سے کوئی حرف آتا ہے تو ہمارے اساتذہ یا صحابہ رضی اللہ عنہم اس میں اظہار کرتے ہیں تو ایک قانون یہ بن گیا کہ نون ساکن کے بعد حروف حلقیہ میں سے کوئی حرف آئے گا تو اظہار ہوگا پھر یہ دیکھا کہ جہاں ان چھ حرف يَرْمَلُوْنْ میں سے کوئی آیا تو وہاں

ادغام کیا تو ایک قانون یہ وضع کیا کہ نون ساکن کے بعد یَرْمَلُوْنَ کے چھ حرف میں سے کوئی آئے گا تو ادغام ہوگا پھر یہ دیکھا کہ کچھ جگہ نون ساکن کے بعد باوجود واؤ اور یاء آنے کے ادغام نہیں کیا مثلاً دُنْیَا' قِنْوَانٌ۔ تو وہاں زبردستی قاعدہ ادغام لگا کر ادغام نہیں کریں گے بلکہ ان کا استثناء کرلیں گے غرض ایک بات اور طرز اکثر جگہ چل جاتا ہے تو وہ قاعدہ بن جاتا ہے البتہ کہیں کہیں استثناء بھی کر دینا پڑتا ہے۔ اس سے یہ اشکال بھی دور ہوگیا کہ یہ موجودہ تجوید رسول اللہ ﷺ یا صحابہ رضی اللہ عنہم کے دور میں نہ تھی تو بدعت ہوئی۔ یہ بدعت نہیں بلکہ ایسا کرنا ضروری ہوا ورنہ تو عوام بھٹک جاتے اور سارا قرآن غلط سلط پڑھتے اور تجوید کا وجوب قرآن کی آیت وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلًا سے ثابت ہے نیز بکثرت احادیث اس پر شاہد ہیں جیسا کہ شروع میں آچکا اور تجوید کے وجوب کے لئے کیا یہ کم دلیل ہے کہ کتنے لوگ ان قواعد کو صحیح طور پر یاد کر کے بھی قرآن صحیح نہیں پڑھ سکتے بلکہ ماہر قاری سے مشق کرنی پڑتی ہے۔ حاصل یہ نکلا کہ یہ قواعد عین کلام الٰہی اور سنت نبوی کے منشاء کے مطابق ہیں۔

م: ومن الشرائط موافقة الرواية لان النكات بعد الوقوع (۷) امّا اللازمة (۸) فكالاستفال للترقيق والاستعلاء للتفخيم فالمستعلية (۹) مطلقًا كلها مفخمة (۱۰) والمستفلة كلها مرققة الا الالف واللام والراء

ت: اور شرطوں میں سے (اہم شرط) روایت کی موافقت ہے۔ اس لیے کہ (دوسری شرطیں) نکات بعد الوقوع (کے قبیل سے) ہیں۔ بہرحال صفات لازمہ پس جیسے ترقیق کے لیے استفال اور تفخیم کے لیے استعلاء ضروری ہے پس حروف مستعلیہ سب کے سب پُر پڑھے جائیں گے اور حروف مستفلہ سب باریک پڑھے جائیں گے مگر الف اور لام اور راء

ش: (۷) یہی مطلب ہے ومن الشرائط موافقة الرواية کا کہ روایت اور نقل کی موافقت سب سے بڑی شرط ہے اگر موافقت ہے تب ہی کوئی قابل قبول اور لائق عمل ہوگا ورنہ نہیں' اس لئے کہ نکات یعنی قواعد وضوابط تو نقل سے روایت کے بعد بنے ہیں۔

(۸) یہاں سے تمام اسباب عارضہ کی تفصیل شروع ہو رہی ہے جس میں یہ پہلے سبب

کی تفصیل ہے۔ صفت لازمہ جس سے صفت عارضہ پیدا ہو رہی ہے وہ استفال واستعلاء ہے جس سے تفخیم وترقیق پیدا ہوتی ہے۔

حروف مفخمہ:

(۹) حروف کی دو قسمیں ہیں (۱) مستعلیہ (۲) مستفلہ۔ حروف مستعلیہ سات ہیں جن کا ذکر پہلے آچکا خُصَّ ضَغْطٍ قِظْ۔ یہ تو ہر حال میں پُر ہوں گے۔ البتہ ان میں حروف مطبقہ ص، ض، ط، ظ۔ میں استعلاء کامل ہوگا اور بقیہ میں کم۔

علامہ محمد ابن الجزری رحمہ اللہ فرماتے ہیں ع

وَحُرُوْفُ الْاِسْتِعْلَآءِ فَخِّمْ وَاخْصُصَا الْاِطْبَاقَ اَقْوٰی نَحْوُ قَالَ وَالْعَصَا

حروف مستعلیہ کے علاوہ باقی تمام حروف مستفلہ ہیں البتہ ان میں تین حرف الف لام راء کبھی پُر اور کبھی باریک ہوں گے جس کا ذکر آئندہ آجائے گا۔

(۱۰) تفخیم کے لغوی معنی بھرنے اور پُر کرنے کے آتے ہیں اسی معنی میں تغلیظ تسمین تجسیم اور استعلاء وغیرہ الفاظ آتے ہیں۔ اصطلاح میں تفخیم نام ہے ایسی صفت کا جو حرف کے جسم یعنی اس کی آواز پر داخل ہو جس سے حرف موٹا اور اس کی آواز بھری ہوئی معلوم ہو۔ ترقیق اسی کی ضد کا نام ہے۔

م: فالالف تابع لما قبله (۱۱) في الصفة[۱] كما في الذات وتفخيم اللام (۱۲) عن الحفص (۱۳) مختص بلامي اسم اللّٰه۔ الاولىٰ لمحافظة الادغام والثانية للتفخيم وذالك اذا انفتح ماقبله او انضمّ۔

ت: پس الف تابع ہے اپنے ماقبل کے صفت میں جیسے ذات میں اور لام کو پُر پڑھنا امام حفص رحمہ اللہ کے نزدیک مخصوص ہے لفظ اللّٰہ کے دو لام کے ساتھ۔ پہلا لام پُر ہوگا

---

[۱] صفت کا یہ مطلب نہیں کہ تمام صفات میں الف ماقبل کا تابع ہے بلکہ صفت تفخیم وترقیق میں۔ اس لیے کوئی الف کے ماقبل نون دیکھ کر الف کو اس کا تابع بنالے اور (نَآلَ وغیرہ میں) اخفاء کرنے لگے تو یہ صحیح نہیں ہے۔ (از افادات ابن ضیاء شیخ القراء مولانا قاری محب الدین احمد صاحب رحمہ اللہ)

ادغام کی محافظت کی وجہ سے اور دوسرا لام پُر پڑھا جائے گا تعظیم کے لیے اور یہ پُر پڑھنا اس وقت ہے جب کہ ماقبل مفتوح یا مضموم ہو۔

ش: تفخیم الف: (۱۱) حروف مستفلہ میں پہلا حرف الف ہے جس میں عارضی تفخیم بھی ہوسکتی ہے اور یہ اس وقت ہوگا جب کہ ماقبل حروف مستعلیہ میں سے کوئی حرف ہو جیسے قَالَ۔ طَالَ اور ماقبل حروف مستفلہ میں سے کوئی حرف آئے تو باریک ہوگا اور وجہ اس کی یہ ہے کہ الف ان حروف میں ہے جس میں کسی عضو کے عمل کو دخل نہیں بلکہ جوف دہن سے ادا ہوتا ہے اس لئے ماقبل والے حرف کے تابع ہوگا نیز الف کی ذاتی کیفیت یہ ہے کہ وہ اپنے وجود میں غیر کا محتاج ہے اس لئے کہ الف وہی کہلاتا ہے جو ساکن ہو اور ساکن حرف اپنے وجود میں پہلے حرف کا محتاج ہے اسی لئے ابتداء بالساکن ناممکن ہے۔ یہی مطلب ہے مصنف کے قول کما فی الذات کا۔

لفظ اللہ کے لام کی تفخیم: (۱۲) دوسرا حرف لام ہے۔ جو صرف اللہ تعالیٰ کے لام میں پُر ہوتا ہے اور وہ بھی اس وقت جب کہ ماقبل مفتوح یا مضموم ہو۔ لفظ اللہ میں دو لام ہیں۔ دوسرے لام کو تفخیم اور تعظیم کے لئے پُر کیا جاتا ہے اور پہلے لام کو ادغام کی محافظت کے لئے کیا جاتا ہے گویا اصل تفخیم دوسرے ہی لام میں ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ذات سبحانہ تعالیٰ کو ادا کرنے کے لئے دوسرا ہی لام ہے اس لئے کہ اللہ اصل میں الٰہ تھا۔ ہمزہ قطعیہ کو حذف کر کے اس کی جگہ الف لام لگا دیا اللہ ہوگیا اسی الف لام کی وجہ سے اللہ کا اطلاق معبود برحق پر ہی ہوتا ہے۔ (بیضاوی ص ۴) اور پہلا ادغام کی وجہ سے ہے اس لئے کہ اگر پہلے لام کو باریک اور دوسرے کو پُر پڑھتے ہیں تو زبان پر ثقل ہوگا نیز ادغام کا حق بھی ادا نہ ہوگا۔

(۱۳) اللہ کے لام کو حالت رفعی و نصبی میں پُر پڑھنا اتفاقی ہے اور امام حفص رحمہ اللہ کے نزدیک صرف اسی صورت میں تفخیم ہے البتہ بعض حضرات کے نزدیک اور صورتوں میں بھی لام پُر ہوتا ہے مثلاً ورش من طریق الازرق کے نزدیک لام مفتوحہ میں جب کہ اس سے پہلے صادؔ طاءؔ ظاء ہو چاہے مفتوح ہو یا ساکن۔ لام پُر پڑھا جائے گا جیسے عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ۔

اَصْلَحُوْا۔ ظَلَّ وَجْهَهٗ۔ وغیرہ وغیرہ لیکن مختار قول اول ہی ہے۔

م: وکل راء مفخم (۱۴) عن الحفص للروایۃ الا المکسورۃ (۱۵) او الممالۃ وھی عنہ مَجْرِهَا فقط (۱۶)

ت: اور ہر راء امام حفص کے نزدیک پُر پڑھی جائے گی روایت ہونے کی وجہ سے مگر راء مکسورہ یا راء ممالہ اور وہ (راء ممالہ) امام حفص سے صرف مَجْرِهَا میں منقول ہے۔

ش: تفخیم وترقیق راء: (۱۴) حروف مستقلہ میں تیسرا حرف راء ہے جو بعض حالتوں میں پُر اور بعض حالتوں میں باریک ہوتا ہے۔ مصنف ﷫ کی ترتیب ذکری کے مطابق اس کی تفصیل یہ ہے کہ راء امام حفص ﷫ کے نزدیک ہر جگہ پُر ہوگی البتہ چند مواقع میں باریک ہوگی۔

(۱۵) راء مکسورہ ہر حالت میں باریک ہوگی چاہے کسرہ لازمی ہو یا عارضی‘ امالہ ہو یا نہ ہو۔ درمیان میں ہو یا آخر میں بلا کسی اختلاف کے باریک ہوگی۔

(۱۶) راء ممالہ وہ راء جس پر فتحہ ہو لیکن اسے کسرہ کی جانب مائل کر کے پڑھا جائے یہ امام حفص ﷫ کے نزدیک صرف مَجْرِهَا میں ثابت ہے۔

م: والساکنۃ بالسکون الاصلی او العارضی قبلھا یاء ساکنۃ (۱۷) او حرف مکسور بکسرۃ اصلیۃ موصولۃ غیر موصولۃ بالمستعلیۃ بعدھا (۱۸) او ساکن قبلہ الکسرۃ (۱۹) وفی کل فرق فریقان فی الاولویۃ (۲۰)

ت: یا راء ساکنہ سکون اصلی کے ساتھ ہو یا عارضی کے ساتھ اور اس سے پہلے یاء ساکنہ ہو۔ یا (راء ساکنہ ہو اور ماقبل والا) حرف مکسور ہو کسرۂ اصلی کے ساتھ ملا ہوا ہو (وہ حرف) اور اس کے بعد حروف مستعلیہ میں سے کوئی حرف نہ ملا ہو یا (راء ساکن ہو) اور اس سے پہلے ساکن اور اس سے پہلے کسرہ ہو اور کُلِّ فِرْقٍ میں دو فریق ہیں (لیکن یہ

اختلاف) اولویت میں ہے۔

ش: (۱۷) راء ساکن ہو چاہے اس پر سکون اصلی ہو یا عارضی اور اس سے پہلے یاء ساکنہ ہو جیسے خَیْرْ' ضَیْرْ یہاں پر یاء ساکنہ سے پہلے حرف پر گو زبر ہے لیکن یاء ساکنہ کی وجہ سے مکسور ہوگی البتہ خَیْرْ اور ضَیْرْ کی راء اسی صورت میں باریک ہوگی جب کہ اس پر وقف ہو اور اگر وقف نہ ہو تو اس پر جو اعراب آئے گا اس کے تابع ہوگا۔

(۱۸) راء ساکنہ ہو اور ماقبل والے حرف پر اسی کلمہ میں کسرۂ اصلی ہو اور بعد میں کوئی حرف مستعلیہ نہ ہو۔ ان تین شرطوں پر راء باریک ہوگی جیسے فِرْعَوْنَ' شِرْعَةً یہ تین قید اس لئے لگائی کہ اگر ماقبل والا حرف مکسور اسی کلمہ میں نہ ہو بلکہ دوسرے کلمہ میں ہو' تو راء پُر ہوگی جیسے الَّذِی ارْتَضیٰ ' رَبِّ ارْجِعُوْنِ وغیرہ۔ اسی طرح اگر راء کے بعد حروف مستعلیہ میں سے کوئی حرف آئے گا' تو راء پُر ہوگی جیسے مِرْصَادْ۔ قِرْطَاسْ اسی طرح اگر کسرہ اصلی نہیں بلکہ عارضی ہے تو راء پُر ہوگی جیسے اِرْجِعُوْا' اِرْجِعِیْ۔

(۱۹) یاء ساکن سے ماقبل والا حرف بھی ساکن اور اس سے ماقبل والا حرف مکسور ہو تو راء باریک ہوگی جیسے ذِی الذِّکْرِ۔ وَلَا بِکْرٌ وغیرہ لیکن یہ صورت حالت وقفی میں چلے گی اور اگر مابعد سے ملانا ہو تو خود راء کی حرکت کا اعتبار ہوگا۔

(۲۰) اوپر چونکہ قاعدہ بیان کیا تھا کہ راء ساکنہ کے بعد حرف مستعلیہ آئے گا' تو راء پُر ہوگی لیکن فِرْقٍ میں دو جہت ہوگئی ایک تو یہ کہ حرف مستعلیہ کی رعایت کریں تو پُر پڑھنا چاہے دوسرے یہ کہ حرف مستعلیہ پر خود کسرہ ہے اس لئے تفخیم کی قوت ختم ہوگئی نیز راء کے ماقبل اور مابعد دونوں پر ہی کسرہ ہے اس کا تقاضا یہ ہے کہ راء کو باریک پڑھیں۔ بعض حضرات نے پہلی بات کا لحاظ کر کے پُر پڑھا اور بعض نے دوسری بات کا لحاظ کر کے باریک پڑھا ہے لیکن یہ اختلاف اولیٰ اور غیر اولیٰ کا ہے۔ وجوب اور عدم وجوب کا نہیں۔

م: کما فی القطر ومصر (۲۱) وکیسر فی الوقف (۲۲) والمشددة تابعة للحركة (۲۳)

ت : جیسے قِطْرِ اور مِصْرُ اور جیسے یَسْرُ وقف کی حالت میں اور راء مشددہ حرکت کے تابع ہے۔

ش : (۲۱) قِطْرْ اور مِصْرْ کے ان دو کلموں میں بھی یہی اختلاف ہے اس لئے کہ وقف کی حالت میں یہ دونوں راء ساکن ہوں گی اور اس سے ماقبل حروف مستعلیہ بھی ساکن ہے اور اس سے ماقبل والے حرف پر کسرہ ہے اب اگر کسرہ کا لحاظ کریں تو راء باریک ہوگی اور اگر ماقبل والے حروف مستعلیہ کا اعتبار کریں تو راء پُر ہوگی اس لئے کہ حروف مستعلیہ کے جس طرح راء کے بعد آنے سے راء پُر ہوگی اسی طرح ماقبل میں آنے سے بھی راء پُر ہوگی۔ اب ہر ایک فریق نے ایک وجہ ترجیح اختیار کی وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيهَا۔

لیکن یہ اختلاف اسی وقت ہے جب کہ یہ حالت وقفی ہو اور اگر وقف نہ کیا جائے بلکہ مابعد سے ملایا جائے تو قِطْرِ کی راء باریک ہوگی اس لئے کہ اصلاً کسرہ ہے عَيْنَ الْقِطْرِ اور مِصْرَ کی راء پُر ہوگی۔ اس لئے کہ مِصْرَ پر کسرہ غیر منصرف ہونے کی بناء پر کسی حال میں نہیں آسکتا لہٰذا اگر مِصْرَ مکسور بھی ہو تب بھی راء پر زبر ہوگا اور راء پُر ہوگی۔

(۲۲) یَسْرْ پر وقف کی حالت میں بھی دو قول ہیں ایک یہ کہ راء پُر ہو اس لئے کہ راء ساکن ماقبل ساکن ماقبل مفتوح ہے اور ایک دوسرا قول یہ بھی ہے کہ راء باریک ہو شاید اس لئے کہ ماقبل حرف مستفلہ ہے تو باریک ہو۔ واللہ اعلم

لیکن پہلا قول ہی صحیح ہے دوسرا قول ضعیف ہے۔ اسی لئے بہت سے قراء نے اسے ذکر نہیں کیا۔ جمال القرآن میں حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ نے لکھا ہے ''بعض قاریوں نے اس (یَسْرْ کی راء) کے باریک پڑھنے کو اولیٰ لکھا ہے مگر یہ ضعیف ہے۔'' البتہ جب اس کو بھی وصل کر کے پڑھیں گے تو کسرہ کی وجہ سے باریک ہوگی جیسے وَالَّيْلِ اِذَا يَسْرِ هَلْ فِيْ ذٰلِكَ۔

(۲۳) راء مشددہ میں دو راء ہوتی ہے ایک راء ساکنہ دوسری راء متحرک لیکن ادغام کی وجہ سے اسے ایک ہی راء پڑھنے کی وجہ سے اس کی حرکت کا اعتبار ہوگا اگر راء مشددہ پر زبر یا پیش ہے تو راء پُر ہوگی جیسے يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ۔ لَيْسَ الْبِرَّ۔ اور زیر ہو تو باریک ہوگی جیسے

مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ حاصل یہ نکلا کہ پہلی راء ساکنہ دوسری راء متحرکہ کے تابع ہوگی لیکن اگر اسی راء مشددہ پر وقف ہو جائے تو پھر دوسری راء پہلی راء کے تابع ہو جائے گی جیسے مُسْتَقَرٌّ، مُسْتَمِرٌّ کیونکہ راء موقوفہ مشددہ بھی راء ساکنہ کے حکم میں ہے اب ماقبل والے حرف کی حرکت کا اعتبار ہوگا۔

م: لمحافظة الادغام كالمرامة للحركة (۲۴) واما الاتصال (۲۵) فهو مع قرب المخرج بين الحرفين تماثلًا او تجانسًا او تقاربًا علة للادغام۔

ت: ادغام کی محافظت کی وجہ سے جیسے راء مرامہ حرکت کے تابع ہے اور بہرحال دوسرا سبب اتصال ہے پس وہ مخرج کے قریب ہونے کے ساتھ دوحرفوں کے درمیان چاہے قرب مخرج تماثل کے اعتبار سے ہو یا تجانس کے اعتبار سے یا تقارب کے اعتبار سے ادغام کی علت ہے۔

ش: (۲۴) كالمرامة للحركة جیسے راء مرامہ یعنی وہ راء جس میں روم کیا جائے حرکت کا اعتبار کیا جاتا ہے۔ روم حرف موقوف علیہ میں دوصورت میں ہوسکتا ہے مضموم ہو یا مکسور اب اگر راء پر وقف بالضم مع الروم کرنا ہو تو راء پُر ہوگی اور اگر وقف بالکسر مع الروم ہو تو راء باریک ہوگی۔

سبب ثانی' اتصال حرف بحرف:

(۲۵) صفت عارضہ کا دوسرا سبب تفصیلی طور پر بیان کر رہے ہیں اور وہ اتصال ہے یعنی دوحرف کے ملنے کی وجہ سے کوئی صفت عارضہ پیدا ہو رہی ہوگی ورنہ اصل کے اعتبار سے اور اس اعتبار سے کہ ہر کلمہ اور ہر حرف الگ الگ ہے۔ اس کی ذات میں کوئی صفت نہیں۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ زبان سے جو حروف ادا ہوتے ہیں ان میں کم از کم دوحرف ادائیگی کے وقت یا تو ایک ہی قسم کے ہوں گے اور ایک ہی مخرج سے ادا ہوتے ہیں یا قریب قریب مخرج سے۔ اگر ایک ہی قسم کے دوحرف ہیں تو ان کو متماثلین کہتے ہیں اور اگر ایک مخرج کے دو

حرف ہیں تو متجانسین جیسے دال، طاء اور اگر قریب قریب مخرج کے ہیں تو متقاربین ہوں گے جیسے قاف، کاف۔ اب اگر دو حرفوں کے درمیان مخرج کے اعتبار سے قریب ہو چاہے وہ حرف مثلین یا متجانسین یا متقاربین ہوں تو اس صورت میں ادغام ہوگا بشرطیکہ ادغام کی شرطیں پائی جائیں جن کا ذکر آئندہ آئے گا اور اس طرح ادغام کرنے میں یہ حکمت ملحوظ ہے کہ قرب مخرج کی وجہ سے حروف ایک ساتھ بلا کسی مشقت کے ادا ہو سکتے ہیں نیز یہ بھی وجہ ہو سکتی ہے کہ اتحاد اور قرب مخرج کی وجہ سے ایک حرف کو دوسرے حرف سے مل کر زیادہ ثقل ہوتا ہے اس لئے ادغام کرنا ہی مناسب ہے۔

م: ومع البعد المعتد به علة للاظهار (٢٦) ومع التوسط بينهما كذالك علة للاخفاء۔

ت: اور ایسی دوری کے ساتھ جو قابل اعتبار ہو اظہار کی علت ہے اور ان دونوں کے درمیان درمیان ہو (یعنی نہ بہت دوری نہ بہت قرب) تو یہ اخفاء کی علت ہے۔

ش: (٢٦) اور حروف مظہرہ یعنی جن حروف میں اظہار ہوتا ہے اس میں مخرج کی دوری ہوتی ہے جس کی بناء پر اظہار کرنا چاہیے اور اگر حرف اس نوع کا ہو کہ کچھ قرب اور کچھ بعد ہو تو ثقل میں بھی کمی ہوگی اس لئے اخفاء کیا جائے گا۔ حاصل یہ نکلا کہ اتصال حرفین کے اعتبار سے تین صورتیں ہیں۔ ① ادغام ② اظہار ③ اخفاء۔

م: فالاظهار (٢٧) هوا داؤه كما اقتضٰى ذاته اى الاداء بالمخرج والصفة فهو اصل محقق فى كل حرف لاحاجة الىٰ اظهاره الا فيما خرج عن الاصل لعلة فان الاشياء تعرف باضدادها فاظهار (٢٨) النون الساكنة والتنوين (٢٩) اذا كان بعدهما احد الحلقية

ت: پس اظہار کہتے ہیں حرف کا اداء کرنا جس طریقہ پر اس کی ذات تقاضا کرے یعنی ادا کرنا مخرج اور صفت کے ساتھ۔ پس یہ یقینی قاعدہ ہے ہر حرف میں اس کے ظاہر (بیان) کرنے کی ضرورت نہیں مگر اس میں جو اصل (قاعدہ) سے نکل جائے کسی علت کی وجہ

سے اس لیے کہ چیزیں اپنی ضدوں سے پہچانی جاتی ہیں۔ پس نون ساکنہ اورتنوین کا اظہار ہوگا جب کہ ان دونوں کے بعد حروف حلقیہ میں سے کوئی حرف آئے۔

ش: اظہار: (۲۷) اظہار چونکہ اصل ہے حروف کی ادائیگی کے اعتبار سے اس لئے اولاً اسی کی تعریف بیان کر رہے ہیں۔ اظہار کہتے ہیں حرف کو اس کی اصلی حالت وصفت کے ساتھ ادا کرنا یعنی بغیر کسی عارضی یا خارجی حالت کے اعتبار کئے ہوئے حرف کو صاف اور پورا ادا کرنا جیسا کہ حرف کو الگ الگ ادا کرنے کی صورت میں ہوتا ہے۔ اظہار ایسی صفت ہے کہ اس کے بیان کرنے کی کوئی خاص ضرورت نہیں اس لئے کہ ہر حرف میں اصلاً اظہار ہی ہے۔ اور قاعدہ ہے کہ اصل اور طبعی چیز کے لئے عموماً کوئی قاعدہ نہیں ہوتا۔ قاعدوں کے اور اصول کے بیان کرنے کی تو اس وقت ضرورت پیش آتی ہے جب کہ خلاف اصل ہو اس لئے کہ مثل مشہور ہے کہ چیزیں اپنی ضد سے ہی پہچانی جاتی ہیں۔ حاصل یہ نکلا کہ حروف میں اصل اظہار یعنی ہر حرف کو مخرج وصفات سے ادا کرنا ہے اور بندہ کا خیال ہے کہ مصنفینؒ نے اسی وجہ سے اظہار کا بیان اخفاء وادغام پر مقدم کیا تا کہ اصل کی رعایت ہو جائے۔

(۲۸) اظہار کن کن صورتوں میں ہوگا اس کی تفصیل سنئے۔ (۱) نون ساکن اور تنوین کے بعد حروف حلقی (ہمزہ، ھا، عین، حاء، غین، خاء) میں سے کوئی حرف آئے تو اظہار ہوگا۔ چاہے ایک کلمہ میں ہو جیسے يَنْـَٔوْنَ، مِنْهُمْ اور چاہے الگ کلمہ میں ہو جیسے مَنْ اٰمَنَ، كُلٌّ اٰمَنَ۔

حروف حلقیہ کو اسی بناء پر حروف اظہار بھی کہتے ہیں ان حروف میں اظہار اس لئے ہوتا ہے کہ نون ساکن کا مخرج حروف حلقیہ کے مخرج سے بہت دور ہے جیسا کہ آپ پڑھ چکے دوسری وجہ یہ ہے کہ تنوین ونون ساکن کی ادائیگی میں تکلف اور دقت نہیں اور حروف حلقیہ کی ادائیگی میں دوسرے حروف کی نسبت وقت و دشواری ہے اس لئے مقام کا تقاضا یہ ہے کہ ان میں اظہار ہو اور دو حرف میں جتنا زیادہ بُعد ہوگا اتنا ہی اظہار اولیٰ اور اعلیٰ ہوگا۔ اسی لئے ہمزہ اور ہاء میں اظہار اعلیٰ ہے اس لئے کہ اقصائے حلق سے ادا ہوتے ہیں۔ وقس علی ھذا۔

حروف حلقیہ کے نون ساکن اور تنوین کے بعد آنے کی صورت میں اظہار اتفاقی قول ہے البتہ بعض اہل اداء سے خاء اور غین کے آنے کی صورت میں اخفاء لکھا ہے جیسے مُنْخَنِقَةٌ۔ یُنْغِضُوْنَ۔ اِنْ یَّكُنْ غَنِیًّا۔ لیکن جمہور کا قول ہی راجح اور قیاس کے مطابق ہے۔

(۲۹) عام طور پر نئے نسخوں میں والتنوین کا لفظ کاتب کی غلطی سے چھوٹ گیا ہے اس لئے حاشیہ میں اس کا اضافہ فرمالیں اس لئے کہ اس کے بعد بعد احدهما۔ یعنی هما ضمیر تثنیہ آ رہی ہے جو نون ساکن اور تنوین کی جانب لوٹ رہی ہے۔

م: والمیم الساكنة اذا كان بعدها غیر المیم (۳۰) والباء ولام التعریف اذا كان بعدها احد الحروف القمریة من ابغ حجك وخف عقیمه وما سواها الشمسیة (۳۱)

ت: اور میم ساکنہ میں اظہار ہوگا جب کہ اس کے بعد میم اور باء کے علاوہ کوئی حرف ہو اور لام تعریف میں اظہار ہوگا جب کہ اس کے بعد حروف قمریہ اَبْغِ حَجَّكَ وَخَفْ عَقِیْمَهٗ میں سے کوئی حرف ہو اور ان (حروف قمریہ) کے علاوہ باقی حروف شمسیہ ہیں۔

ش: (۳۰) میم ساکن کے بعد میم اور باء کے علاوہ باقی سولہ حرفوں میں سے کوئی اور حرف آئے تو اظہار ہوگا چاہے ایک کلمہ میں ہو جیسے اَنْعَمْتَ یا دوسرے کلمہ میں ہو جیسے لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ اس اظہار کو اظہار شفوی کہتے ہیں۔

﴿تنبیہ﴾ میم ساکن کے بعد فاء اور میم آئے تو اچھی طرح اظہار کرنا چاہیے۔ تاکہ باء کی طرح کہیں اس میں بھی اتحاد وقرب مخرج کی وجہ سے اخفاء نہ ہو جائے۔ اسی کو امام ابن الجزری رحمہ اللہ فرماتے ہیں ع

وَاَظْهِرَنْهَا عِنْدَ بَاقِی الْاَحْرُفِ وَاحْذَرْ لَدٰی وَاوٍ وَّفَا اَنْ تَخْتَفِیْ

''اور میم ساکن میں اظہار کرو باقی حروف کے وقت اور واؤ وفاء کے وقت اخفاء کرنے سے بچو''

(۳۱) لام تعریف کے بعد حروف قمریہ کے چودہ حروف جو اَبْغِ حَجَّكَ وَخَفْ عَقِيْمَهٗ کے مجموعہ میں جمع ہیں میں سے کوئی حرف آئے تو اظہار ہوگا یعنی ہر حرف کو صاف ادا کیا جائے گا جیسے اَلْحَجّ۔ اَلْجَارُ۔ اَلْقَمَرُ۔ اَلْقَوْمُ وغیرہ وغیرہ لام تعریف سے مراد وہی لام ہے جو الف لام تعریف کہلاتا ہے اور اسم سے پہلے اسم کو معرفہ بنانے کے لئے آتا ہے حروف قمریہ کے علاوہ باقی چودہ حروف شمسیہ کہلاتے ہیں (جو یہ حروف ہیں ت، ث، د، ذ، ر، ز، س، ش، ص، ض، ط، ظ، ل، ن) جیسے وَالشَّمْسِ۔ وَاللَّيْلِ۔ وَالطَّيْرِ۔

ان حروف میں ادغام ہوگا جس کا ذکر آئندہ آئے گا۔ اوپر کے چودہ حروف کو قمریہ اس لئے کہتے ہیں کہ اظہار کی وجہ سے لام صاف ادا ہوتا ہے۔ چھپ نہیں جاتا جیسے چاند کی موجودگی میں ستارے غائب نہیں ہوتے بلکہ ظاہر رہتے ہیں اور حروف شمسیہ میں لام کا ادغام ہوتا ہے اور لام چھپ جاتا ہے جیسے سورج کی موجودگی میں ستارے غائب ہوجاتے ہیں۔

﴿تنبیہ﴾ یاد رہے کہ حروف قمریہ وشمسیہ کا یہ قاعدہ لام تعریف کے ساتھ ہی خاص ہے اس لئے لام تعریف کے علاوہ کسی اور لام میں یہ قاعدہ نہیں چل سکے گا جیسے لام فعل قُلْنَا۔ قُلْ نَعَمْ وغیرہ مثالوں میں ادغام نہیں ہوگا۔

م: والادغام (۳۲) هو خلط ساكن بمتحرك متماثلين كالتشديد(۳۳)

ت: اور ادغام وہ ساکن کو متحرک کے ساتھ ملانا ہے کہ وہ دونوں (ساکن اور متحرک) متماثلین ہوں جیسے تشدید

ش: ادغام: (۳۲) دوسری قسم ادغام ہے ادغام کے لغوی معنی داخل کرنے کے آتے ہیں چنانچہ کہتے ہیں اَدْغَمْتُ اللِّجَامُ فِي الْفَرَسِ جب گھوڑے کے منہ میں لگام لگادو۔ ادغام کی اصطلاحی تعریف دو حرفوں کا اس طرح ملانا ہے کہ دونوں ایک ہی حرف ہوجائیں اور زبان دونوں کے ادا کرتے وقت ایک ہی ساتھ اٹھے۔

ہمارے مصنفؒ نے ادغام کی ایسی جامع تعریف فرمادی ہے جس میں اس کی شرطوں کا

بھی ذکر آ گیا ہے چنانچہ فرماتے ہیں کہ ادغام وہ حرف ساکن کو حرف متحرک سے ملانا ہے جب کہ وہ دونوں متماثل ہوں۔ تو ادغام کی دو شرطیں ہوئیں ایک تو مثلین یعنی دونوں حرفوں کا ایک جیسا ہونا چاہے وہ اصطلاحی اعتبار سے مثلین ہوں یا متجانسین یا متقاربین اس لئے کہ ادغام کی حیثیت سے یہ تینوں ایک جیسے ہی ہیں۔

دوسری شرط ہے کہ پہلا حرف ساکن دوسرا حرف متحرک ہو۔ پہلے حرف کو مدغم اور دوسرے حرف کو مدغم فیہ کہتے ہیں۔ ادغام کا فائدہ لفظ میں تخفیف ہے اس لئے کہ زبان کا ایک حرف کو ادا کر کے دوبارہ اسی حرف کو یا اسی جیسے حرف کو ادا کرنا ثقیل اور بھاری ہے جیسا کہ خود مشاہدہ اس پر شاہد ہے اس لئے حرف کے ادا کرنے کی ایسی صورت نکالی گئی جس میں دونوں حرف ادا بھی ہو جائیں اور دشواری بھی نہ ہو۔

(۳۳) جیسے تشدید میں ادغام ہوتا ہے مثلاً اِنَّ، عَمَّ، اَنَّ وغیرہ لیکن تشدید اور ادغام میں فرق یہ ہے کہ تشدید میں ایک ہی حرف لکھا جاتا ہے اور ادغام میں دونوں حرف الگ الگ لکھے جاتے ہیں مَنْ یَّعْمَلْ، قُلْ رَّبِّ، اَحَطْتُّ وغیرہ البتہ کیفیت ادا کے اعتبار سے دونوں ایک ہی طرح ہیں۔

م: فالمدغم لابدله من المماثلة بالابدال قبل الادغام ان لم یکن مثل المدغم فیه (۳۴)

ت: پس مدغم کے لیے ضروری ہے مماثلت ابدال سے ادغام سے پہلے۔ اگر نہ ہو مدغم فیہ کا مثل۔

ش: (۳۴) مطلب یہ ہے کہ چونکہ ادغام کا مقصد جیسا کہ پہلے معلوم ہو چکا ادائیگی کے ثقل کو دور کرنا ہے اور ثقل پورے طور پر اسی وقت دور ہو سکتا ہے جب کہ (موانع کے ارتفاع کے بعد) مدغم کو مدغم فیہ کے مثل کر دیا جائے اور مثل کا مطلب یہ ہے کہ پہلے حرف مدغم کو دوسرے حرف مدغم فیہ کی طرح ذاتاً وصفتاً کر دیا جائے۔

بالفاظ دیگر مصنف رحمہ اللہ کی تحقیق کو اس طور پر بیان کیا جا سکتا ہے کہ **والادغام هو**

خلط ساكن بمتحرك متماثلين كالتشديد سے ادغام مثلین کو اور فالمد غم سے ان لم یكن مثل المدغم فیه تک ادغام متجانسین ومتقاربین کو بیان کیا ہے۔

ادغام مثلین میں تو مدغم مدغم فیہ کی طرح ہے ہی اس لئے ابدال کی ضرورت ہی نہیں اور ادغام متجانسین ومتقاربین میں مدغم کو مدغم فیہ کی طرح بدل کر مماثل بنائیں گے پھر ادغام کریں گے۔

م: فان تمّ التماثل بينهما فتام والافناقص (۳۵) فادغَامُ المثلين من المكررين في نحوا ضرب بعصاك والله ومن نشاء ورجالا نوحي (۳۶)

ت: پس اگر تام ہو تماثل دونوں کے درمیان' تو ادغام تام ہے ورنہ ادغام ناقص ہے پس مثلین کے دو مکرر حرف کا ادغام اِضْرِبْ بِّعَصَاكَ اور وَاللّٰهُ اور مَنْ نَّشَآءُ اور رِجَالًا نُّوْحِيْ جیسی مثالوں میں ہوگا۔

ش: (۳۵) اگر تماثل تام ہے تو ادغام تام کہلائے گا یعنی مدغم مدغم فیہ میں اس طرح مل جائے گا کہ اس کی کوئی صفت باقی نہیں رہے گی اور اگر تماثل ناقص ہے تو ادغام ناقص ہوگا یعنی ادغام تو ہوگا مگر مدغم کا کوئی نہ کوئی وصف رہے گا۔

ادغام کی اقسام: (۳۶) ادغام کی تین قسمیں ہیں۔ (۱) ادغام مثلین (۲) ادغام متجانسین (۳) ادغام متقاربین۔ اگر مدغم و مدغم فیہ دونوں حرف ایک ہی ہوں تو اسے ادغام مثلین کہیں گے اور اگر دونوں حرف ایک نہیں البتہ دونوں کا مخرج ایک ہے تو اسے ادغام متجانسین کہیں گے اور اگر دونوں کا مخرج قریب قریب ہے تو اسے ادغام متقاربین کہیں گے۔ یہاں پر مصنفؒ نے ادغام مثلین کی کئی مثالیں بیان کی ہیں اِضْرِبْ بِّعَصَاكَ کی دو باء میں۔ اَللّٰهُ کے دو لام میں۔ مَنْ نَّشَآءُ کے دونون میں اور رِجَالًا نُّوْحِيْ کے تنوین اور نون میں۔ مختلف مثالیں دے کر مختلف صورتیں غور سے سامنے آسکتی ہیں۔

م: والتنوين ايضًا نون ساكنة في الاداء دون رسم الخط

(۳۷) فان سکن ما بعده فعلی الاصل تکسر لاجتماع الساکنین علیٰ غیر حده (۳۸) ولا یدغم فی نحو فی یوم وقالوا وهم (۳۹) لعدم المماثلة عند الخلیل ولترجیح المد الذاتیة علی الادغام العارضة عند سیبویه۔ (۳۹)

ت: اور تنوین بھی نون ساکنہ ہے ادا کے اعتبار سے نہ کہ رسم الخط میں۔ پس اگر نون ساکن کا مابعد ساکن ہو تو قاعدہ کلیہ کے مطابق کسرہ دیا جائے گا اجتماع ساکنین علیٰ غیر حدہ کی وجہ سے اور فِيْ يَوْمٍ اور قَالُوْا وَهُمْ جیسی مثالوں میں ادغام نہیں ہوگا امام خلیل رحمہ اللہ کے نزدیک مماثلت نہ ہونے کی وجہ سے اور امام سیبویہ رحمہ اللہ کے نزدیک مد ذاتی کو مد عارضی پر ترجیح دینے کی وجہ سے۔

ش: (۳۷) رِجَالًا نُّوْحِيْ مثال ہے تنوین اور نون میں ادغام کی اس پر یہ شبہ ہوسکتا ہے کہ مثلین کہاں پایا گیا تنوین الگ جنس اور نون الگ قسم یہ عبارت اسی شبہ کا جواب ہے کہ ادا کرنے کے اعتبار سے تنوین اور نون ساکن میں کوئی فرق نہیں ہے کہو اً، اَنْ، بًا، بَنْ۔ ہاں رسم الخط میں فرق ہے تنوین حرف کے اوپر دو زبر یا دو زیر یا دو پیش کو لگا دو اور نون ساکن مستقلاً لکھا جاتا ہے۔

(۳۸) نون ساکن اور اسی حکم میں تنوین کے بعد والا حرف بھی ساکن ہو تو اجتماع ساکنین علیٰ غیر حدہ کی وجہ سے اصل کے مطابق اسے کسرہ دے دیا جائے گا اور اصل قاعدہ ہے الساکن اذا حرك حرك بالكسر۔ یعنی حرف ساکن کو جب حرکت دینی ہو تو کسرہ کی حرکت دو۔ مزید تفصیل اس کی ان شاء اللہ آئندہ آجائے گی۔

(۳۹) اوپر ادغام مثلین کا قاعدہ بیان کیا تھا اس پر اشکال یہ ہے کہ فِيْ يَوْمٍ اور قَالُوْا وَهُمْ جیسی مثالوں میں بھی یہ قاعدہ پایا جاتا ہے۔ دیکھو پہلی مثال میں دو یاء اور دوسری مثال میں دو واؤ ہیں پھر ان میں ادغام کیوں نہیں ہوتا۔ اس کا جواب امام خلیل بن احمد رحمہ اللہ کے نزدیک تو یہ ہے کہ یہاں پر قاعدہ ہی نہیں پایا جارہا ہے اس لئے کہ مماثلت نہیں۔ غور کرو تو

معلوم ہوگا کہ پہلی یاء مدہ ہے اور دوسری یاء متحرکہ ہے اور دونوں کا مخرج جدا جدا ہے کما مرّ سابقًا۔ اسی طرح واو مدہ اور واو متحرک کا مخرج جدا ہے اور امام سیبویہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قاعدہ تو پایا جا رہا ہے کہ دونوں واؤ اور یاء ہیں مگر ادغام کرنے کی صورت میں ادغام عارضی کو مدِ ذاتی پر ترجیح دینا لازم آئے گا حالانکہ عارض کے مقابلہ میں ذات قابل ترجیح ہے اور یہ ترجیح اس طور پر لازم آتی ہے کہ اگر ادغام کرتے ہیں قاعدۂ مذکورہ کی بناء پر قَالُوْا کا مدِ ذاتی بقدر ایک الف حرف مد کی وجہ سے ختم ہو جائے گا اس لئے کہ ادغام کہتے ہی ہیں ملا دینے کو جس میں اول کی ذات وصفت فوت ہو جائے لہٰذا ادغام نہ کرنا چاہیے' علماء نے دونوں فریق کے دلائل دیئے ہیں۔

م: ویدغم نحو (۴۰) قد دخلوا اجراء الساکن مجری المتحرك فی عدم بیان القلقلة مع بقاءها ولثبوت الروایة (۴۱) والحلقیة تدغم فی مثلها

ت: اور ادغام کیا جائے گا قَدْ دَّخَلُوْا جیسی مثالوں میں ساکن کو جاری رکھتے ہوئے متحرک کی جگہ قلقلہ کے ظاہر نہ ہونے میں (صفت) قلقلہ کے باقی رکھنے کے ساتھ اور روایت کے ثابت ہونے کی وجہ سے اور حروف حلقیہ کا انہیں جیسے حروف میں ادغام ہوگا۔

ش: (۴۰) عموماً مثالوں کے ساتھ نحو کا استعمال ہوتا ہے جس سے قاعدہ کی طرف اشارہ ہوتا ہے اور مطلب ہوتا ہے اس جیسی مثال جہاں بھی ہو یا مثال پر جو قاعدہ منطبق ہو رہا ہے اس پر جتنی بھی مثالیں آ جائیں۔

(۴۱) اوپر جو قاعدہ پیش کیا تھا کہ ذات راجح ہوتی ہے عارض پر اس پر یہ اشکال ہو گیا کہ پھر تو قَدْ دَّخَلُوْا کی دال میں ادغام نہ ہونا چاہیے اس لئے کہ پہلی دال ساکن ہے اور حروف قلقلہ میں صفت قلقلہ کو ظاہر کرنا چاہیے خصوص حالت سکون میں اظہار واجب ہے اور قلقلہ حرف کی صفت ذاتی ہے اب اگر قلقلہ کیا جاتا ہے تو ظاہر ہے کہ حرف متحرک کی آواز پائی جائے گی اس صورت میں دونوں حرف متحرک ہو گئے ادغام کی شرط یعنی پہلا ساکن ہونا

مفقود ہوگئی اس کے مصنفؒ نے دو جواب دیئے۔

پہلا جواب تو یہ ہے کہ صفت قلقلہ کو باقی رکھتے ہوئے ادغام کی بناء پر قلقلہ ظاہر نہیں کریں گے اور اتنی حد تک ہم اس ساکن کو متحرک مان لیں گے تا کہ اظہار قلقلہ کے اعتراض سے کچھ تو حفاظت رہے۔ اسی اشکال و جواب کی تقریر والد صاحب مدظلہ کے حواشی میں یہ ہے کہ حروف قلقلہ متحرکہ میں بوجہ حرکت قلقلہ ظاہر نہیں ہوتا اسی طرح حروف قلقلہ مشددہ میں بھی بوجہ حرکت ظاہر کرنے کے قلقلہ ظاہر نہیں ہوگا۔ حالانکہ قلقلہ باقی ہے۔ بس یہی مثال دے کر اعتراض کا جواب دیا کہ قَدْ دَّخَلُوْا وغیرہ کے بارے میں شبہ نہ کیا جائے قَدْ دَّخَلُوْا میں قلقلہ تشدید کے وقت ظاہر نہیں ہوتا۔ اور نہ ظاہر ہونے کی وجہ یہ ہے کہ تشدید کا سکون بمنزلہ متحرک کے ہے کہ جس طرح بحالت حرکت قلقلہ ظاہر نہیں ہوتا اسی طرح تشدید کے سکون میں بھی قلقلہ ظاہر نہیں ہوتا اس لئے قلقلہ مشددہ کا سکون بمنزلہ حرکت کے ہے یہی وجہ ہے کہ راء مشددہ میں بھی حکم راء متحرکہ کا دیا جاتا ہے۔ یہ نہیں ہوتا کہ راء مشددہ کے سکون سے پہلے والی حرکت تابع ہو بلکہ خود راء مشددہ پر جیسی حرکت ہوگی ویسی راء پڑھی جائے گی۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ اس میں ادغام کی روایت ہی ثابت ہے اور جب روایت ثابت ہے تو پھر کوئی قاعدہ مخل نہیں ہوسکتا اس لئے کہ قاعدے تو روایات سے بنے ہیں ودیننا مبنی علی النقول لاعلی مناسبة العقول۔ خلاصۃ البیان کے عام نسخوں میں یہ عبارت اسی طرح طبع ہوئی ہے بعد میں خود مصنفؒ کے قلم سے بہت سی عبارتوں میں ترمیم واصلاح ہوئی جو ان کے صاحبزادہ محترم حضرت مولانا قاری محب الدین احمد صاحب رحمہ اللہ کے پاس محفوظ تھی۔ ابھی امدادیہ دیوبند سے حضرت قاری صاحب رحمہ اللہ کی فہمائش پر وہ اصلاح شدہ نسخہ چھپا ہے مگر افسوس کہ اس مطبوعہ نسخہ میں بھی کتابت وطباعت کی کافی اغلاط باقی رہ گئیں۔ فیاللاسف۔ اس نسخہ میں یہ عبارت ہے وفی عدم بیان القلقلة لانها اثقل مع ثقل للاجتماع ولثبوت الروایة۔ اس صورت میں مع بقائها کی قید ختم ہوگئی اور لا نها اثقل مع ثقل للاجتماع کی عبارت علت کے بیان کرنے کے

لئے لائی گئی اور مطلب یہ ہو گیا کہ قَدْ دَّخَلُوْا میں قلقلہ اس لئے ظاہر نہیں کیا جائے گا کہ ظاہر کرنے کی صورت میں اثقل (زائد ثقیل) ہو جائے گا۔ اس لئے کہ نفس ثقل اجتماع مثلین کا تو ہے ہی اب اظہار قلقلہ کی وجہ سے اور ثقل پیدا ہوگا اس لئے قلقلہ نہ کیا جائے۔

م: لافی غیرہ (۴۲) وادغام المتجانسین (۴۳) من مخرج واحد فی یلھث ذالک وارکب معنا (بعد ترک القلقلۃ) عن الحفص۔

ت: اور مثل کے علاوہ میں نہیں (ادغام ہوگا) اور ادغام متجانسین ایسے دو حرفوں میں ہوگا جو ایک مخرج سے ہوں جیسے یَلْهَثْ ذّٰلِكَ اور اِرْكَبْ مَّعَنَا امام حفص کے نزدیک۔

ش: (۴۲) حروف حلقیہ کا اپنے مثل میں ہی ادغام ہو سکتا ہے جیسے یُوَجِّهْهُّ، مَالِيَهْ هَّلَكَ۔ وغیرہ کی دو ہاء میں غیر مثل (مجانس یا مقارب) اور حروف حلقیہ کے علاوہ میں ادغام نہیں ہوگا لہٰذا فَاصْفَحْ عَنْهُمْ میں حاء کا عین میں اور لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا میں غین کا قاف میں ادغام نہیں ہوگا اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ادغام سے مقصود خفت فی اللفظ یعنی بولنے میں آسانی ہے اور حروف حلقیہ کے ادغام سے اہل زبان کے نزدیک بجائے آسانی کے ثقل اور گرانی آ جاتی ہے اس لئے مجانس و مقارب میں ادغام نہیں کرتے البتہ اپنے مثل میں ادغام ہو جائے گا اس لئے کہ تماثل ادغام کا قوی ترین سبب ہے۔

(۴۳) ادغام متجانسین یعنی ہم جنس حروف کا ادغام یعنی دونوں کا مخرج ایک ہو جیسے یَلْهَثْ ذّٰلِكَ میں ثاء کا ذال میں ادغام اور اِرْكَبْ مَّعَنَا میں باء کا میم میں ادغام ہو رہا ہے۔ یہ ادغام ان دو مثالوں میں امام حفص رحمہ اللہ کے نزدیک ہے اسی لئے مصنف رحمہ اللہ نے عن الحفص کے الفاظ صراحۃً استعمال فرمائے چنانچہ اور حضرات کا اختلاف بھی ہے مثلاً یَلْهَثْ ذّٰلِكَ میں امام ابن کثیر رحمہ اللہ، ورش رحمہ اللہ اور ہشام رحمہ اللہ کا قول اظہار کا ہے اور اِرْكَبْ مَّعَنَا میں ورش رحمہ اللہ، امام ابن عامر رحمہ اللہ اور خلف رحمہ اللہ کا قول اظہار کا ہے بعض حضرات کے دونوں قول اظہار و ادغام کے منقول ہیں۔ یہاں اصلاح شدہ نسخہ میں بعد ترک القلقلۃ کی عبارت کا اضافہ ہے ہم نے اس کو بین القوسین لکھ دیا تا کہ فرق رہے اور

مطلب یہ ہے کہ اِرْکَبْ مَّعَنَا میں ادغام قلقلہ کے ترک کے بعد ہوگا ورنہ باء کا ادغام میم میں نہ ہوگا۔

م: وفی نحو قالت طّائفة واذ ظلموا وقد تبین واجیبت دعوتکما (۴۴)

ت: اسی طرح قَالَتْ طَّآئِفَةٌ۔ اِذْ ظَّلَمُوْا۔ قَدْ تَّبَيَّنَ۔ اُجِيْبَتْ دَّعْوَتُكُمَا جیسی مثالوں میں ادغام ہوگا۔

ش: (۴۴) اسی طرح قَالَتْ طَّآئِفَةٌ یعنی تاء کا طاء میں اِذْ ظَّلَمُوْا یعنی ذال کا ظاء میں قَدْ تَّبَيَّنَ اور اُجِيْبَتْ دَّعْوَتُكُمَا دال اور تاء کا ایک دوسرے میں ادغام ہوتا ہے بہرحال ہر وہ جگہ جہاں یہ صورت پائی جائے گی وہاں ادغام ہوگا۔

م: اما فی نحو بسطت فناقص لعدم القلقلة لانها اثقل والابدال (۴۵) فان القوی لا یدغم غالبًا فی الضعیف الا ناقصًا (۴۶) ولا عکس (۴۷)

ت: البتہ بَسَطْتَّ جیسی مثال میں ادغام ناقص ہوگا قلقلہ کے نہ ہونے کی وجہ سے اس لیے کہ وہ ثقیل ہے اور ابدال نہ ہونے کی وجہ سے اس لیے کہ قوی کا ضعیف میں عام طور پر ادغام نہیں ہوتا مگر ادغام ناقص ہاں اس کا برعکس نہیں۔

ش: (۴۵) بَسَطْتَّ کا ادغام طاء کا تاء میں ادغام ناقص ہے۔ اس کی دو وجہ ہے پہلی وجہ یہ ہے کہ ادغام تام کرنے کی صورت میں قلقلہ نہیں ہو سکے گا کیونکہ ادغام تام میں مدغم کی ذات وصفت ختم ہو جاتی ہے حالانکہ قلقلہ طاء کی صفت ذاتی ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ ادغام تام کرنے کی صورت میں ابدال نہیں ہوسکتا یعنی مدغم کو بدل کر مدغم فیہ کی طرح نہیں کیا جا سکتا۔ اس پر یہ اشکال کہ ابدال آخر جائز کیوں نہیں۔ اس کا جواب حاشیہ نمبر ۴۶ پر ہے یہاں بھی اصلاح شدہ نسخہ **لعدم القلقلة** کے بعد **لانها اثقل** کا اضافہ ہے اور اب تقریر مسئلہ یہ ہوگی کہ بَسَطْتَّ میں ادغام ناقص کی دو وجہ بیان کی ایک

یہ کہ قلقلہ نہیں ہوگا اس کی وجہ یہ ہے کہ قلقلہ کی صورت میں ثقل ہو جائے گا۔ دوسری وجہ بتلائی کہ ابدال نہیں ہوگا اس کی علت فان القوی الخ سے بیان کی گئی۔ فافہم

(۴۶) جواب یہ ہے کہ ادغام میں مدغم کا ضعیف اور مدغم فیہ کا قوی یا مدغم کا چھوٹا اور مدغم فیہ کا بڑا ہونا ضروری ہے ورنہ ادخال شئی فی شئی ممکن نہیں۔ یہاں پر طاء قوی ہے جو مدغم ہے اور مدغم فیہ تاء ضعیف ہے اس لئے اس طرح تو ادغام ناقص ہی ہوسکتا ہے۔

(۴۷) ہاں اس کا برعکس نہیں یعنی وہ صورت جائز ہے کہ مدغم ضعیف اور مدغم فیہ قوی ہو اور یہی ہونا بھی چاہیے بمقتضائے اصل جیسے اِذْ ظَّلَمُوْا۔ قَالَتْ طَّآئِفَةٌ پہلی مثال میں ذال کا ظاء میں اور دوسری مثال میں تاء کا طاء میں ادغام ہو رہا ہے۔ الحاصل **و لا عکس** سے نفی کرنی ہے ادغام ناقص کے عدم جواز کی یعنی ادغام تام بَسَطْتَّ کے برعکس والی صورت میں جائز ہے۔

م : واما ادغام المتقاربين من مخرجين متقاربين (۴۸) فيدغم اللام في الراء (۴۹) الابل ران للسكتة عن الحفص لانها كالوقف موجبة للانفصال (۵۰)

ت : اور بہر حال ادغام متقاربین (ایسے دو حرف میں ہوگا جو) قریب قریب مخرج سے ہوں۔ پس ادغام کیا جائے گا لام کا راء میں، مگر بَلْ رَانَ میں سکتہ کی وجہ سے امام حفص کے نزدیک۔ اس لیے کہ سکتہ بھی وقف کی طرح مستلزم ہے انفصال کو۔

ش : (۴۸) ادغام متجانسین کا بعد تیسرا نمبر ادغام متقاربین کا ہے۔ نام سے ہی تعریف ظاہر ہے یعنی دو قریب المخرج حروف میں ادغام۔ لیکن قرب مخرج کے لئے یہ ضروری نہیں کہ مدغم اور مدغم فیہ کے مخارج متصل ہوں بلکہ جن دو مخرج کے حرفوں میں ادغام ثابت ہو اس کو متقاربین کہیں گے اگرچہ بظاہر وہ دونوں متباعدین ہوں جیسے مِنْ وَّالٍ میں نون واو کے مخرج میں کتنا بعد ہے اور جن دو مخرج کے حرفوں میں ادغام ثابت نہ ہو اس کو متقاربین نہ کہیں گے اگرچہ بظاہر ان دونوں حرفوں کے مخارج ایک دوسرے سے متصل ہی کیوں نہ ہو

جیسے لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا وغیرہ اس میں غین اور قاف کا مخرج بالکل قریب ہے لیکن ادغام ثابت نہیں اسی وجہ سے ادغام متقاربین کی تعریف یہ بھی کی جاتی ہے کہ نہ مثلین ہو نہ متجانسین تو متقاربین کہیں گے۔" (ماخوذ از تالیف لطیف وشرح منیف شیخ القراء استاذ الاساتذہ حضرت مولانا قاری محب الدین احمد صاحب رحمہ اللہ)

(۴۹) ادغام متقاربین کی بھی مختلف صورتیں ہیں جس میں سے مصنف رحمہ اللہ نے ایک صورت بیان کی کہ لام کا راء میں ادغام ہے جیسے قُلْ رَّبِّ۔ اس کے علاوہ باقی صورتیں یہ ہیں۔ (۲) نون ساکن وتنوین کا لام میں جیسے مِنْ لَّدُنْهُ۔ هُدًى لِّبَنِيْٓ اِسْرَآئِيْلَ۔ (۳) ان ہی دونوں کا راء میں جیسے مِنْ رَّبِّهِمْ، ثَمَرَةً رِّزْقًا۔ ان تینوں میں ادغام تام ہے۔ (۴) نون ساکن وتنوین کا واؤ میں جیسے مِنْ وَّالٍ، مَغْفِرَةٌ وَّرَحْمَةٌ۔ (۵) ان دونوں کا یاء میں جیسے مِنْ يَّوْمِهِمْ، يَوْمَئِذٍ يَّوَدُّ۔ یہ دونوں صورتیں ادغام متقاربین ناقص کی ہیں۔ چھٹی صورت اختلافی اَلَمْ نَخْلُقْكُّمْ کی آئندہ مذکور ہوگی۔

(۵۰) چھٹی صورت ادغام متقاربین کی بَلْ رَّانَ میں ہے۔ امام حفص رحمہ اللہ کے نزدیک چونکہ اس موقع پر سکتہ ہے اس لئے ان کے یہاں بَلْ رَّانَ میں باوجود قاعدہ پائے جانے کے ادغام نہیں ہوگا۔ اس لئے کہ جو احکام وقف کے ہیں وہی احکام سکتہ کے بھی ہیں۔ سکتہ کی تفصیل آئندہ صفحات میں آجائے گی کہ وقف ووصل کی درمیانی حالت کا نام ہے جس میں سانس باقی رہے اور آواز بند ہو جائے لیکن حکم میں یہ وقف کے مشابہ ہے چنانچہ وصل واتصال کے جتنے احکام ہیں۔ ادغام اخفاء اور مد منفصل یہ سب سکتہ کی وجہ سے ختم ہو جائیں گے جس طرح وقف کرنے کی صورت میں ختم ہو جاتے ہیں لہٰذا بَلْ رَّانَ اور مَنْ رَّاقٍ میں ادغام نہیں ہوگا عِوَجًا قَيِّمًا میں اخفاء نہیں ہوگا۔

م: فاحكام الاتصال كالادغام والاخفاء والمد المنفصل ترتفع بسبب السكت والوقف لارتفاع (۵۱) العارض فيرجع اللفظ الىٰ اصله كالاظهار والقصر۔ هذا۔ ولام التعريف فى الشمسية سوى

اللام (۵۲) ولام الفعل لا یدغم فی غیر الراء واللام (۵۳)۔

ت: پس اتصال کے احکام جیسے ادغام' اخفاء' مد منفصل ختم ہو جاتے ہیں سکتہ اور وقف دونوں کی وجہ سے عارض کے اٹھ جانے کی وجہ سے۔ پس لوٹ آئے گا لفظ اپنی اصل کی طرف جیسے اظہار اور قصر خوب سمجھ لو اور لام تعریف کا (ادغام ہوگا) حروف شمسیہ میں' سوائے لام کے اور لام فعل کا ادغام نہیں ہوگا راء اور لام کے علاوہ میں۔

ش: (۵۱) اتصال کے یہ احکام کیوں ختم ہوگئے اس کی علت لارتفاع العارض سے بتلا رہے ہیں چونکہ یہ سب احکام ادغام اخفاء وغیرہ عارض یعنی اتصال کی وجہ سے آئے تھے اب جب عارض ختم ہوگیا اور سکتہ کی وجہ سے اتصال مفقود ہوگیا تو لفظ اپنی اصل پر آجائے گا اور اصل حالت ہے اظہار' قصر وغیرہ وغیرہ۔ خوب سمجھ لو

(۵۲) یعنی لام تعریف کا ادغام حروف شمسیہ میں ادغام متقاربین ہوگا سوائے لام کے کہ وہ بھی حروف شمسیہ میں ہے مگر لام کا لام میں ادغام مثلین ہی ہوگا جیسے وَاللَّيْلِ حروف شمسیہ کی تفصیل پچھلے صفحات میں ملاحظہ فرمالیں۔

(۵۳) عام طور پر نسخوں میں یہ عبارت ولام الفعل لا یدغم فی غیر الراء واللام۔ چھوٹی ہوئی ہے حالانکہ اس کا اضافہ ضروری ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ لام فعل کا ادغام راء اور لام کے علاوہ میں نہیں ہوگا لام فعل سے لام کلمہ مراد نہیں بلکہ لام فعل خواہ لام کلمہ کی جگہ پر ہو یا عین کلمہ کی جگہ پر ہو یا لام کلمہ کی جگہ پر ہو بہرحال لام فعل کا ادغام لام وراء میں ثابت ہے جیسے قُلْ لَّكُمْ' قُلْ رَّبِّ۔

م: ثم النون والتنوین فی ویرمل (۵۴) بکلمتین الامن راق للسکت عن الحفص ویٰسٓ والقراٰن ونٓ والقلم للروایۃ عنہ ففی الواو والیاء عنہ وفی المیم ناقص لبقاء الغنۃ وفی الم نخلقکم خلف لکن التام اولیٰ۔

ت: اور نون ساکن اور تنوین کا (ادغام ہوگا) وَيَرْمَلُ کے (پانچ حرفوں) میں

جب کہ یہ دوکلموں میں ہو مگر مَنْ رَاقٍ میں (ادغام نہ ہوگا) امام حفص رحمہ اللہ کے نزدیک سکتہ کی وجہ سے اور یٰسٓ وَالْقُرْآنِ اور نٓ وَالْقَلَمِ میں ادغام نہ ہوگا۔ حفص رحمہ اللہ سے روایت کی وجہ سے پس واؤ اور یاء میں امام حفص رحمہ اللہ کے نزدیک اور میم میں ادغام ناقص ہوگا غنہ کے باقی رہنے کی وجہ سے اور اَلَمْ نَخْلُقْكُّمْ میں اختلاف ہے لیکن ادغام تام اولیٰ ہے۔

ش : (۵۴) اسی طرح نون ساکن اور تنوین کا ادغام وَيَرْمَلْ کے پانچ حرفوں (واؤ، یاء، راء، میم، لام) میں ادغام متقاربین ہوگا جب کہ نون ساکن یا تنوین ایک کلمہ میں اور یہ حروف دوسرے کلمہ میں ہوں۔ مصنف رحمہ اللہ نے يَرْمَلُوْنْ کے چھ حروف میں سے نون کو چھوڑ دیا۔ جب کہ عام مصنفین ادغام کی بحث اس طرح بیان کرتے ہیں کہ نون ساکن اور تنوین کے بعد يَرْمَلُوْنْ میں سے کوئی حرف آئے گا تو ادغام ہوگا اس کی وجہ یہ ہے کہ عام مصنفین نفس ادغام کو بیان کرتے ہیں اور صاحب خلاصۃ البیان ادغام متقاربین کو ذکر کر رہے ہیں اور نون ساکن وتنوین کا ادغام نون میں مثلین ہے۔ چنانچہ نہایۃ القول المفید ص ۱۱۹ پر مرقوم ہے۔ **وفي شرح الميهي على تحفة الاطفال وجه ادغامهما في النون التماثل فهم من باب ادغام المثلين۔** یہ تقریر اس وجہ سے کرنی پڑی کہ بعض لوگوں کو بادی النظر میں یہ اشکال پیدا ہو جاتا ہے کہ وَيَرْمَلُوْنْ ہونا چاہیے۔

(۵۵) نون ساکن وتنوین کا ان حروف میں ادغام اسی وقت ہوگا جب کہ دو کلمے میں ہوں لہٰذا دُنْيَا، بُنْيَانٌ، قِنْوَانٌ، صِنْوَانٌ۔ میں باوجود قاعدہ ادغام نہ ہوگا اور بعض حضرات نے بکلمتین کی قید نہیں لگائی اس صورت میں تقریر یہ ہوگی کہ باوجودیکہ قاعدہ ادغام پایا جارہا ہے لیکن ان کلمات میں روایت عدم ادغام کی ہے لہٰذا یہ مستثنیٰ من القاعدہ ہیں۔

(۵۶) مذکور فی المتن قاعدہ سے یہ تین مثالیں مستثنیٰ ہیں مَنْ رَاقٍ تو اس لئے مستثنیٰ کہ امام حفص کے نزدیک اس میں سکتہ منقول ہے اور سکتہ کا حکم پہلے گزر چکا اور یٰسٓ وَالْقُرْاٰنِ اور نٓ وَالْقَلَمِ اس لئے مستثنیٰ کہ روایت اسی طرح بلا ادغام کے ثابت ہے اور جب روایت بلا ادغام ثابت ہے تو پھر کسی قاعدہ پر اس کو تولا نہیں جا سکتا اور میرے نزدیک

اس کی یہ بھی وجہ ہو سکتی ہے کہ حروف مقطعات جن میں یٰسٓ اور نٓ بھی ہیں کے پڑھنے کا انداز جس طرح اور الفاظ سے الگ نیز ان کے معانی بھی خلق انسانی کو معلوم نہیں اسی طرح اس کے پڑھنے کا انداز بھی سب سے الگ اور نرالا ہوگا۔ اس لئے ان حروف کو کسی دوسرے سے ملائے بغیر صاف صاف پڑھنا چاہیے تاکہ یہ مستقلاً ادا ہوں۔ واللہ اعلم بالصواب

(۵۷) ان پانچ حروف میں سے میم میں اور امام حفص رحمہ اللہ کے نزدیک واؤ اور یاء میں ادغام ناقص ہوگا جیسے مَنْ يَّقُوْلُ، مِنْ وَّالٍ اسی طرح مِنْ مَّرْقَدِنَا۔

(۵۸) اَلَمْ نَخْلُقْكُّمْ میں اختلاف ہے کہ ادغام تام ہوگا یا ناقص قاعدہ کے اعتبار سے ادغام ناقص ہونا چاہیے مگر کامل رفع ثقل کی وجہ سے ادغام تام اولیٰ ہے۔ یہ اختلاف تام اور ناقص کا ہے اظہار وادغام کا نہیں۔

﴿تنبیہ﴾ ادغام کی بحث مختصراً تقریباً پوری ہوگئی اب چند باتیں بطور حاصل بحث بیان کی جاتی ہیں۔

① جب بھی مثلین یا متجانسین جمع ہوں اور ادغام کی شرط پائی جا رہی ہو اور مانع موجود نہ ہو تو مثلین وجنسین میں سے پہلے کا دوسرے میں ادغام کرنا واجب ہے اور بہت سے موقعوں میں متقاربین کے جمع ہونے کی صورت میں بھی ادغام کرنا ضروری ہے۔

② ادغام کی شرط یہ ہے کہ پہلا حرف مدغم ساکن ہو اور دوسرا حرف مدغم فیہ متحرک ہو البتہ پانچ کلمے ایسے ہیں جن میں شرط ادغام نہ پائے جانے کے باوجود ادغام ہوتا ہے۔ [1] نِعِمَّا بقرہ اور نساء میں۔ [2] اَتُحَآجُّوْنِّيْ، [3] مَكَّنِّيْ، [4] تَاْمُرُوْنِّيْ۔

③ ادغام کے موانع ① مثلین میں پہلا حرف ساکن اگر واو مدہ یا یائے مدہ ہو تو اس کا واؤ اور یاء متحرک میں۔ ② متجانسین میں پہلا حرف اگر حلقی ہو تو اس کا دوسرے حلقی حرف میں ادغام نہیں ہوتا۔ کما مر۔ اور بھی موانع ادغام ہیں۔

④ ادغام کی علت۔ تین ہیں۔ تماثل، تجانس، تقارب۔

⑤ ادغام کی قسمیں تین ہیں۔ مثلین، متجانسین، متقاربین۔ مثلین میں ادغام کا سبب

تماثل ہے۔ متجانسین میں تجانس اور متقاربین میں ادغام کا سبب تقارب ہے۔

۶ ادغام کی کیفیت کے اعتبار سے دو قسم ہے۔ تام' ناقص' اگر مدغم کو مدغم فیہ سے بالکل بدل کر اس طرح ادغام کریں کہ مدغم کی کوئی صفت باقی نہ رہے تو یہ ادغام تام کہلاتا ہے اور اگر مدغم کی کوئی صفت باقی رہے تو یہ ادغام ناقص ہے۔

م: والاخفاء (۵۹) هي حالة بين الاظهار والادغام اى ابطال الذات كاملًا كما في النون

ت: اور اخفاء ایک حالت ہے اظہار اور ادغام کے درمیان یعنی ذات کو باطل کر دینے کا کامل ہو' جیسا نون میں۔

ش: اخفاء: (۵۹) اظہار وادغام سے فراغت کے بعد اب اخفاء کو جو دونوں کی درمیانی حالت ہے بیان کر رہے ہیں۔ اخفاء کی تعریف کی کہ اظہار وادغام کی درمیانی حالت ہے یعنی ذات کو باطل کر کے اس کے بعد والے حرف کے ساتھ غنہ ملایا جائے۔ اسی کی تعریف مصنف کی دوسری کتاب ضیاء القرآءۃ کے حوالہ سے ملاحظہ فرمایئے" اخفاء یعنی نون اور میم کی صرف صفت غنہ مابعد کے حرف سے مل کر ادا ہو اور خود حرف اپنے مخرج سے ادا نہ ہو جیسا کہ پنکھا اور سنگ وغیرہ میں غنہ ادا ہوتا ہے۔" اس کے شارح نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں۔" اخفاء ایک ایسی طبعی ادا ہے کہ اپنی زبان نیز الفاظ قرآن میں بلا کسی تکلف کے خود بخود ادا ہو جاتا ہے جیسا کہ پنکھا کی مثال سے ظاہر ہے اسی طرح عَنْكَ مِنْكَ وغیرہ میں بھی اخفاء ادا کرتے وقت نون ظاہر نہ ہوگا بس یہی اخفاء ہے البتہ اخفاء کرتے وقت اس کا ضرور خیال کرنا چاہیے کہ خود حرف مخفی بعد والے حرف سے متاثر نہ ہو اور نہ بعد والا حرف متاثر ہونے پائے ورنہ اخفاء اور ادغام باغنہ میں کوئی فرق نہیں ہوگا بالخصوص نون کے اخفاء میں اس کا بھی خیال رکھنا چاہیے کہ نوک زبان نون کے مخرج سے جدا رہے تا کہ اخفاء تام ہو ورنہ میم کے اخفاء سے فرق نہ ہوگا کیونکہ میم مخفاۃ اپنے مخرج سے ضعیف ادا ہوتی ہے اسی وجہ سے اس کا اخفاء تام نہیں ہوتا۔"

(تنویر القرأۃ ص ۵۴)

﴿حضرت قاری محب الدین صاحب رحمہ اللہ نے جو یہ فرمایا ہے کہ "نوک زبان نون کے مخرج سے جدا رہے" یہ بات محل نظر ہے اس لیے کہ نون مخفاۃ کی ادائیگی میں زبان کا مخرج اصلی سے بہرحال تعلق ہوتا ہے گو ادنیٰ درجہ میں ہو اس موقع پر حضرت قاری عبدالرحمٰن صاحب مکی رحمہ اللہ کا فوائد مکیہ میں اپنا تحریر کردہ حاشیہ ملاحظہ کیا جائے نیز حضرت قاری صاحب رحمہ اللہ نے ایک مستقل رسالہ بھی نون مخفاۃ سے متعلق تحریر کیا ہے جو ہماری مطبوعہ "شرح فوائد مکیہ" میں شامل ہے۔ قاری نجم الصبیح التھانوی﴾

م: او ناقصًا كما فى الميم (٦٠) مع بقاء الغنة الممزوجة بما بعدها (٦١) من غير تشديد وهو فى الميم (٦٢) الساكنة قبل الباء بابطال ناقص اولىٰ من الاظهار رواية ودراية

ت: یا ناقص ہو جیسا کہ میم میں اس غنہ کے باقی رکھنے کے ساتھ جو اس کے بعد کے ساتھ ملا ہوا ہوگا اور اخفاء میم ساکنہ میں باء سے پہلے ناقص کو ختم کر کے' بہتر ہے اظہار سے نقلاً اور عقلاً۔

ش: (٦٠) یہ عبارت ناقصا كان كما في الميم او تا ما كما في النون۔ تمام نسخوں میں موجود نہیں البتہ خلاصۃ البیان کے حاشیوں میں والد صاحب کے قلم سے نیز اور نسخوں میں بھی یہ اضافہ دیکھا اس وجہ سے ہم نے اسے متن میں داخل کر دیا اور مطلب وہی ہے جو تنویر الرأۃ کی نقل کردہ عبارت میں آ گیا کہ میم مخفاۃ اپنے مخرج سے ضعیف ادا ہوتی ہے اسی وجہ سے اس کا اخفاء تام نہیں ہوتا برخلاف نون کے کہ اس کا اخفاء تام ہوتا ہے۔

(٦١) غنہ مابعد کے حرف سے مل کر ادا ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ مابعد والے حرف میں غنہ جذب اور مدغم ہو جائے بلکہ اس طرح سے صفت غنہ مابعد کے حرف سے مل کر ادا ہو (جیسا کہ اظہار کی حالت میں ایک حرف مع صفت دوسرے حرف سے مل کر ادا ہوتا ہے لیکن بحالت اخفاء ذات حرف نہ ظاہر ہوتا کہ ادا پر اخفاء کی پوری تعریف صادق آئے اور غنہ بقدر ایک الف ادا ہو جائے۔ (۱۲ تنویر ص ۵۴)

(۶۲) یہاں سے اخفاء کا محل بتلا رہے ہیں۔ (۱) میم ساکن کے بعد باء آئے تو اخفاء ہوگا جیسے اَمْ بِهٖ جِنَّةٌ اس میں گو دوسرا قول اظہار کا بھی ہے مگر مصنفؒ نے بتلا دیا کہ عقلاً و نقلاً اخفاء کا قول ہی ثابت ہے تاکہ علت ادغام کی رعایت ہو جائے اور غنہ کو باقی رکھا جائے۔

م: ابقاء للغنة مع رعاية علة الادغام ① وفي النون الساكنة والتنوين اذا وقع بعد احدهما غير الحلقية ويرملون ولو كان باءً فيقلب (۶۳) مما مخفاةً۔

ت: غنہ کو باقی رکھتے ہوئے ادغام کی علت کی رعایت کے ساتھ اور (اخفاء ہوگا) نون ساکن اور تنوین میں جب ان دونوں میں سے کسی ایک کے بعد حروف حلقی اور یَرْمَلُوْنْ کے علاوہ کوئی حرف آئے اور اگر باء ہو تو بدلا جائے گا میم مخفاۃ سے۔

ش: (۶۳) یہ اخفاء کا دوسرا محل ہے یعنی نون ساکن اور تنوین کے بعد حروف حلقی اور حروف یَرْمَلُوْنْ اور باء کے علاوہ کوئی حرف آئے تو اخفاء ہوگا جیسے مِنْكُمْ، مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ۔ نون ساکن اور تنوین کے بعد آنے والے پندرہ کلمات کو کسی شاعر نے بڑے عمدہ طریقہ پر دو شعر میں جمع کر دیا ع

ضحكت زينب فابدت ثنايا ترکتني سكران دون شرابي
طوقتني ظلما قلائد ذل جرعتني جفونها كاس صابي

شعرِ مذکور میں ہر کلمہ کا پہلا حرف دیکھ لیجئے جن میں اخفاء ہوگا البتہ جَفُوْنُهَا میں جیم مکرر ہے شعر کا ترجمہ خود کیجئے اور لطف اٹھائیے۔

اقلاب: مصنف نے اقلاب کو اخفاء کے بعد بہت مختصر انداز میں بیان کر دیا اس کی وجہ یہ ہے

---

① تمام قدیم نسخوں میں روایۃً و درایۃً سے یہاں تک عبارت اسی طرح چلی آ رہی ہے۔ مصنفؒ نے اس کے بجائے یہ عبارت تحریر فرمائی جو امدادیہ دیوبند کے نئے نسخہ میں چھپ گئی وہ یہ ہے بخلاف المقلوبة فانه واجب لكن الاخفاء هٰهنا كما قالوا بستر الذات لضعف الاعتماد مع اظهار الغنة۔ "بخلاف میم مقلوبہ کے کہ اس میں اخفاء واجب ہے لیکن اخفاء یہاں پر جیسا کہ علماء نے کہا ذات کو چھپا کر ہوگا ضعف اعتماد کی وجہ سے غنہ کے اظہار کے ساتھ اور اس کی تقریر کے لئے حاشیہ نمبر ۶۳ ملاحظہ ہو۔ واللہ اعلم

کہ اقلاب بھی ایک قسم کا اخفاء ہی ہے فرق یہ ہے کہ اقلاب میں نون ساکن اور تنوین کو میم سے بدل کر اخفاء کیا جاتا ہے جیسے لَيُنۢبَذَنَّ۔ اسی لئے قلب کی کوئی مستقل علت مثل علت ادغام وغیرہ بیان نہیں کی گئی۔ اس لئے کہ قلب ادا ہونے سے پہلے حقیقتاً اخفاء ہی کی علت پائی گئی چنانچہ قبل باء کے نون ساکن کا اخفاء ہی کیا جائے گا کیونکہ بلا اخفاء کے قلب ممتنع ہے پس میم اور باء کی مشارکت مخرج اور نون میم کی مشارکت صفت غنہ کی وجہ سے باء کے قبل نون اور تنوین کا اخفاء کرتے وقت میم سنائی دیتی ہے جو ارادۃً نہیں بلکہ تبعاً ہے کیونکہ یہ غیر ممکن ہے کہ قبل باء کے نون کا اخفاء کیا جائے اور میم مسموع نہ ہو اسی غیر اختیاری کیفیت کا نام قلب ہے لہٰذا قلب سے پہلے نون ساکن اور تنوین کا اخفاء ہوگا پھر میم مقلوبہ کا اخفاء ہوگا کیونکہ بعد قلب محض اظہار کرنے سے میم مقلوبہ کا میم مبدلہ کے ساتھ التباس لازم آئے گا۔ جیسے اَنْۢ بُوْرِكَ کی جگہ اَمْ بُوْرِكَ لیکن میم مقلوبہ اور میم اصلیہ کے اخفاء میں اداءً کچھ فرق نہیں ہے البتہ ان دونوں میں حکماً فرق ہے یعنی میم اصلیہ میں اخفاء جائز ہے جیسا کہ پہلے آچکا اور میم مقلوبہ میں اخفاء واجب ہے اس لیے کہ میم دراصل کوئی الگ حرف نہیں بلکہ باء کے نزدیک نون مخفی ہی کی آواز ہے جو میم معلوم ہوتی ہے' اسی وجہ سے نون مخفی میں بجائے اخفاء کے اظہار جائز نہیں اور غنہ دونوں میں ایک ہی الف ہوگا۔

(تنویر ص ۵۳ از حضرت مولانا قاری محب الدین احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ)

م: الاّ عِوَجًا قَيِّمًا (۶۴) للسكت عن الحفص والسكت عنه اربعة فالرابعة علىٰ مِنْ مَّرْقَدِنَا وهى حالة بين الوقف والوصل اى قطع الصوت بدون النفس لكنها مختصة بالوصل۔

ت: مگر عِوَجًا قَيِّمًا (میں اخفاء نہیں ہوگا) سکتہ کی وجہ سے امام حفص کے نزدیک اور سکتہ امام حفص رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک چار جگہ ہے (جن میں سے تین گزر گئے) اور چوتھا مِنْ مَّرْقَدِنَا پر اور سکتہ ایک حالت ہے وقف اور وصل کے درمیان یعنی آواز ختم کر دینا بغیر سانس کے لیکن سکتہ مخصوص ہے وصل کے ساتھ۔

ش: سکتہ کا بیان: (۶۴) مذکورہ قاعدہ سے عِوَجًا قَيِّمًا مستثنیٰ ہے اس لیے کہ امام حفصؒ سے اس میں سکتہ منقول ہے، چونکہ ضمناً سکتہ کا ذکر آ گیا تھا اس لیے اس کی بحث شروع فرمادی۔کل سکتے امام حفصؒ سے چار منقول ہیں جس میں سے تین گزر چکے۔ بَلْ رَانَ۔ مَنْ رَاقٍ۔ عِوَجًا قَيِّمًا اور چوتھا مِنْ مَّرْقَدِنَا ہے سکتہ کی تعریف ہے آواز ختم کر کے سانس جاری رکھا جائے۔ وصل کی تعریف ہے سانس اور آواز دونوں جاری رکھے جائیں اور وقف میں سانس اور آواز دونوں ختم ہو جائیں تو یقیناً سکتہ وقف و وصل کی درمیانی حالت ہوئی لیکن ظاہر ہے کہ سکتہ وصل یعنی مابعد سے ملانے کی ہی صورت میں ہوسکتا ہے۔

م: وفی الاحکام نحو الابدال والاسکان کالوقف (۶۵) والسکتة الغیر المرویة کسکتات الفاتحة غلط (۶۶) فاحش۔

ت: اور احکام میں جیسے ابدال اور اسکان میں وقف کی طرح ہے اور (اس کے علاوہ) جو سکتے منقول نہیں جیسے فاتحہ کے سکتات فحش غلطی ہے۔

ش: (۶۵) البتہ احکام اور کیفیت سکتہ کے اعتبار سے وقف کی طرح ہے جس طرح وقف کرنے میں ابدال یعنی اگر تنوین زبر والی ہو تو الف سے بدلنی پڑتی ہے اور اسکان یعنی آخری حرف متحرک ہو تو وقف میں ساکن کرنا پڑتا ہے وغیرہ وغیرہ وہ تمام سکتہ کی صورت میں بھی کرنے ہوں گے۔

(۶۶) ان چار مواقع کے علاوہ اور جن جگہوں پر سکتہ مشہور ہے وہ سب فاحش غلطی ہیں جیسے فاتحہ میں سکتات وغیرہ۔ صاحب فوائد مکیہ نے لکھا ہے کہ عوام میں جو مشہور ہے کہ سورۂ فاتحہ میں سات جگہ سکتہ کرنا نہایت ضروری ہے اور اگر سکتہ نہ کیا جائے تو شیطان کا نام ہوجائے گا سخت غلطی ہے وہ سات جگہ یہ ہیں۔ دُلِلْ۔ هِرَبْ۔ كِيَوْ۔ كَنَعْ۔ كَنَسْ۔ تَعَلَ۔ بِعَلَ۔ فوائد مکیہ ص ۱۳۱ اگر اسی طرح کلمہ کو کاٹ کاٹ کر سکتے نکالے جائیں تو نہ معلوم کتنے بے معنی شیطانی سکتے نکل آئیں گے۔ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں۔ ''وما اشتهر على لسان بعض الجهلة من القرأن فی سورة الفاتحة للشیطن كذا من الا.

سماء فی مثل هذه التراکیب من البناء فخطاء فاحش واطلاق قبیح ثم سکتهم عن نحودال الحمدو کاف ایاك وامثا لها غلط صریح۔ ''

(المنح الفکریه لعلی القاری ص ۶۳)

م : کاخفاء المیم الساکنة او قلقلتها فی نحو علیهم ولا هم فیها (۶۷) وکذالك محض الاظهار والادغام فی لاتأمنا علیٰ یوسف فلا بد فیه من الروم فی الاظهار ومن الاشمام فی الادغام للروایة (۶۸) واما اتصال (۶۹) المدة بالهمزة القویة لاجتماع الضعیف بالقوی۔

ت : جس طرح میم ساکن کا اخفاء یا قلقلہ عَلَيْهِمْ وَلَا۔ هُمْ فِيْهَا میں (بالکل غلط ہے) اسی طرح محض اظہار یا محض ادغام لَا تَاْمَنَّا عَلٰى يُوْسُفَ میں (غلط ہے)۔ پس ضروری ہے اس میں روم اظہار کی صورت میں اور اشمام ادغام کی صورت میں روایت کی وجہ سے کیا جائے اور بہرحال (حروف مدہ) کا ملنا ہمزہ قویہ کے ساتھ ضعیف کے جمع ہونے کی وجہ سے قوی کے ساتھ

ش : (۶۷) جیسے میم ساکنہ کا اخفاء یا اس کا قلقلہ غلط ہے۔ عَلَيْهِمْ وَلَا۔ هُمْ فِيْهَا جیسی مثالوں میں یعنی ایسی جگہ جہاں میم ساکن کے بعد واؤ یا فاء آئے شیخ محمد مکی نصرؒ فرماتے ہیں کہ باء اور میم کے علاوہ تمام حرفوں میں اظہار ہوگا۔ اور اس کا نام اظہار شفوی ہے اور ان حروف میں واؤ اور فاء کے وقت اور زیادہ ظاہر ہونا چاہیے تاکہ یہ وہم نہ رہے کہ ان دونوں میں اخفاء ہو جیسے باء میں اخفاء ہوتا ہے۔ یہ شبہ اس لیے ہوسکتا ہے کہ باء اور فاء اور واؤ کا مخرج تقریباً ایک ہے۔ اسی لیے علامہ ابن الجزری شارح فن نے اس کے اظہار پر زیادہ زور دیا۔ فرماتے ہیں۔

وَاَظْهِرَنْهَا عِنْدَ بَاقِي الْاَحْرُفِ وَاحْذَرْ لَدٰى وَاوٍ وَّفَا اَنْ تَخْتَفِيْ

جس طرح سے اخفاء غلط ہے اسی طرح اس میں ادغام بھی نہ ہوگا اگرچہ دونوں کا مخرج قریب قریب ہے اس لیے کہ واؤ میں ادغام کرتے ہیں تو نون ساکن کے واؤ میں ادغام سے

اشتباہ ہو جائے گا اور یہ معلوم نہیں ہوگا کہ میم ہے یا نون۔ اسی طرح فاء میں بھی ادغام نہیں ہوگا اس لیے کہ میم قوی ہے اور فاء ضعیف ہے اور قوی کا ضعیف میں ادغام نہیں ہوتا جب نہ اخفاء ہے نہ ادغام تو اب کامل اظہار ہوگا لیکن اس اظہار میں حرکت کی آمیزش بالکل نہ ہو بلکہ سکون تام ہو اور نہ ہی قلقلہ کی صورت پیدا ہو اس لیے کہ میم حروف قلقلہ میں سے نہیں ہے واللہ اعلم۔

(۶۸) اسی طرح خالص اظہار یا خالص ادغام لَا تَاْمَنَّا عَلٰى يُوْسُفَ میں بھی غلط ہے لَا تَاْمَنَّا اصل میں لَا تَاْمَنُنَا دونون سے تھا۔ پہلا نون مضموم۔ دوسرا مفتوح۔ اب مثلین کی وجہ سے اول نون کو ساکن کر کے ادغام کر سکتے ہیں لیکن ادغام کی صورت میں اشمام ہوگا یعنی ہونٹوں سے ضمہ کی طرف اشارہ کریں گے تاکہ ادائیگی کے وقت یہ معلوم ہو جائے کہ اصلاً مضموم متحرک تھا۔ اور اظہار بھی کر سکتے ہیں اس لیے کہ شرط ادغام پہلے کا ساکن ہونا تو پایا نہیں گیا لیکن اظہار کی صورت میں روم کرنا ہوگا یعنی ضمہ کامل طور پر ادا نہیں کیا جائے گا۔ بلکہ ثلث حرکت سلب کر لی جائے گی۔ کوئی اس پر اشکال کرے کہ روم و اشمام یہاں کہاں سے آ گیا اس کا جواب یہ کہ روایت سے اسی طرح ثابت ہے۔

مد کا بیان: (۶۹) یہاں سے مد کے مسائل شروع فرما رہے ہیں۔ مد لغت میں زیادہ کرنے کو کہتے ہیں چنانچہ قرآن کریم میں يُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وارد ہے۔ قراء و مجودین کی اصطلاح میں مد کہتے ہیں حروف مدہ میں آواز کے بڑھانے کو اس کا مقابل قصر ہے۔ جس کے معنی ہیں حرف مد کو باقی رکھ کر اس پر زیادتی نہ کرنا۔ طبرانی نے معجم کبیر میں روایت نقل کی ہے کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ایک آدمی کو پڑھا رہے تھے اس نے اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَآءِ قصر سے پڑھا تو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا اس طرح مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہیں پڑھایا تھا۔ مجھے تو اس طرح پڑھایا تھا۔ پھر خود پڑھ کر سنایا اور لِلْفُقَرَآءِ میں مد کیا۔ امام ابن الجزری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سند کے رجال ثقہ ہیں اور روایت سے مد کے جواز و ثبوت پر نص صریح ہے۔

حروف مدتین ہیں۔ ① الف ماقبل مفتوح ② واؤ ماقبل مضموم ③ یاء ماقبل مکسور۔

م: واتصال المدة او اللين بالسكون لاجتماع الساكنين فعلة للمد الفرعي (۷۰) والمد (۷۱) الطبعي وهو اطالة المدة فقط بحسب الطبع مع عدم السبب

ت: اور حروف مدہ یا لین کا ملنا سکون کے ساتھ اجتماع ساکنین کی وجہ سے پس سبب ہے مد فرعی کا اور مد (کی ایک قسم) طبعی ہے اور وہ صرف حرف مدہ کو طویل کرنا ہے اس کی طبیعت کے موافق کسی سبب نہ ہونے کے ساتھ

ش: (۷۰) مصنف رحمہ اللہ نے مد ہونے کی وجہ پر اجمالاً روشنی ڈالی ہے اور وہ یہ کہ حروف مدہ ضعیف ہیں اس وجہ سے بھی کہ ان کا کوئی مخرج محقق نہیں اب اگر ان میں سے کسی کا اجتماع ہمزہ کے ساتھ ہو جائے جو قوی ہے تو یہ باعث ثقل ہے۔ اسی طرح حرف مد یا حرف لین کے بعد سکون آ جائے تو اجتماع ساکنین لازم آتا ہے اور یہ بھی ادائیگی میں باعث ثقل ہے۔ اسی ثقل کو دور کرنے کے لیے اصل حرف کی مقدار سے زائد مد کرنا پڑتا ہے۔ چنانچہ قدیم نسخہ خلاصۃ البیان میں مد کی وجہ پر یہ عبارت تحریر فرمائی **لرفع الثقل الذی یحدث بسبب اجتماع حرف المد او اللین مع الهمزة او السکون** یعنی مد اس ثقل کو دور کرنے کے لیے کیا جاتا ہے جو حرف مد یا لین کے ہمزہ اور سکون کے ساتھ جمع ہونے کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے۔ اس تقریر سے یہ بات بھی واضح ہو گئی ہو گی کہ یہ بحث مد فرعی کی حکمت میں ہے۔ مدہ اصلی تو حرف مدہ کے لوازمات میں اور اس کی طبیعت میں ہے۔ اسی وجہ سے مد اصلی کی مقدار ایک الف متعین ہے جو اس کی طبعی مقدار ہے اور مد فرعی کی مقدار کم و بیش ہوتی رہتی ہے۔

مد کی اقسام: (۷۱) مد کی دو قسمیں ہیں۔ ① مد اصلی جس کا دوسرا نام طبعی بھی ہے۔ ② مد فرعی جس کا دوسرا نام عارضی بھی ہے۔ مد اصلی اس مد کو کہتے ہیں جس کے بعد ہمزہ اور سکون نہ ہو جیسے قَالَ میں الف ساکن مدہ کے بعد نہ ہمزہ ہے نہ سکون بلکہ لام متحرک ہے۔ مد فرعی

اسے کہتے ہیں کہ حرف مد کے بعد ہمزہ یا سکون ہو۔

اس تقسیم کے بعد اب یہ سنئے کہ مصنف رحمہ اللہ پہلے مد اصلی کی تفصیل بیان کر رہے ہیں۔

م: ومقداره (۷۲) بقدر الف لا ازيد ولا انقص سواء كانت المدة مرسومة نحو قال يقول قيل ام لا نحو رحمن وله وبه وسواء تثبت في الحالين (۷۳) نحو داوٗد وموسٰى وعيسٰى او في الوصل فقط نحوله وبه او في الوقف فقط نحو عليمًا وانا

ت: اور اس کی مقدار ایک الف ہے نہ کم نہ زیادہ چاہے مدہ لکھا ہوا ہو جیسے قَالَ۔ یَقُوْلُ۔ قِیْلَ یا لکھا ہوا نہ ہو جیسے رَحْمٰنَ۔ لَهٗ۔ بِهٖ اور چاہے دونوں حالتوں (وقف و وصل) میں باقی رہتا ہو جیسے دَاوٗدَ۔ مُوْسٰی۔ عِیْسٰی یا صرف وصل میں باقی رہے جیسے لَهٗ۔ بِهٖ یا صرف وقف میں باقی رہے جیسے عَلِیْمًا۔ اَنَا

ش: (۷۲) مد اصلی میں چونکہ کوئی خارجی سبب مد کا نہیں پایا جاتا بلکہ اس کی ذاتی حیثیت ملحوظ ہوتی ہے اس لیے اس کی مقدار صرف ایک الف ہوگی چاہے حرف مد رسماً موجود ہو جیسے قَالَ میں الف مدہ یَقُوْلُ میں واؤ مدہ قِیْلَ میں یا مدہ لکھا ہوا ہے یا رسماً موجود نہ ہو جیسے رَحْمٰنَ۔ لَهٗ۔ بِهٖ میں حرف مدہ لکھا ہوا نہیں ہے۔ صرف اس کی علامت ہے۔

(۷۳) اور چاہے حروف مدہ وقف و وصل دونوں حالت میں باقی رہے جیسے دَاوٗدَ میں الف ساکن مُوْسٰی میں واؤ ساکن عِیْسٰی میں یاء ساکن ان پر وقف کرو یا نہ کرو بہر صورت پڑھنے میں آتے ہیں یا یہ صورت ہو کہ حروف مدہ حالت وصل میں تو باقی رہے البتہ وقف میں نہ رہے جیسے لَهٗ اور بِهٖ پر وقف کرو تو ساکن ہو جائیں اور ملاؤ تو اشباع کی وجہ سے پڑھنے میں آئے یا اس کا برعکس ہو کہ وقف میں تو باقی رہے البتہ وصل میں گر جائے چنانچہ عَلِیْمًا اور اَنَا پر وقف کرو تو الف مدہ باقی رہے اور وصل کرو تو الف مدہ حذف ہو جائے بہر صورت مد کی مقدار ایک ہی الف رہے گی۔

م: ومقدار الالف قدر قبض اصبعك او بسطة بتوسط الحال

(۷۴) وفرعی (۷۵) وهو الزیادة علی الطبعی بقدر الحاجة بسبب وهو السکون لحروف المد کما مرت فی المخارج واللینیة کما مرت فی اللازمة المفردة والهمزة عن الحفص للمدیة فقط وهی اصلح للمد من اللینیة۔

ت: اور الف کی مقدار اپنی انگلی کے بند کرنے کی مقدار یا کھولنے کی مقدار درمیانی حال سے۔ دوسری قسم مد فرعی ہے اور وہ مد طبعی پر زیادتی کرنا ہے بقدر ضرورت کسی سبب سے اور وہ سبب سکون ہے حروف مدہ کے لیے جیسا کہ مخارج کے بیان میں گزر چکا اور لینیہ ہے جیسا کہ صفات لازمہ مفردہ کی بحث میں گزر چکا اور ہمزہ امام حفص رحمہ اللہ کے نزدیک صرف مدیہ کے لیے اور ہمزہ زیادہ لائق ہے مد کے لیے لینیہ سے۔

ش: (۷۴) الف کی مقدار کو ضبط کرنے کی کیفیت بتلائی کہ کھلی انگلی کو بند کر دیا بند انگلی کو کھول دو اس کھول یا بند میں جتنی دیر لگے گی اتنی مقدار مد کی بقدر اک الف ہوگی۔ بعض لوگوں نے اور طرح بھی ضبط مقدار کی صورت لکھی ہے مثلاً مد کہتے ہیں ضعف الحرکت کو یعنی دو حرکت کے برابر ایک مد ہوگا۔

(۷۵) دوسری قسم مد فرعی ہے مد طبعی پر ضرورت کے مطابق کسی سبب کی وجہ سے جتنا مد زیادہ کیا جائے وہ مد فرعی کہلائے گا۔ مد فرعی کے تین سبب ہیں (۱) حرف مدہ کے بعد سکون آنا۔ (۲) حروف لینیہ کے بعد سکون آنا (۳) حروف مدہ کے بعد ہمزہ آنا۔ حروف مدہ کے بعد سکون آنے کا ذکر مخارج کے ذیل میں آ چکا اور یہ بھی معلوم ہو چکا کہ حروف مدہ تین ہیں۔ (۱) واؤ ماقبل مضموم۔ (۲) یاء ماقبل مکسور (۳) الف ماقبل فتحہ اور لین کا ذکر صفات لازمہ مفردہ میں آ چکا۔ حروف لینیہ دو ہیں (۱) واؤ ماقبل مفتوح (۲) یاء ماقبل مفتوح جیسے خَوْفٌ۔ ضَیْفٌ۔ تیسرا سبب حروف مدہ کے بعد ہمزہ کا آنا یہ سبب لینیہ سے زیادہ قوی اور مضبوط ہے۔

﴿تنبیہ﴾ مصنف رحمہ اللہ کی عبارت سے سبب مد تین معلوم ہوتے ہیں ویسے اور حضرات نے دو ہی سبب اجمالاً لکھے ہیں ① ہمزہ ② سکون۔ حاصل یہ ہوا کہ مد فرعی کے

لیے دو چیزیں ضروری ہیں۔ ① شرط مد ② سبب مد۔ شرط مد حروف مدہ کا ہونا اور سبب مد اس کے بعد ہمزہ یا سکون کا آنا ہے۔

مد فرعی کی اگر اجمالاً قسمیں نکالی جائیں تو چار اور تفصیلاً دیکھی جائیں تو نو قسمیں نکلیں گی۔ اجمالی چار قسمیں یہ ہیں۔ [۱] مد واجب [۲] مد جائز [۳] مد لازم [۴] مد عارض۔ مد واجب کو مد متصل اور مد جائز کو مد منفصل بھی کہتے ہیں اور تفصیلی طور پر نو قسمیں اس طرح ہوں گی کہ مد لازم کی چار قسمیں ہیں [۱] کلمی مثقل [۲] کلمی مخفف۔ [۳] حرفی مثقل۔ [۴] حرفی مخفف۔ نیز جس طرح حرف کے مد کے بعد ہمزہ اور سکون آنے سے مد ہوتا ہے اسی طرح حرف لین کے بعد بھی صرف سکون آنے سے مد ہوگا اور سکون دو طرح کا ہے۔ ① اصلی۔ ② عارضی۔ اس لیے حرف لین میں بھی مد کی دو قسمیں ہوجاتی ہیں ① مد لین لازم۔ ② مد لین عارض۔ یہ کل نو قسمیں ہوگئیں۔ ① مد واجب متصل ② مد جائز منفصل۔ ③ مد لازم کلمی مثقل ④ مد لازم کلمی مخفف ⑤ مد لازم حرفی مثقل ⑥ مد لازم حرفی مخفف ⑦ مد عارض (حروف مدہ) ⑧ مد لین لازم ⑨ مد لین عارض۔ اب ترتیب سے تمام قسمیں مفصلاً آئیں گی۔

م: فالهمزة (٧٦) ان اتصلت بالمدية بعدها في كلمة فمتصل والافمنفصل (٧٧)

ت: پس ہمزہ اگر مل جائے حروف مدیہ سے مدہ کے بعد ایک کلمہ میں تو مد متصل ہے ورنہ منفصل ہے

ش: مد متصل: (٧٦) پہلی قسم مد متصل ہے جس کو مد واجب بھی کہتے ہیں مد متصل اس مد کو کہتے ہیں جس میں حرف مد کے بعد ہمزہ اسی کلمہ میں ہو یعنی سبب (ہمزہ) شرط (حروف مدہ) کے ساتھ ایک کلمہ میں ملا ہوا ہو وہ مد متصل ہے۔ اس کو مد واجب اس لیے کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے دور سے آج تک تمام قراء کا اس میں مد کرنے پر اتفاق رہا ہے۔ چنانچہ امام المحققین علامہ ابن الجزریؒ فرماتے ہیں کہ میں نے مد متصل میں قصر کو بہت تلاش کیا لیکن

مجھے کسی روایت میں نہیں ملا۔ تو مد متصل میں نفس وجوب تو متفق علیہ ہے البتہ اختلاف مقدار مد میں ہے جس کا ذکر آئندہ آجائے گا۔ اتنا سوال اور باقی رہ گیا کہ آخر اس میں مد اتنا ضروری کیسے اور کیوں! اس کا جواب یہ ہے کہ حرف مد ضعیف اور خفی ہے اور ہمزہ اس کے مقابل میں قوی اور سخت ہے۔

اگر حرف مد میں مد کیے بغیر ہمزہ کو ادا کرلیا جائے تو ضعیف کی ادائیگی کا احساس بھی نہ ہوگا بلکہ اسی میں دب جائے گا چنانچہ مد متصل کی مثالوں جَآءَ۔ جِآئِیْ۔ سُوْٓءٍ وغیرہ میں مد چھوڑ کر دیکھ لیجئے ایسا معلوم ہوگا جیسے حرف مد یہاں پر سرے سے ہے ہی نہیں۔ علماء نے ایک اور وجہ لکھی کہ اگر مد متصل میں مد پورا کیا جائے تو اس کے بعد ہمزہ کو صفت شدت وجہر سے بآسانی ادا کیا جاسکتا ہے تو ہمزہ کامل ادا کرنے کے خیال سے حروف مدہ میں مد کیا جاتا ہے۔ اور بھی وجہ ہوسکتی ہے۔ وِلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيْهَا۔ (ماخوذ از نہایۃ القول المفید ص ۱۳۳)

مد منفصل: (۷۷) دوسری قسم مد منفصل ہے جس کو مد جائز بھی کہتے ہیں۔ مد منفصل اس مد کو کہتے ہیں جس میں حرف مد کے بعد ہمزہ دوسرے کلمہ میں ہو جیسے مَآ اَنْزَلْنَا ۔ قَالُوْٓا اٰمَنَّا۔ گویا حرف مد پہلے کلمہ کے آخر میں اور ہمزہ دوسرے کلمہ کے شروع میں ہو۔ ظاہر ہے کہ اس میں سبب مد شرط مد سے الگ ہے اس لیے منفصل کہلایا۔ مد منفصل کو مد جائز اس لیے کہتے ہیں کہ اس میں بعض قراء مثلاً ابن کثیر اور سوسی کا اختلاف ہے۔ البتہ ان کے علاوہ بقیہ قراء مد ہی کے قائل ہیں۔

م: ومقدارهما (۷۸) مع الطبعی عن الحفص تقریبًا الفان او خمس حرکات

ت: اور ان دونوں (متصل و منفصل) کی مقدار مد طبعی کے ساتھ امام حفص رحمہ اللہ کے نزدیک تقریباً دو الف ہیں یا پانچ حرکت

ش: (۷۸) مد متصل و منفصل کی تعریف کے بعد اس میں مد کی مقدار بیان کر رہے ہیں۔ حضرات قراء کا مقدار میں کافی اختلاف ہے۔ سب سے زیادہ طول مد ورش رحمہ اللہ

اور امام حمزہ ؒ کے نزدیک تین الف کی مقدار ہے۔ امام عاصم ؒ کے یہاں دو الف اور ڈھائی الف۔ امام شامی ؒ اور امام کسائی ؒ کے یہاں دو الف۔ امام قالون ؒ۔ امام ابن کثیر ؒ۔ امام ابو عمرو ؒ کے یہاں دو الف اور ڈیڑھ الف ہے۔ یہ مختلف اقوال ہیں۔ پھر امام عاصم ؒ کی قرآءت میں مقدار حفص ؒ کی روایت میں مختلف ہے۔ تین قول ہیں۔ (۱) دو الف یعنی چار حرکت (۲) ڈھائی الف یعنی پانچ حرکت (۳) چار الف یعنی آٹھ حرکت۔ یہ تینوں مقدار توسط کی ہیں اور مد متصل و منفصل میں توسط ہوتا ہے البتہ امام جزری ؒ کے طریق میں مد منفصل میں قصر بھی ثابت ہے مقدار میں اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ کسی کے نزدیک دو ہی الف مد کرنے سے ثقل دور ہو جاتا ہے اور کسی کے نزدیک ڈھائی الف اور کسی کے نزدیک چار الف سے ثقل دور ہوتا ہے۔ یہ اختلاف اگرچہ طرق کا ہے مگر ثابت عن الروایت ہے۔

﴿فائدہ﴾ مد متصل اور منفصل میں اگرچہ ایک سبب ہمزہ ہے اور اسی لیے دونوں کی ایک ہی وجہ توسط ہے لیکن ان دونوں میں چونکہ اتصال سبب اور انفصال سبب کا فرق ہے اور اتصال قوی ہے بہ نسبت انفصال کے اس لیے مد منفصل کو مد متصل پر ترجیح نہ دینی چاہیے بلکہ اس کا برعکس یعنی مد متصل پر زیادہ اور منفصل پر کم ہو جائے تو کوئی حرج نہیں گو اس وجہ سے کہ دونوں میں ایک وجہ توسط ہے۔ دونوں کی مقدار برابر ادا کرنا ہی بہتر ہے۔

م: او اربع الفات علیٰ اختلاف الطرق فلا یجوز خلطها (۷۹) والسکون (۸۰) بعد المدیة ان لزم فی المشدد من الکلمة فکلمی مثقل او من الحروف المقطعات من نقص مسلك (۸۱)

ت: یا چار الف ہیں اختلاف طرق پر۔ پس خلط ملط کرنا جائز نہیں اور سکون حرف مدہ کے بعد اگر لازم ہو مشدد کلمہ میں تو کلمی مثقل ہے یا حروف مقطعات کے نَقْصَ مَسْلَكٍ والے حرف میں ہو

ش: (۷۹) مطلب یہ کہ مد کی مقدار کی یہ مختلف وجہیں ہیں ان میں سے جس کا

دل چاہے یا جس کی ضرورت ہو اس وجہ کو اختیار کرے لیکن جس وجہ کو اختیار کرے اسے آخر تک باقی رکھے یہ نہیں کہ مختلف وجہ پڑھتا رہے خلط ملط کرنا ایک ہی صورت یا ایک ہی وقت یا ایک ہی مجلس میں جائز نہیں۔

مقدار اختیار کرنے میں بہتر یہ ہے کہ قرآءت میں تعجیل اور تاجیل کی نسبت کو ملحوظ رکھے مثلاً ترتیل میں چار الف اختیار کیا تو تدویر میں ڈھائی الف اور حدر میں دو الف ادا کرے کیونکہ یہ مناسب نہیں کہ ترتیل میں دو الف اور حدر میں چار الف یا کہیں دو کہیں ڈھائی کہیں چار الف پڑھا جائے اسی طرح کسی مقدار معینہ میں کمی بیشی نہ کرنا چاہیے ورنہ روایت کے خلاف ہوگا۔ (تنویر المرآۃ ص ۴۴)

مد لازم: (۸۰) تیسری قسم مد لازم ہے جس کے تحت میں چار قسمیں ہیں۔ حرف مد کے بعد اگر سکون آئے تو اس کی دو صورتیں ہیں یا سکون لازم ہوگا یا عارضی۔ اگر سکون لازمی ہے تو اسے مد لازم کہتے ہیں اور اگر سکون عارضی ہو تو اسے مد عارض کہیں گے۔ پھر مد لازم کی چار قسمیں ہیں جس کی دلیل حصر خود مصنف رحمہ اللہ نے بیان فرمادی اور وہ یہ کہ سکون یا کلمہ میں ہوگا یا حرف میں پھر دونوں کی دو دو صورتیں ہیں۔ مشدد ہوگا یا مخفف۔ اگر سکون کلمہ میں ہے اور مشدد ہے تو مد لازم کلمی مثقل جیسے اَتُحَآجُّوْنِّیْ۔ اور اگر سکون مخفف ہے تو مد لازم کلمی مخفف جیسے آٰلْئٰنَ۔ اور اگر سکون حروف مقطعات میں مشدد ہے تو مد لازم حرفی مثقل جو نَقُصَ مَسْلَكِ کے حروف میں پایا جاتا ہے اور اگر سکون مخفف ہے تو مد لازم حرفی مخفف جیسے حٰمٓ۔ طٰسٓ وغیرہ ان چاروں کو مد لازم کہنے کی وجہ ظاہر ہے کہ حرف مد کے بعد سکون لازم ہے اور سکون لازم مد کے اسباب قویہ میں سے ہے۔ اس لیے کہ حرف ساکن کے بعد سکون کا ادا کرنا بہ نسبت حرکت کے زیادہ مشکل ہے۔ اسی ثقل کو دور کرنے کے لیے مد کیا گیا اس میں بالاتفاق طول ہے توسط اور قصر جائز نہیں چنانچہ ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں مد متصل اور مد لازم میں قصر کرنا لحن جلی اور فاحش غلطی ہے۔

حروف مقطعات: (۸۱) حروف مقطعات ان حروف کو کہتے ہیں جو بعض سورتوں کے شروع

میں آتے ہیں اور اپنے اسماء کے ساتھ پڑھے جاتے ہیں۔ یہ حروف مقطعات قرآن کریم کی ۲۹ سورتوں میں آئے ہیں۔ ان مقطعات میں کل ۱۴ حروف استعمال ہوتے ہیں جس میں سے یہ سات حروف ہیں جن میں مد لازم ہوگا (شیخ زادہ ج۱ ص ۵۹) بعض لوگوں نے نَقَصَ عَسْلَكُمْ میں انہیں جمع کیا ہے جس میں عین بھی آ گیا ہے۔ عین کا ذکر مد لین لازم میں آ جائے گا۔

م: فحر في مثقل او في المخفف من الكلمة فكلمي مخفف او من الحروف فحرفي مخفف وكل من الاربعة لازم يمد بثلاث الفات (۸۲) وان عرض فعارض (۸۳)

ت: تو حرفی مثقل ہے یا (سکون لازم) مخفف کلمہ میں ہو تو کلمی مخفف ہے یا حروف مخفف میں ہو تو حرفی مخفف ہے اور یہ چاروں مد لازم ہیں مد کیا جائے گا تین الف کی مقدار اور اگر سکون عارض ہو تو یہ مد عارض ہے۔

ش: (۸۲) یہ تین الف کی مقدار مد طول کی ہے اس قول پر توسط کی مقدار دو الف ہوگی اور جن حضرات کے یہاں توسط کی مقدار تین الف ہے ان کے یہاں طول کی مقدار پانچ الف ہوگی' بہر حال یہ شبہ نہ ہونا چاہیے کہ تین الف تو توسط کی مقدار ہے اس لیے کہ مد لازم میں توسط نہیں ہوتا۔ اب جو مقدار بیان کی جائے گی وہ طول کی ہی ہوگی اسی لیے پہلے کہہ چکے کہ خلط ملط کرنا جائز نہیں کہ ایک کا طول دوسرے کا توسط اختیار کیا جائے ورنہ اشتباہ ہو جائے گا۔

مد عارض: (۸۳) چوتھی قسم مد عارض ہے۔ نام سے ہی حقیقت ظاہر ہو رہی ہے یعنی مد کسی عارض کی وجہ سے ہو مثلاً وقف کرنے کے لیے سکون لایا گیا تو یہ مد عارض وقفی کہلائے گا جیسے اَلرَّحِيْمْ کے میم پر سکون وقف کی وجہ سے آیا ہے۔ اسی طرح يَوْمِ الدِّيْنْ وغیرہ وغیرہ۔

م: يجوز فيه الطول بثلث الفات للسكون ثم التوسط بالفين للعروض ثم القصر بالف لجواز التقاء الساكنين في الوقف ولعدم

الاعتداد بالعارض وھو السکون الوقفی (۸۴)

ت : اس میں طول جائز ہے تین الف کی مقدار پر سکون کی وجہ سے پھر توسط جائز ہے دو الف کی مقدار عارض ہونے کی وجہ سے پھر قصر جائز ہے ایک الف کی مقدار وقف کی حالت میں التقاء ساکنین کے جائز ہونے کی وجہ سے اور عارض کو شمار نہ کرنے کی وجہ سے اور وہ عارض سکون وقفی ہے

ش : (۸۴) مد عارض میں طول' توسط' قصر تینوں جائز ہیں اور تینوں کی دلیل مصنف امام رحمہ اللہ نے بیان فرمادی۔ طول اس لیے جائز ہے کہ مد کا سبب سکون پایا جارہا ہے اور پہلے معلوم ہو چکا کہ حرف مد کے بعد سکون سبب قوی ہے اسی لیے مد لازم میں طول ہی ہے لیکن یہاں توسط بھی جائز ہے اس لیے کہ سکون گو موجود ہے مگر وہ سکون عارضی ہے اور سکون عارضی کی وہ اہمیت نہیں جو لازم کی ہے تو اس کے عروض کا اعتبار کرتے ہوئے توسط کریں گے اور قصر کے جائز ہونے کی دو وجہ تحریر فرمائی پہلی وجہ یہ ہے کہ مد اس لیے کیا جاتا ہے کہ اجتماع ساکنین لازم آرہا تھا جو اہل لسان کے یہاں ثقل کا باعث ہے اور مد کرنے سے اسی میں تخفیف مقصود ہے لیکن وقف کے وقت اہل زبان کے یہاں بھی اجتماع ساکنین جائز ہے کیونکہ ثقل نہیں رہتا تو جب سبب کی اصل علت ثقل ہی مفقود ہوگئی تو نہ طول رہا نہ توسط کی ضرورت باقی رہی لہٰذا قصر ہوگا دوسری وجہ یہ ہے کہ مد کی اصل مقدار طول توسط ہی ہے اور قصر کوئی مقدار نہیں بلکہ وہ تو ایک الف کی ادائیگی کا نام ہے جو اس کی طبعی حالت ہے۔ اب اگر سبب کے عارض ہونے کا اعتبار کرتے ہیں تو طول و توسط کریں گے اور اگر سبب کا اعتبار نہ کریں تو پھر مد طبعی یعنی قصر سے آگے بڑھنے کی ضرورت نہیں رہتی۔

م : **بالاسکان او بالاشمام لا بالروم للحرکۃ فحینئذ قصر فقط (۸۵) والسکون (۸۶) بعد اللینیۃ ان لزم کعین مریم وشوریٰ**

ت : اسکان کے ساتھ ہو یا اشمام کے ساتھ ہو نہ کہ روم کے ساتھ حرکت کی وجہ سے۔ پس اس وقت صرف قصر ہوگا اور سکون حرف لینیہ کے بعد اگر لازم ہو جیسے سورۂ مریم اور سورۂ

شوریٰ کی عین (حروف مقطعات میں)

ش: (۸۵) مد عارض پر وقف کی وجہ سے جو سکون آتا ہے اس کے متعلق یہ بیان فرمانا چاہتے ہیں کہ تین صورتیں ہیں یا تو وقف بالاسکان ہوگا یعنی حرکت بالکلیہ ختم کر کے ساکن پڑھا جائے اس وقت طول' توسط' قصر تینوں جائز ہوں گے یا وقف بالاشمام کیا جائے یعنی حرکت کو ساکن کر کے ضمہ کی طرف ہونٹوں سے اشارہ کیا جائے اس وقت بھی تینوں صورتیں طول' توسط' قصر جائز ہوں گی تیسری صورت یہ کہ وقف بالروم کیا جائے۔ روم کا مطلب یہ کہ ایک تہائی حرکت کو باقی رکھ کر دو تہائی کو حذف کر دیا جائے۔ اس صورت میں قصر تو جائز رہے گا لیکن طول اور توسط جائز نہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ روم میں حرکت ادا کی جاتی ہے اور طول و توسط سکون کی وجہ سے آتا ہے جب اصل علت سکون ہی ایک تہائی حرکت ادا کرنے کی وجہ سے ختم ہوگئی تو صرف قصر جائز رہا۔

یہاں پر یہ تفصیل بھی ذہن میں رہے کہ ہر جگہ وقف کرنے میں یہ تینوں صورتیں یعنی وقف بالاسکان' وقف بالاشمام وقف بالروم جائز نہیں بلکہ کچھ تفصیل ہے۔ وقف بالاسکان تو ہر جگہ جائز ہے چاہے موقوف علیہ مفتوح ہو یا مضموم یا مکسور اور وقف بالاشمام صرف متحرک مضموم میں جائز ہے اور وقف بالروم مضموم و مکسور میں صحیح ہے مثلاً سورۂ فاتحہ میں اَلْعٰلَمِیْنَ پر وقف کرنے کی صورت میں تین صورت جائز ہوگی طول مع الاسکان توسط مع الاسکان' قصر مع الاسکان اور اَلرَّحِیْمِ اور یَوْمِ الدِّیْنِ پر وقف کرنے کی صورت میں چھ صورتیں ہوں گی جن میں سے چار طول مع الاسکان۔ توسط مع الاسکان۔ قصر مع الاسکان۔ قصر مع الروم جائز ہیں اور دو طول مع الروم توسط مع الروم ناجائز ہیں اور نَسْتَعِیْنُ پر وقف کرنے کی صورت میں نو وجہیں ہوں گی جن میں سات جائز ہیں اور وہ یہ ہیں۔ طول مع الاسکان۔ توسط مع الاسکان۔ قصر مع الاسکان۔ طول مع الاشمام۔ توسط مع الاشمام۔ قصر مع الاشمام۔ قصر مع الروم اور دو صورت ناجائز ہیں طول مع الروم۔ توسط مع الروم۔ فاحفظ۔

(۸۶) مد کا سبب ضعیف لین بھی ہے اس کو حروف مدہ سے کچھ کچھ مشابہت ہے اس

لیے اگر حروف لینیہ یعنی واؤ ساکن ماقبل مفتوح یا یاء ساکن ماقبل مفتوح کے بعد سکون لازم آئے یعنی ایسا سکون جو وقف و وصل دونوں حالت میں باقی رہے تو اسے مدلین لازم کہتے ہیں' اس میں طول' توسط' قصر تینوں جائز ہیں لیکن طول اولیٰ ہے۔ تنویر المرأۃ شرح ضیاء القرأۃ ص ۴۸ میں ہے "مد لازمی لین میں نفس سکون کی وجہ سے طول ہے اور محل مد ضعیف کی وجہ سے توسط ہے اور حرف لین میں نفس مدیت نہ ہونے کا لحاظ کرتے ہوئے قصر ہے لیکن سبب مد قوی ہونے کی وجہ سے طول اولیٰ ہے اور قصر اضعف ہے۔"

م: فلازم اللین یجوز فیہ الوجھان لکن الطول اولیٰ (۸۷)

ت: تو مدلین لازم ہوگا اس میں دونوں وجہیں قصر و توسط جائز ہیں' لیکن طول اولیٰ ہے۔

ش: (۸۷) "الوجھان" سے مراد توسط اور قصر ہے اس لیے کہ یہی ماقبل میں بعد میں آئے ہیں اور دونوں سے بہتر طول ہے۔ اس کی مثال قرآن کریم میں صرف دو جگہ حروف مقطعات میں ہے۔ سورۂ مریم کی کٓهٰیٰعٓصٓ دوسرے سورۃ شوریٰ میں حٰمٓ عٓسٓقٓ۔ بعض شراح شاطبیہ نے شاطبی کے اس شعر ؎

وَفِیْ عَیْنِ الْوَجْهَانِ وَالطُّوْلُ فُضِّلَا

میں اَلْوَجْهَانْ سے مراد طول توسط لیا ہے لیکن محققین شراح نے اس کی تردید کی اور اَلْوَجْهَانْ سے مراد قصر توسط لیا ہے۔ اس لیے کہ آگے طول کا ذکر ہے۔ اس لیے یہاں مصنف کی عبارت میں بھی اَلْوَجْهَانْ سے مراد توسط قصر ہے۔ واللہ اعلم۔

م: وان عرض فعارض اللین (۸۸) یجوز فیہ القصر ثم التوسط ثم الطول وکل ذالك (۸۹) من مراتب المد ومقادیرہ تقریب لا یضبط الا بالسماع من الشیخ الماھر الراسخ۔

ت: اور اگر سکون عارض ہو تو مدلین عارض ہوگا۔ اس میں جائز ہے قصر پھر توسط پھر طول' اور یہ سب مد کے مرتبے ہیں اور اس کی مقداریں اندازہ ہیں جو ضبط میں نہیں

آ سکتیں مگر ماہر کامل استاد سے سن کر۔

ش: مدلین عارض: (۸۸) یہ نویں اور آخری قسم ہے جسے مدلین عارض کہتے ہیں یعنی حرف لین کے بعد سکون عارضی ہو جیسے مِنْ خَوْفٍ۔ وَالصَّيْفِ۔ اس میں طول توسط قصر تینوں جائز ہیں لیکن اس میں مد لازم کے برخلاف قصر اولیٰ پھر توسط پھر طول ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ مد عارضی لین میں محل مد اور سبب مد دونوں ضعیف ہیں اس وجہ سے قصر اولیٰ ہے اور سبب عارضی کی وجہ سے توسط اور نفس سکون کی وجہ سے طول ہو جائے گا۔ اسی مدلین کے بہ نسبت مدہ کے ضعیف ہونے کی وجہ سے علماء نے لکھا ہے کہ مدلین میں بہ نسبت حرف مد کے قصر کم ہوگا (تنویر المرآءت مع تغیر یسیر)

(۸۹) مد کی تمام اقسام مع امثلہ اور مقدار مد کے بیان ہو چکیں۔ یہاں یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ یہ سب مد کے مرتبے ہیں اور اس کی مقداریں ہیں اور مد کرنے کے اندازے مقرر ہیں اس لیے ہر آدمی صحیح مقدار مد کو بلا استاذ ماہر سے مشق کیے ہوئے اور بغیر اس سے سنے ہوئے حاصل نہیں کرسکتا۔ اسی لیے علم تجوید عملی مشق کا نام ہے جس کے لیے استاذ کی ضرورت لازمی چیز ہے۔

اذان میں مد کی بحث:

﴿فائدہ﴾ مد کی تعریف اور قسمیں اور اس کی بحث تقریباً پوری ہوگئی۔ اب ایک مختصر بات مفید ہونے کی وجہ سے بیان کی جارہی ہے۔ مد کا جیسا کہ سبب ظاہری حروف مدہ کے بعد ہمزہ اور سکون کا آنا ہے اسی طرح ایک سبب باطنی بھی ہے۔ مثلاً نفی میں مبالغہ کرنا مقصود ہے اس لیے مد زیادہ کیا جائے جیسے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ وغیرہ میں مد اس نیت سے کیا جائے کہ الوہیت کی غیر اللہ سے بالکل نفی ہو جائے اور پھر اللہ تعالیٰ کے لیے اثبات ہو۔ اہل عرب کے یہاں یہ بھی مد کا قوی سبب ہے۔ علامہ ابن الجزری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اسی معنوی وجہ سے ان مواقع میں ان حضرات سے بھی مد کرنا ثابت ہے جو مد منفصل میں قصر کے قائل ہیں اسی کا نام مد مبالغہ ہے کہ غیر اللہ سے الوہیت کی نفی میں مبالغہ کیا جاتا ہے اور

اہل عرب کے یہاں اس کا دستور بھی ہے۔ اس لیے کہ جب وہ ایسی چیزوں میں مد کرتے ہیں جس کی کوئی اصل نہیں مثلاً دعا میں یا استغاثہ میں مد کرنا تو جس کی اصل ہے اس میں تو بدرجہ اولیٰ ہوگا۔ (بحوالہ نہایۃ القول المفید ص ۱۳۱)

یہی بات ملا علی قاری رحمہ اللہ نے ''**المنح الفکریہ شرح مقدمۃ الجزریہ**'' میں تحریر فرمائی ''**وھذا مذھب معروف عند العرب لانھا تمد عند الدعاء وعند الاستغاثۃ وقد استحب العلماء المحققون مد الصوت بلا الہ الا اللہ اشعاراً بما ذکرناہ**'' اس کے بعد دو حدیث بھی مد کی فضیلت میں نقل فرمائی۔ امام جزری رحمہ اللہ نے ان دونوں حدیثوں کو نشر میں نقل کر کے فرمایا کہ حدیث ضعیف ہیں مگر فضائل اعمال میں ضعیف حدیث قابل قبول ہے۔'' (ص ۵۷)

اس قسم کی عبارتوں کو دیکھ کر لوگوں نے عام طور پر اذان کے کلمات میں مد کرنا شروع کر دیا۔ حالانکہ اذان کے مد والے کلمات کی دو نوعیت ہے ایک وہ کلمات جن میں مد فرعی ہے مثلاً لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ۔ شہادت توحید میں اور آخر میں، اسی طرح شہادتین پر وقف کرنے کی صورت میں اللہ پر مد۔ نیز اَلصَّلٰوةُ۔ اَلْفَلَاحُ پر وقف کرنے کی صورت، یہ سب مد فرعی ہے۔ دوسرے وہ کلمات جن میں مد اصلی ہے جیسے اللہ کے لام کے بعد الف پر ایسے ہی اَلصَّلٰوةُ خَيْرٌ مِّنَ النَّوْمِ میں صَلٰوة کے لام کے بعد۔ ماقبل کی بحث سے معلوم ہوگیا کہ مد اصلی کی مقدار طبعی اور صرف ایک الف کی مقدار ہے۔ لہٰذا اس پر زیادہ کرنا کہیں سے ثابت نہیں نیز مد فرعی میں بھی مد اس کی حد تک ہی صحیح ہوگا چنانچہ مد منفصل میں توسط اور مد عارض وقفی میں طول جائز ہے اور طول کی آخری مقدار پانچ الف ہے۔ اس سے آگے کا کوئی قول نہیں۔ آج کل کی عام اذانوں میں جو بے انتہاء مد کیا جاتا ہے اور آواز میں اتار چڑھاؤ ہوتا ہے اس کا ثبوت ملنا کہیں بھی ممکن نہیں۔ خود اس قسم کے غلط مدوں کو شیخ محمد مکی نصر رحمہ اللہ نے نہایۃ القول المفید میں اور ملا علی قاری رحمہ اللہ نے شرح جزری میں رد کر دیا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔ ''**ثم اعلم ان الفرق المذکور بین اللازم والواجب اصطلاحی اما**

باعتبار المعنی اللغوی وکذا العرفی فلا فرق بینهما فانه لا یجوز قصر احدهما عند جمیع القراء فلو قریٔ بالقصر یکون لحنا جلیا وخطاءً فاحشا مخالفًا لما ثبت عن النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم بالطرق المتواترة وکذا اذا زاد فی المد الاصلی والطبیعی علیٰ مده العرفی من قدر الف بان جعله قدر الفین او اکثر کما یفعله اکثر الائمة من الشافعیة والحنفیة فی الحرمین الشریفین فانه محرم قبیح لا سیما وقد یقتدی بهم بعض الجهلة ویستحسن ما صدر عنهم من القرآءة۔"

(شرح جزری ص ۵۶)

حاصل یہ ہے کہ جس طرح مد لازم اور واجب میں کسی کے یہاں قصر جائز نہیں اور اگر اس میں قصر کیا تو لحن جلی اور خطاء فاحش اور رسول اللہ ﷺ کے طریق منقول کے خلاف ہوگا اسی طرح مد طبعی و اصلی میں ایک الف کی مقدار سے زائد کرنا بھی خطاء فاحش اور لحن جلی ہوگا۔

دوسری عبارت ملاحظہ فرمائیں "فما یفعله بعض ائمة المساجد واکثر المؤذنین من الزیادة فی المد الطبیعی عن حده العرفی ای عرف القراء فمن اقبح البدع واشد الکراهة لا سیما وقد یقتدی بهم بعض الجهلة من القراء"۔ (نہایۃ القول المفید ص ۱۳۰) ان دونوں معتبر کتابوں سے تحقیقی طور پر یہ معلوم ہوگیا کہ یہ غلط اور خطاء ہے' لہٰذا ترک خطاء واجب ہے۔ موجودہ دور کے امام فن حضرت مولانا قاری محبّ الدین احمد صاحب رحمہ اللہ سے اسی قسم کا سوال کیا گیا۔ سوال و جواب دونوں نقل کیے جارہے ہیں۔

سوال: اذان میں عام طور پر مؤذنین لفظ اللہ پر مد کرتے ہیں اور ایسا تعامل حرم شریف اور بڑے علمی اداروں میں بھی ہے جب کہ کتب فقیہہ کے دیکھنے سے پسندیدہ معلوم نہیں ہوتا' البتہ بعض لوگوں سے سنا ہے کہ اللہ پر مد تعظیمی ہے! کیا قرآءات کی کتابوں میں اس کا تذکرہ ہے؟ اگر ہو تو بحوالہ کتب مطلع فرمائیں۔

جواب: اذانوں میں لفظ اللہ پر مد کرنا ثابت نہیں ایک معمول سا ہوگیا ہے کہ لغرض الاعلان اذان کے وقت لفظ اللہ میں مد کرتے ہیں حالانکہ اسباب مد میں سے کوئی سبب بھی نہیں پایا جاتا۔ فقط۔

اتنی تقریر کے بعد اب اس کی ضرورت باقی نہیں رہتی کہ عرف عام کی اور تردید کی جائے جو چیز غلط ہو اس کے اصلاح کی فکر کرنی چاہیے۔

حضرت اقدس مولانا ابرار الحق صاحب رحمہ اللہ خلیفہ حکیم الامت حضرت اقدس تھانوی رحمہ اللہ جن کے مبارک ہاتھوں سے اس وقت اللہ تعالیٰ نے امت کی اصلاح کا زبردست کام لیا ہے اپنے مواعظ اور ملفوظات میں دائماً اس کی اصلاح کی طرف توجہ دلاتے ہیں۔ حضرت کے یہاں جس طرح تصحیح قرآن کریم کا بہت اہتمام ہے' اسی طرح اذان کی تصحیح کی طرف بھی شدید اعتناء ہے۔ اپنی ایک تالیف منیف "امت کی پریشانی اور انحطاط کا سبب اور اس کا علاج" میں سب سے پہلا سبب انحطاط کا تحریر فرمایا ہے "عموماً اذان واقامت کا صحیح نہ ہونا بالخصوص اَللّٰهُ اَكْبَرُ۔ اَلصَّلٰوةُ خَيْرٌ مِّنَ النَّوْمِ میں الف مد پیدا کرنا۔ مد لازم کو حد سے زیادہ طویل کرنا۔" والحق احق ان یتبع ویقال ؎

اذا قالت حذام فصدقوها
فان القول ما قالت حذام

م: ومیم الٓمّ اللّٰه فی الوصل یفتح لاجتماع الساکنین (۹۰)

اما الفتحة فللخفّة وللتفخیم فی الحالین فالطول فیه للزوم والقصر للعروض (۹۱) واذا اجتمع السببان (۹۲) نحو نشاء ولا جان عند الوقف فالعمل باقوی الاسباب لتفاوتها قوة وضعفا کما قیل ؎

اقواه السکون یلیه المتصل فعارض السکون ثم المنفصل
ثم کآمنوا وذا ضعفها قاعدة یفز بها متقنها (۹۳)

ت: اور الٓمّ اللّٰهُ کا میم وصل کی حالت میں مفتوح ہوگا اجتماع ساکنین کی وجہ

سے بہرحال فتحہ آنا پس تخفیف کے لیے اور تفخیم کے لیے دونوں حالتوں میں (وقف و وصل) میں پس طول اس میں (جائز ہوگا) مد لازم کی وجہ سے اور قصر عارضی ہونے کی وجہ سے اور جب دو سبب جمع ہو جائیں جیسے نَشَآءُ اور وَلَا جَآنٌّ میں وقف کے وقت پس عمل کرنا اسباب میں سے سب سے قوی سبب پر (ضروری ہے) اس کے مختلف ہونے کی وجہ سے قوت اور ضعف کے اعتبار سے جیسا کہ شعر میں ہے۔

مد میں سب سے زیادہ قوی سکون ہے۔ اس کے بعد مد متصل پھر سکون عارضی پھر مد منفصل ہے پھر اٰمَنُوْا جیسی مثالوں میں اور یہ سب سے ضعیف مد ہے۔ یہ ایسا قاعدہ ہے جس کا یاد کرنے والا کامیاب ہو جائے گا۔

ش: (۹۰) "الٓمّٓ اللّٰہ" میں الٓمّٓ کو اللّٰہ کے ساتھ ملانا بھی جائز ہے اس طرح کہ میم کے آخر پر فتحہ کی حرکت دے کر الف حذف کر دیا جائے اور اَلِفْ لَآمْ مِّیْمَ اللّٰہ پڑھا جائے لیکن اس پر اشکال یہ ہے کہ قاعدہ یہ ہے کہ "السّاکن اذا حرّك حرّك بالكسر" یعنی ساکن کو جب حرکت دینی ہو تو کسرہ کی حرکت دینی چاہیے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس قاعدہ سے یہ مثال مستثنٰی ہے۔ اس کی دو وجہ ہیں۔ ایک وجہ تو یہ ہے کہ فتحہ دے کر تخفیف مقصود ہے اور اس میں کسرہ کی بہ نسبت زیادہ تخفیف موجود ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ فتحہ دینے کی صورت میں اللہ کے لام کو دونوں حال میں پُر پڑھا جائے گا وقف کر کے تب اللہ سے ابتداء ہوگی اور وصل کریں تو فتحہ دے دیا اور کسرہ کی صورت میں وصل کی حالت میں ترقیق ہوگی اور اللہ کے لام کو جہاں تک ہو سکے پُر پڑھنا بہتر ہے۔ واللہ اعلم۔

﴿فائدہ﴾ اس پر یہ اشکال ہو سکتا ہے کہ وجہ چاہے جو بھی ہو لیکن اس سے کسی مثال کو مستثنٰی کرنے اور الگ کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرات قراء کا یہ بھی مشہور قاعدہ ہے کہ بغیر نقل متواتر کے محض قواعد پر عمل کرنا جائز نہیں اور یہاں میم پر کسرہ پڑھنے کی کوئی روایت نہیں بلکہ فتحہ منقول ہے۔ (از ابن ضیا مولانا قاری محب الدین احمد صاحب رحمہ اللہ)

﴿اس کی بہتر توجیہ جو کہ استاذ القراء حضرت قاری اظہار احمد التھانوی رحمہ اللہ بیان فرما

رہے ہیں وہ یہ ہے کہ توالی کسرات سے بچنے کے لیے میم کو فتحہ دیا گیا ہے کیونکہ میم ساکن سے پہلے یاء مدہ ہے جو بجائے دو کسروں کے ہے اور یاء سے پہلے بھی میم مکسور ہے۔

قاری نجم الصبیح التھانوی ﷾

(۹۱) جب میم پر فتحہ پڑھا جائے گا تو اس وقت طول اور قصر دو صورتیں جائز ہیں طول اس وجہ سے کہ سکون لازم میں طول ہے اور قصر حرکت کے عارض ہونے کی وجہ سے۔ اس لیے کہ حرکت آنے کی وجہ سے مد اصلی ہو گیا جس میں قصر ہوگا البتہ توسط جائز نہیں اس لیے کہ مد لازم میں توسط نہیں ہوتا۔

(۹۲) یہاں سے یہ قاعدہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ جب کسی موقع پر مد کرنے کے دو سبب جمع ہو جائیں جیسے نَشَآءُ اور وَلَا جَآنٌّ پر وقف کی صورت میں دو سبب جمع ہیں چنانچہ نَشَآءُ میں ایک مد متصل ہے اور وقف کی وجہ سے مد عارض وقفی اسی طرح وَلَا جَآنٌّ میں ایک سبب مد لازم کلمی مثقل ہے دوسرا سبب بصورت وقف مد عارض وقفی بن گیا تو ایسے موقعوں پر جو سبب زیادہ قوی ہوگا اس سبب کے اعتبار سے مد کیا جائے گا اس لیے کہ قوت و ضعف کے اسباب کے اعتبار سے مد کے مراتب بھی مختلف ہیں۔ جیسا کہ آنے والے شعر میں درجات بیان کریں گے لہٰذا نَشَآءُ میں مد متصل اور مد عارض وقفی میں مد متصل قوی ہے توسط کیا جائے گا اور وَلَا جَآنٌّ کے دو سبب میں مد لازم کلمی مثقل قوی ہے عارض وقفی سے لہٰذا مد لازم کی مقدار طول ادا کی جائے گی۔

مراتب مد: (۹۳) ان دو شعروں میں بڑے حسن و خوبی کے ساتھ مدوں کے مرتبوں کو ظاہر کیا گیا ہے۔ حاصل تقریر یہ ہے کہ سب سے قوی مد سکون ہے۔ یہاں سکون سے مراد سکون لازم ہے۔ اس لیے کہ آگے سکون کے ساتھ عارض کی قید ہے۔ سکون لازم میں اس کی چاروں قسمیں کلمی و حرفی مثقل و مخفف داخل ہیں دوسرے درجہ پر مد متصل قوی ہے پھر مد عارض پھر مد منفصل۔ یہ چاروں مد فرعی کی قسمیں ہیں۔ اس میں مد لازم سب سے زیادہ قوی اس لیے ہے کہ اس کا سبب سکون ہر حالت وقف و وصل میں باقی رہتا ہے اور ان میں سب

میں کمزور مد منفصل ہے اس لیے کہ ہمزہ بہ نسبت سکون کے سبب ضعیف ہے پھر ہمزہ کا انفصال اس میں اور ضعف پیدا کر دیتا ہے اسی لیے بعض حضرات کے نزدیک اس میں قصر بھی جائز ہے۔

ثم کآمنوا سے مد بدل کی طرف اشارہ ہے یعنی دو ہمزہ میں ایک کو الف سے بدلا جائے اسی کے متعلق فرمایا وذا اضعفھا کہ یہ سب میں زیادہ ضعیف مد ہے۔ یعنی سب سے کم مد اسی پر ہوگا۔

م: واذا اجتمع المدود (۹۴) لها وجوه فالعمل من حاصل الضرب علی ما هو اقواه اوما فیه مساواة۔ فان ترجیح الضعیف علی القوی وعدم المساواة بین الا وجه والخلط فی الطرق کلها ممنوع

ت: اور جب بہت سے مد جمع ہو جائیں اور اس کی الگ الگ وجہیں ہوں تو عمل کرنا حاصل ضرب سے ایسی وجہ پر جو سب میں زیادہ قوی ہو (ضروری ہے) یا وہ صورت جس میں مساوات ہو اس لیے کہ ضعیف کو قوی پر ترجیح دینا اور وجوہ میں مساوات قائم نہ کرنا اور مختلف طرق میں خلط ملط کر دینا سب ممنوع ہے

ش: وجوہ مدود: (۹۴) مطلب عبارت کا یہ ہے کہ جب کسی موقع پر کئی مد جمع ہو جائیں جس میں کئی وجوہ نکلتی ہوں تو حاصل ضرب سے ایسی صورت پر عمل کیا جائے گا جو ان سب میں زیادہ قوی ہو یا جس میں مساوات ہو۔ مثال کے طور پر اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ وَّاٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ جب مِنْ جُوْعٍ اور مِنْ خَوْفٍ دونوں پر وقف کیا جائے گا تو اول میں مد عارض وقفی اور دوسرے میں لین عارض وقفی ہوگا اور یہ قاعدہ ہے کہ مد عارض لین عارض سے زیادہ قوی ہے۔ اب دونوں کے مد میں یا تو مساوات اختیار کی جائے کہ جُوْعٍ پر طول ہے تو خَوْفٍ پر بھی طول ہے جُوْعٍ میں قصر ہے تو خَوْفٍ میں بھی اور اس میں توسط ہے تو اس میں بھی توسط ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ قوی کو ضعیف پر اس طرح ترجیح دی جائے کہ اگر جُوْعٍ پر بالطول وقف کیا تو خَوْفٍ پر توسط یا قصر کیا جائے اور اگر جُوْعٍ پر بالتوسط وقف

کیا تو خَوْفٍ پر توسط یا قصر کیا جائے۔ یہ پانچ صورتیں جائز ہوں گی اس کے برخلاف ضعیف کی قوی پر ترجیح کی صورتیں ناجائز ہوگی جیسے جُوْعٍ پر توسط ہے تو خَوْفٍ پر طول۔ جُوْعٍ پر قصر ہے تو خَوْفٍ پر طول یا توسط کیا جائے۔

اسی اجتماع مدود اور ترجیح قوی علی الضعیف اور عدم مساواۃ بین الاوجہ کو صاحب فوائد مکیہ استاذ الاساتذہ حضرت مولانا قاری عبدالرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ نے اس طرح بیان کیا۔

﴿فائدہ﴾ جب مد عارض یا مدلین کئی جگہ ہوں تو ان میں تساوی اور توافق کا خیال رکھنا چاہیے یعنی اگر ایک جگہ مد عارض میں طول کیا ہے تو دوسری جگہ بھی طول کیا جائے اگر توسط کیا ہے تو دوسری جگہ بھی توسط کرنا چاہیے اگر قصر کیا ہے تو دوسری جگہ بھی قصر کرنا چاہیے۔ ایسا ہی مدلین بھی جب کئی جگہ ہوں تو توافق ہونا چاہیے اور جیسا کہ طول توسط میں توافق ہونا چاہیے ایسا ہی مقدار طول توسط میں بھی توافق ہونا چاہیے مثلاً اعوذ اور بسملہ سے رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ تک۔ فصل کل کی حالت میں ضربی وجہیں اڑتالیس نکلتی ہیں اس طرح پر کہ رَجِيْمْ کے اوجہ ثلاثہ مع الاسکان اور قصر مع الروم کو رَحِيْمْ کے مدود ثلاثہ اور قصر مع الروم میں ضرب دینے سے سولہ وجہیں ہوتی ہیں اور ان سولہ کو اَلْعٰلَمِيْنَ کے اوجہ ثلاثہ میں ضرب دینے سے اڑتالیس وجہیں ہوتی ہیں جن میں چار بالاتفاق جائز ہیں یعنی (رَجِيْمِ۔ رَحِيْمِ اَلْعٰلَمِيْنَ) میں طول مع الاسکان توسط مع الاسکان قصر مع الاسکان (رَجِيْمِ۔ رَحِيْمِ) میں قصر مع الروم اور (اَلْعٰلَمِيْنَ) میں قصر مع الاسکان اور بعض نے (رَجِيْمِ۔ رَحِيْمِ) کے قصر مع الروم کی حالت میں طول توسط کو جائز رکھا ہے۔ باقی بیالیس وجہیں بالاتفاق غیر جائز ہیں اور فصل اول وصل ثانی کی صورت میں عقلی وجہیں بارہ نکلتی ہیں اس طرح پر کہ رَجِيْمِ کے مدود ثلثہ اور قصر مع الروم کو اَلْعٰلَمِيْنَ کے اوجہ ثلثہ میں ضرب دینے سے بارہ وجہیں ہوتی ہیں ان میں چار وجہیں بالاتفاق جائز ہیں۔ طول مع الطول مع الاسکان۔ توسط مع التوسط مع الاسکان۔ قصر مع القصر مع الاسکان۔ قصر مع الروم مع القصر بالاسکان اور قصر مع الروم مع التوسط بالاسکان اور قصر مع الروم مع الطول بالاسکان۔ یہ دو

وجہیں مختلف فیہ ہیں باقی وجہیں بالاتفاق غیر جائز اور وصل اول فصل ثانی میں بارہ وجہیں عقلی نکلتی ہیں اوران میں چار صحیح ہیں اور دو مختلف فیہ ہیں اور اس صورت میں جو وجہیں نکلتی ہیں وہ بعینہٖ مثل فصل اول وصل ثانی کے ہیں اس وجہ سے بیان نہیں کی گئیں اور وصل کل کی حالت میں اَلْعٰلَمِیْنَ کے مدود ثلثہ ہیں۔ خلاصہ یہ ہوا کہ استعاذہ اور بسملہ میں پندرہ یا اکیس وجہیں صحیح ہیں۔

﴿فائدہ﴾ یہ وجہیں جو بیان کی گئی ہیں اس وقت ہیں کہ اَلْعٰلَمِیْنَ پر وقف کیا جائے اور اگر اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ پر یا یَوْمِ الدِّیْنِ یا نَسْتَعِیْنُ پر وقف کیا جائے گا یا کہیں وصل اور کہیں وقف کیا جائے گا تو بہت سی وجہیں ضربی نکلیں گی اور ان میں وجہ صحیح نکالنے کا طریقہ یہ ہے کہ جس وجہ میں ضعیف کو قوی پر ترجیح ہو جائے یا اقوال مختلف میں خلط ہو جائے تب یہ وجہ غیر صحیح ہوگی۔

ہم نے صاحب فوائد مکیہ کے دو فائدے نقل کر دیے سمجھنے کے لیے یہی کافی ہے لیکن چونکہ فوائد مکیہ خود درسی کتاب ہے اس لیے عموماً طلبہ کو اس مقام کے سمجھنے میں دشواری پیش آتی ہے۔ خصوصاً اڑتالیس وجہیں مصنف رحمہ اللہ کے بیان کردہ طرز پر نکالنے میں الجھن ہو جاتی ہے۔ ہم اس کی آسان تشریح بالترتیب بیان کر رہے ہیں۔

﴿۱﴾ یعنی اوجہ مد کی طرح مقدار اوجہ میں بھی برابری اور مساوات کا خیال رکھنا چاہیے پس اگر پہلی جگہ پانچ الفی طول کیا ہے تو باقی جگہوں میں بھی پانچ الفی ہی کرنا چاہیے اور اگر تین الفی کیا ہے تو باقی موقعوں میں بھی تین الفی کرنا چاہیے اور یہی مساوات اور برابری توسط کی دونوں مقداروں میں بھی ملحوظ رہنی چاہیے۔

﴿۲﴾ اڑتالیس کا عدد پڑھتے ہی طلباء کے دماغوں میں ان وجوہ کے بارے میں تشویش کی ایک لہر دوڑ جاتی ہے اور ان کی سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ موقوف علیہ صرف تین ہوں اور وجوہ اڑتالیس بن جائیں اور وہ اپنے آپ کو دلدل میں پھنسے ہوئے محسوس کرتے ہیں جس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ طلباء عام طور پر ضرب کے معنی اور اس کی حقیقت

سے ناواقف ہوتے ہیں چنانچہ سب سے پہلے تو ان کو یہ غلطی لگتی ہے کہ وہ یہ سمجھ لیتے ہیں کہ ضرب کے معنی ایک چیز کے دوسری میں ملانے کے ہیں اور پھر اس سوچ میں پڑ جاتے ہیں کہ آخر یہ کیا معمہ ہے کہ چار کو چار میں ملانے سے سولہ اور سولہ کو تین میں ملانے سے اڑتالیس بن گئے۔ چار کو چار میں ملانے سے آٹھ اور آٹھ کو تین میں ملانے سے گیارہ ہونے چاہئیں۔ پس یہی وہ بنیادی غلطی ہے جس کی وجہ سے طلباء ان وجوہ کے سمجھنے سے عام طور پر قاصر رہتے ہیں۔ اس لیے پہلے تو یہاں ضرب کا مطلب بیان کیا جاتا ہے اور پھر ایک جدول میں ان اڑتالیس ضربی وجوہ کو دکھا کر ان کے سمجھانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ امید ہے کہ ضرب کا مطلب سمجھ لینے اور پھر اس جدول کا بغور مطالعہ کر لینے کے بعد اس مقام کے بارے میں کوئی اشکال باقی نہیں رہ جائے گا۔ وباللہ التوفیق۔

ان اڑتالیس وجوہ کے سمجھنے میں جو مشکل پیش آتی ہے اور طلباء اس کے سمجھنے سے خود کو جو قاصر پاتے ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ جمع اور ضرب میں فرق نہیں کیا جاتا اور دونوں کا مطلب ایک ہی سمجھ لیا جاتا ہے۔ حالانکہ حساب کے قاعدہ کی رو سے جمع اور ضرب میں بہت بڑا فرق ہے اور یہ دونوں ایک دوسرے سے بالکل مختلف اور علم حساب کے دو الگ الگ قاعدے ہیں۔ دیکھیے ایک تو ہے کہ عدد کو دوسرے عدد کے ساتھ ملا کر، دونوں کا مجموعی شمار نکالنا جیسے تین اور چار کہ ان دونوں عددوں کا مجموعی شمار سات نکلتا ہے اور جیسے آٹھ اور نو کہ ان کا مجموعی شمار سترہ نکلتا ہے۔ یہ تو ہے جمع اور ایک ہے ایک ہی عدد کو کئی گنا کرنا۔ جس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ دو عددوں کو ذکر کر کے۔ ان میں سے پہلے کو دوسرے کے شمار کے برابر کئی گنا کیا جاتا ہے۔ مثلاً اگر یہ کہا جائے کہ دو کو چار میں ضرب دو تو اس کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ دو کو چار گنا کر دو۔ جس سے ضربی شمار آٹھ نکل آتا ہے۔ پس دو کو چار میں یا چار کو دو میں جمع کرنے سے تو ان دونوں عددوں کا مجموعی شمار چھ نکلے گا اور دو کو چار میں یا چار کو دو میں ضرب دینے سے ضربی شمار یعنی حاصل ضرب آٹھ نکلے گا اور ایسے ہی چار کو چار میں ضرب دینے کا مطلب یہ ہوگا کہ چار کو چار گنا کر دو۔ یہ نہیں کہ چار کو چار میں ملا دو کیونکہ چار کو چار میں ملانے سے تو

مجموعی شمار نکلے گا یعنی آٹھ بن جائیں گے اور چار کو چار میں ضرب دینے سے ضربی شمار نکلے گا یعنی سولہ بن جائیں گے۔ اب یہ سمجھو کہ اَلرَّجِيْمِ اَلرَّحِيْمِ اور اَلْعٰلَمِيْنَ ان تینوں کی ضربی وجوہ اڑتالیس اس طرح بنتی ہیں کہ پہلے تو اَلرَّجِيْمِ کی چار وجوہ جائزہ کو اَلرَّحِيْمِ کی چار وجوہ جائزہ میں ضرب دیتے ہیں۔ جس سے چار چار گنا ہو کر ضربی شمار کے حساب سے سولہ وجوہ بن جاتی ہیں اور پھر ان سولہ کو اَلْعٰلَمِيْنَ کی تین وجوہ میں ضرب دیتے ہیں جس سے یہ سولہ تین گنا ہو کر اڑتالیس ہو جاتی ہیں۔ پس یہ کہنا کہ اَلرَّجِيْمِ کی چار وجوہ کو اَلرَّحِيْمِ کی چار وجوہ میں ضرب دو تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ان دونوں کو اس طرح پڑھو کہ اَلرَّجِيْمِ کی چار وجوہ میں سے ہر ایک کے ساتھ اَلرَّحِيْمِ کی چاروں وجوہ یکے بعد دیگرے پڑھے جاؤ اور ایسے ہی اگر یہ کہا جائے کہ اَلرَّجِيْمِ اور اَلرَّحِيْمِ کی سولہ وجوہ کو اَلْعٰلَمِيْنَ کی تین وجوہ میں ضرب تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ پہلے تو ان سولہ کو اَلْعٰلَمِيْنَ کے قصر کے ساتھ پڑھو۔ پھر توسط کے ساتھ اور پھر طول کے ساتھ۔ پس سولہ قصر کے ساتھ۔ سولہ توسط کے ساتھ اور سولہ طول کے ساتھ۔ یہ تین سولہ مل کر اڑتالیس ہو گئے اور تفصیل اس کی یہ ہے کہ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ سے رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ تک فصل کل کی حالت میں تین موقوف علیہ ہیں۔ اَلرَّجِيْمِ۔ اَلرَّحِيْمِ اور اَلْعٰلَمِيْنَ اور ظاہر ہے کہ اَلرَّجِيْمِ میں اوجہ مد اور کیفیات وقف دونوں کے لحاظ سے وجوہ جائزہ چار نکلتی ہیں (۱) طول مع الاسکان (۲) توسط مع الاسکان (۳) قصر مع الاسکان (۴) قصر مع الروم کیونکہ اسکان کے ساتھ تو مد کی تینوں وجوہ جائز ہیں اور روم کے ساتھ صرف قصر ہی ہو سکتا ہے اور یہی چاروں اَلرَّحِيْمِ میں بھی ہیں۔ پس دونوں کی ضربی وجوہ سولہ ہو گئیں اور اَلْعٰلَمِيْنَ میں چونکہ وقف صرف اسکان ہی کے ساتھ ہو سکتا ہے۔ کسی دوسری کیفیت کے ساتھ نہیں ہو سکتا۔ اس لیے اس میں وجوہ صرف تین ہی ہیں۔ یعنی طول۔ توسط۔ قصر مع الاسکان پس اَلرَّجِيْمِ اور اَلرَّحِيْمِ کی سولہ ضربی وجوہ کو اَلْعٰلَمِيْنَ کی تین میں ضرب دینے سے اڑتالیس وجوہ ہو جاتی ہیں اور اس تفصیل کی عملی صورت یہ ہے کہ اَلرَّجِيْمِ کی چاروں وجوہ میں سے ہر ایک کے ساتھ اَلرَّحِيْمِ کی چار چار وجوہ اس طرح پڑھو کہ پہلے تو اَلرَّجِيْمِ

کے طول مع الاسکان کے ساتھ اَلرَّجِیْمِ میں [1] طول مع الاسکان [2] توسط مع الاسکان [3] قصر مع الاسکان [4] قصر مع الروم پڑھو۔ پھر دوسری بار اَلرَّجِیْمِ میں توسط مع الاسکان کرو اور اَلرَّحِیْمِ میں وہی چار وجوہ مذکورہ علی الترتیب پڑھو۔ پھر تیسری بار اَلرَّجِیْمِ میں قصر مع الاسکان کرو اور اَلرَّحِیْمِ میں وہی چار وجوہ اسی ترتیب کے موافق پڑھو اور پھر چوتھی بار اَلرَّجِیْمِ میں قصر مع الروم کرو اور اَلرَّحِیْمِ میں وہی چار وجہیں پڑھو۔ یہ کل سولہ وجوہ ہوگئیں۔ جو اَلرَّجِیْمِ کی چار کو صرف اَلرَّحِیْمِ ہی کی چار میں ضرب دینے سے پیدا ہوگئی ہیں اور اب آگے بڑھو اور ان سولہ کو اَلْعٰلَمِیْنَ کی تین کے ساتھ یکے بعد دیگرے پڑھ کر اڑتالیس پوری کرو اور وہ اس طرح کہ پہلے تو انہی سولہ کو اس ترتیب کے ساتھ پڑھو اور اَلْعٰلَمِیْنَ میں ہر مرتبہ قصر ہی کرتے رہو۔ پھر یہی سولہ وجوہ اسی ترتیب کے ساتھ دوبارہ پڑھو اور اس مرتبہ اَلْعٰلَمِیْنَ میں توسط کرتے رہو تو یہ کل بتیس ہوجائیں گی اور پھر تیسری مرتبہ انہی وجوہ کو اور اسی ترتیب کے ساتھ یکے بعد دیگرے پڑھو اور اس دفعہ اَلْعٰلَمِیْنَ میں طول کرتے جاؤ۔ پس یہ اڑتالیس ہوجائیں گی۔ اب ذیل کے نقشوں کو بغور دیکھو۔ امید ہے کہ اس سے ان اڑتالیس ضربی وجوہ کے سمجھنے میں تمہیں بہت مدد ملے گی اور نقشوں کو اس طرح پیش کیا گیا ہے کہ پہلے تو ایک چھوٹے نقشہ میں اَلرَّحِیْمِ کی چاروں وجوہ اَلرَّجِیْمِ کے طول مع الاسکان کے ساتھ دکھائی ہیں۔ پھر دوسرے نقشہ میں توسط مع الاسکان کے ساتھ پھر تیسرے میں قصر مع الاسکان کے ساتھ اور پھر چوتھے میں قصر مع الروم کے ساتھ دکھائی ہیں اور پھر ان سولہ کو ایک ہی بڑے نقشہ میں اس طرح دکھایا گیا ہے کہ اس مرتبہ اَلْعٰلَمِیْنَ کو بھی شامل کیا گیا ہے اور اَلرَّجِیْمِ و اَلرَّحِیْمِ کی ان سولہ وجوہ میں سے ہر ایک کے ساتھ اَلْعٰلَمِیْنَ میں قصر ہی دکھایا ہے اور پھر دوسرے نقشہ میں یہی سولہ اَلْعٰلَمِیْنَ کے توسط کے ساتھ اور پھر تیسرے نقشہ میں اَلْعٰلَمِیْنَ کے طول کے ساتھ دکھائی گئی ہیں۔

پہلی چار وجوہ

اَلرَّجِیۡمِ = طول مع الاسکان

اَلرَّجِیۡمِ = [۱] طول مع الاسکان [۲] توسط مع الاسکان [۳] قصر مع الاسکان [۴] قصر مع الروم

غور کرو اِن چاروں وجوہ میں اَلرَّجِیۡمِ تو ایک ہی حالت پر رہا ہے۔ نہ مد کی وجہ بدلی ہے اور نہ وقف کی کیفیت لیکن اَلرَّجِیۡمِ میں چار تبدیلیاں نظر آ رہی ہیں۔ چنانچہ پہلے تو اس میں طول مع الاسکان ہوا ہے۔ پھر توسط مع الاسکان پھر قصر مع الاسکان اور پھر قصر مع الروم پس پہلی تین تبدیلیاں تو وجہ مد کے بدل جانے سے ہوئی ہیں۔ چوتھی تبدیلی کیفیت وقف کے بدل جانے سے۔

دوسری چار وجوہ

اَلرَّجِیۡمِ = توسط مع الاسکان

اَلرَّجِیۡمِ = [۱] طول مع الاسکان [۲] توسط مع الاسکان [۳] قصر مع الاسکان [۴] قصر مع الروم

ان چاروں وجوہ میں بھی غور کرو گے تو اسی نتیجہ پر پہنچو گے کہ اَلرَّجِیۡمِ چاروں وجوہ میں ایک ہی حالت پر رہا ہے اور اَلرَّجِیۡمِ میں پہلے کی طرح تبدیلی ہوتی رہی ہے۔

تیسری چار وجوہ

اَلرَّجِیۡمِ = قصر مع الاسکان

اَلرَّجِیۡمِ = [۱] طول مع الاسکان [۲] توسط مع الاسکان [۳] قصر مع الاسکان [۴] قصر مع الروم

ان میں بھی پہلے اور دوسرے نقشہ کی طرح اَلرَّجِیۡمِ میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی اور اَلرَّجِیۡمِ میں پہلے کی طرح چار تبدیلیاں ہوئی ہیں۔

چوتھی چار وجوہ

اَلرَّجِیْمِ = قصر مع الروم

اَلرَّجِیْمِ = ۱ طول مع الاسکان ۲ توسط مع الاسکان ۳ قصر مع الاسکان ۴ قصر مع الروم

ان میں پہلی تین کی طرح تبدیلی صرف اَلرَّجِیْمِ میں ہوئی ہے اور اَلرَّجِیْمِ چاروں وجوہ میں ایک ہی حالت پر رہا ہے۔ یہاں تک سولہ وجوہ ہو گئیں۔ اب ان سولہ وجوہ کو ایک ہی نقشہ میں دیکھو۔ اس میں اَلْعٰلَمِیْنَ کو بھی شامل کیا گیا ہے اور اس کی کیفیت بھی دکھائی گئی ہے تو گویا یہ سولہ وجوہ کا مکمل نقشہ ہے۔

اَلْعٰلَمِیْنَ کے قصر والی سولہ وجوہ کا نقشہ

اَلرَّجِیْمِ طول مع الاسکان اَلرَّجِیْمِ = ۱ طول مع الاسکان ۲ توسط مع الاسکان ۳ قصر مع الاسکان ۴ قصر مع الروم **اَلرَّجِیْمِ توسط مع الاسکان** اَلرَّجِیْمِ = ۵ طول مع الاسکان ۶ توسط مع الاسکان ۷ قصر مع الاسکان ۸ قصر مع الروم **اَلرَّجِیْمِ قصر مع الاسکان** اَلرَّجِیْمِ = ۹ طول مع الاسکان ۱۰ توسط مع الاسکان ۱۱ قصر مع الاسکان ۱۲ قصر مع الروم **اَلرَّجِیْمِ قصر مع الروم** اَلرَّجِیْمِ = ۱۳ طول مع الاسکان ۱۴ توسط مع الاسکان ۱۵ قصر مع الاسکان ۱۶ قصر مع الروم	العلمین قصر مع الاسکان

امید ہے کہ اس نقشہ کے دیکھنے سے اَلْعٰلَمِیْنَ کے قصر والی سولہ وجوہ خوب سمجھ میں آ گئی ہوں گی۔

اب پھر ان ہی سولہ وجوہ کو اسی ترتیب کے موافق پڑھو اور اس مرتبہ ہر وجہ کے ساتھ اَلْعٰلَمِیْنَ میں توسط مع الاسکان پڑھو اور پھر تیسری بار انہی سولہ وجوہ کو بالترتیب پڑھو اور اس مرتبہ اَلْعٰلَمِیْنَ میں طول مع الاسکان کرو۔ طلباء کی آسانی کے پیش نظر ان بتیس وجوہ کو بھی دو نقشوں میں دکھایا جاتا ہے۔

اَلْعٰلَمِیْنَ کے توسط والی سولہ وجوہ کا نقشہ

توسط مع الاسکان العلمین

اَلرَّجِیْمِ طول مع الاسکان

اَلرَّجِیْمِ = ۱۷ طول مع الاسکان ۱۸ توسط مع الاسکان ۱۹ قصر مع الاسکان
۲۰ قصر مع الروم

اَلرَّجِیْمِ توسط مع الاسکان

اَلرَّجِیْمِ = ۲۱ طول مع الاسکان ۲۲ توسط مع الاسکان ۲۳ قصر مع الاسکان
۲۴ قصر مع الروم

اَلرَّجِیْمِ قصر مع الاسکان

اَلرَّجِیْمِ = ۲۵ طول مع الاسکان ۲۶ توسط مع الاسکان ۲۷ قصر مع الاسکان
۲۸ قصر مع الروم

اَلرَّجِیْمِ قصر مع الروم

اَلرَّجِیْمِ = ۲۹ طول مع الاسکان ۳۰ توسط مع الاسکان ۳۱ قصر مع الاسکان
۳۲ قصر مع الروم

اَلْعٰلَمِیْنَ کے طول والی سولہ وجوہ کا نقشہ

اَلْعٰلَمِیْنَ طول مع الاسکان

اَلرَّجِیْمِ طول مع الاسکان

اَلرَّجِیْمِ = ۳۳ طول مع الاسکان ۳۴ توسط مع الاسکان ۳۵ قصر مع الاسکان
۳۶ قصر مع الروم

اَلرَّجِیْمِ توسط مع الاسکان

اَلرَّجِیْمِ = ۳٦ طول مع الاسکان ۳۷ توسط مع الاسکان ۳۸ قصر مع الاسکان
۳۹ قصر مع الروم

اَلرَّجِیْمِ قصر مع الاسکان

اَلرَّجِیْمِ = ۴۰ طول مع الاسکان ۴۱ توسط مع الاسکان ۴۲ قصر مع الاسکان
۴۳ قصر مع الروم

اَلرَّجِیْمِ قصر مع الروم

اَلرَّجِیْمِ = ۴۴ طول مع الاسکان ۴۵ توسط مع الاسکان ۴۶ قصر مع الاسکان
۴۷ قصر مع الروم

③ یعنی تین وجوہ اور مراد اس سے مد کی تین وجوہ ہیں یعنی طول۔ توسط۔ قصر اور مدود ثلاثہ سے بھی مد کی یہی تین وجوہ مراد ہیں۔ پس اوجہ ثلاثہ سے تو اَلرَّجِیْمِ کی تین وجوہ مراد ہیں اور مدود ثلاثہ سے اَلرَّجِیْمِ کی تین وجوہ اور مدود جمع مد کی ہے اور مد یہاں بمعنی وجہ مد ہے۔

④ ان چار کے جائز ہونے کی وجہ ظاہر ہے کہ ان میں وجوہ مد کے اعتبار سے تساوی اور توافق ہے۔ چنانچہ پہلی وجہ میں تینوں میں طول دوسری میں تینوں میں توسط اور تیسری اور چوتھی میں تینوں میں قصر ہے اور گو چوتھی میں اتنا فرق ضرور ہے کہ اَلرَّجِیْمِ اور اَلرَّحِیْمِ میں تو روم ہے اور اَلْعٰلَمِیْنَ میں اسکان مگر اس کا کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ کسی وجہ کے صحیح اور جائز

ہونے کے لیے بس اتنا ہی ضروری ہے کہ اوجہ مد میں برابری ہو کیفیت وقف کے لحاظ سے مساوات ضروری نہیں اور پھر یہاں تو عدم مساوات ہے بھی ناگزیر کیونکہ اَلْعٰلَمِیْنَ میں روم ہو ہی نہیں سکتا۔

⑤اس لیے کہ اَلرَّحِیْمِ اور اَلرَّحِیْمِ میں روم کی وجہ سے طول وتوسط ہو ہی نہیں سکتے پس اس مجبوری کی بناء پر مساوات کے باقی نہ رہنے کے باوجود بھی یہ دو وجوہ بعض کے نزدیک جائز سمجھی گئی ہیں اور بعض نے اس ظاہری عدم مساوات کو سامنے رکھ کر باوجود مجبوری کے بھی ناجائز ہی کہا ہے۔

⑥ مگر ان بیالیس میں سے نمبر۱۲ و ۱۵ یعنی اَلرَّحِیْمِ کے قصر مع الاسکان کے ساتھ اَلرَّحِیْمِ کا قصر مع الروم اور اس کا عکس یعنی اَلرَّحِیْمِ کے قصر مع الروم کے ساتھ اَلرَّحِیْمِ کا قصر مع الاسکان کو ناجائز کہنے میں نظر ہے کیونکہ ان میں اوجہ مد کے اعتبار سے مساوات ہے۔ صرف اتنی بات ہے کہ کیفیت وقف دونوں میں ایک نہیں اور کسی وجہ کے جائز ہونے کے لیے کیفیت وقف میں اتحاد شرط نہیں۔ چنانچہ آگے خود مولف رحمہ اللہ نے بھی وجہ کے جائز ہونے کے لیے جن چیزوں کو شرط قرار دیا ہے۔ ان میں کیفیت وقف کے اتحاد کا کوئی ذکر نہیں فرمایا۔ جیسا کہ حاشیہ ۱۵ کے ضمن میں اس کی وضاحت آرہی ہے اور یوں بھی اگر اس کو ضابطہ تسلیم کرلیا جائے اور ان وجوہ کو بھی ناجائز ہی قرار دیا جائے۔ جن میں وقف کی کیفیت ایک نہیں رہتی تو اس سے یہ لازم آئے گا کہ قاری وقف کے بارے میں بھی شروع تلاوت سے آخر تک ایک ہی کیفیت پر رہنے کا پابند رہے اور اس میں علاوہ تکلف کے قاری کو مشکل کا بھی سامنا کرنا پڑے گا خصوصاً روم اور اشمام کے بارے میں تو یہ التزام اور بھی مشکل ہے۔ پھر یہ کہ اس ضابطہ کے تسلیم کرنے کے بعد اَلرَّحِیْمِ اور اَلرَّحِیْمِ کے قصر مع الروم کے ساتھ اَلْعٰلَمِیْنَ کے قصر مع الاسکان کو جائز کہنا بھی مشکل ہو جائے گا۔ بلکہ بعض حضرات نے تو نمبر ۲۴۔۲۹۔۳۶ اور ۴۵ یعنی اَلرَّحِیْمِ اور اَلْعٰلَمِیْنَ دونوں کے توسط اور طول کے ساتھ اَلرَّحِیْمِ میں قصر مع الروم اور اَلرَّحِیْمِ کے قصر مع الروم کے ساتھ اَلرَّحِیْمِ اور اَلْعٰلَمِیْنَ

دونوں میں توسط اور طول کو جائز بتایا ہے (دیکھو تسہیل القواعد مصنفہ حضرت مولانا قاری فتح محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ پانی پتی سبق ۱۵)

⑦ کیونکہ اس صورت میں موقوف علیہ صرف دو ہی رہ جاتے ہیں۔ اَلرَّجِیْمِ اور اَلْعٰلَمِیْنَ۔ پس پہلے کی چار میں سے ہر ایک کے ساتھ اَلْعٰلَمِیْنَ میں تین وجوہ پڑھی جائیں تو چار کو تین میں ضرب دینے سے بارہ ہی بنتی ہیں اور وصل اول فصل ثانی کو بھی بعینہٖ اسی طرح سمجھنا چاہیے کیونکہ اس میں بھی موقوف علیہ دو ہی ہیں اور دونوں میں پہلے کی حالت بھی ایک ہی ہے۔ صرف اتنا فرق ہے کہ اس میں تو پہلا موقوف علیہ اَلرَّجِیْمِ ہے اور اس میں اَلرَّجِیْمِ۔

⑧ پہلے طول سے مراد اَلرَّجِیْمِ کا طول ہے اور دوسرے سے اَلْعٰلَمِیْنَ کا اور اسکان دونوں کو شامل ہے۔ اَلرَّجِیْمِ کے اسکان کو بھی اور اَلْعٰلَمِیْنَ کے اسکان کو بھی تو گویا اصل کی رو سے عبارت اس طرح ہے طول مع الاسکان مع الطّول مع الاسکان لیکن تکرار سے بچنے کی خاطر پہلی جگہ سے مع الاسکان کو حذف کر کر دیا ہے اور باقی دو یعنی توسط اور قصر میں بھی یہی وضاحت سمجھنی چاہیے اور چوتھی میں روم سے مراد تو اَلرَّجِیْمِ کا روم ہے اور اسکان سے مراد اَلْعٰلَمِیْنَ کا اسکان۔ پس تیسری اور چوتھی میں یہی فرق ہوا کہ تیسری میں تو دونوں میں اسکان ہے اور چوتھی میں اَلرَّجِیْمِ میں تو روم ہے اور اَلْعٰلَمِیْنَ میں اسکان اور اس فرق سے وجہ کے جائز ہونے پر کچھ اثر نہیں پڑتا جیسا کہ حاشیہ نمبر ۱۸ کے ضمن میں لکھا جا چکا ہے۔

⑨ ان دونوں کے مختلف فیہ ہونے کی توجیہ اوپر حاشیہ نمبر ۱۹ کے ضمن میں گزر چکی ہے کہ بعض نے ظاہری عدم مساوات کی بناء پر ناجائز اور بعض نے مجبوری کے پیش نظر جائز کہا ہے۔

⑩ مطلب یہ ہے کہ وصل کل کی حالت میں چونکہ وقف نہ اَلرَّجِیْمِ پر ہوگا اور نہ اَلرَّحِیْمِ پر اس لیے اس صورت میں ضربی وجوہ کا سوال ہی پیدا نہ ہوگا صرف اَلْعٰلَمِیْنَ ہی میں تین وجوہ ہوں گی یعنی طول توسط قصر مع الاسکان اور مدود ثلاثہ سے یہی تین وجوہ

مراد ہیں۔

⑪ پندرہ تو اس طرح کہ چار فصل کل کی صورت میں چار فصل اول وصل ثانی کی صورت میں چار وصل اول فصل ثانی کی صورت اور تین وصل کل کی صورت میں ہیں اور اکیس اس طرح کہ پہلی تین صورتوں میں سے ہر ہر صورت میں دو دو وجوہ مختلف فیہ ہیں۔ پس ان چھ کے ملانے سے کل اکیس ہوگئیں اور اگر تسہیل القواعد کے بیان کے موافق فصل کل کی اڑتالیس وجوہ میں سے ان چھ کو بھی جائز قرار دے دیا جائے۔ جن کا ذکر حاشیہ نمبر ۶ کے ضمن میں کیا گیا ہے تو پھر وجوہ جائز کی تعداد پندرہ یا اکیس سے بڑھ کر ستائیس تک پہنچ جاتی ہے اور احقر کے ذوق کا میلان اس جانب ہے کہ سترہ کو تو بالاتفاق جائز کہا جائے گا اور دس کو مختلف فیہ۔ اتفاقی سترہ کی فہرست میں فوائد مکیہ کی پندرہ کے علاوہ نمبر ۱۲ اور ۱۵ کو اور اختلافی ۱۰ کی فہرست میں متن کی چھ کے علاوہ نمبر ۲۴۔ ۲۹۔ ۳۶ اور ۴۵ کو شامل کیا جائے امید ہے کہ اہل علم حضرات رہنمائی فرمائیں گے۔

⑫ یہاں وقف سے مراد قطع ہے۔ یعنی یہ کہ قرآءت یہاں ختم ہی کردی جائے۔ ورنہ وقف تو اَلرَّجِیۡمِ اور اَلرَّحِیۡمِ پر بھی کیا ہی جاتا ہے۔

⑬ یہاں وقف اپنے ہی معنی میں ہے اور اس سے مراد قطع نہیں۔ کیونکہ یہاں وقف کے مقابلے میں وصل کو لائے ہیں اور وصل کا مقابل وقف ہی ہے قطع نہیں اور یوں بھی اگر یہاں وقف سے مراد قطع لیا جائے تو اس سے کوئی بات نہیں بنتی۔ کیوں کہ کہیں وصل اور کہیں قطع کے کوئی معنی ہی نہیں نکلتے۔ اس لیے کہ قطع کہتے ہیں قرآءت کے بالکل ختم کردینے کو۔ پس جب قرآءت کو بالکل ختم ہی کردیا تو پھر اس کے بعد کہیں وصل کے کیا معنی۔ پس پہلے دو موقعوں میں تو وقف قطع کے معنی میں ہے اور یہاں اپنے معنی میں۔

⑭ کیونکہ موقوف علیہ کے زیادہ ہوجانے سے وجوہ بھی زیادہ ہوجائیں گی۔ غور کرو کہ اَلرَّجِیۡمِ پر قطع قرآءت سے صرف سولہ وجہیں پیدا ہوئی تھیں۔ اس لیے درمیان میں موقوف علیہ صرف ایک ہی تھا یعنی اَلرَّجِیۡمِ۔ پھر جب قطع اَلۡعٰلَمِیۡنَ پر کیا تو اب درمیان میں چونکہ

موقوف علیہ دو ہو گئے۔ یعنی اَلرَّحِیْمِ اور اَلرَّحِیْمِ تو وجوہ سولہ سے تجاوز ہو کر اڑتالیس تک پہنچ گئیں۔ ایسے ہی اگر اَلْعٰلَمِیْنَ پر بھی قطع نہ کیا جائے۔ بلکہ اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ پر کیا جائے تو پہلی اڑتالیس کو دوسرے اَلرَّحِیْمِ کی چار میں ضرب دینے سے وجوہ ایک سو بانوے ہو جائیں گی اور اگر قطع یہاں بھی نہ کیا جائے بلکہ یَوْمِ الدِّیْنِ پر کیا جائے تو پھر پہلی ایک سو بانوے کو اَلدِّیْنِ کی چار میں ضرب دینے سے سات سو اڑسٹھ ہو جائیں گی اور اگر قطع نَسْتَعِیْنُ پر کیا جائے تو چونکہ اس میں وجوہ جائزہ سات ہیں تین اسکان کے ساتھ۔ تین اشمام کے ساتھ اور ایک روم کے ساتھ تو اب پہلی سات سو اڑسٹھ کو نَسْتَعِیْنُ کی سات میں ضرب دینے سے وجوہ کی تعداد پانچ ہزار تین سو چھہتر تک پہنچ جائے گی۔

اب چند صورتیں کہیں وصل اور کہیں وقف کی لکھی جاتی ہیں۔ غور کرو کہ اگر اَلرَّحِیْمِ اور اَلرَّحِیْمِ ان دونوں پر وقف تو کیا جائے لیکن قطع اَلْعٰلَمِیْنَ پر نہ کیا جائے بلکہ اس کا مابعد سے وصل کر کے اَلرَّحِیْمِ پر کیا جائے تو اب وجوہ بجائے اڑتالیس کے چونسٹھ ہوں گی۔ کیونکہ اب پہلی سولہ کو دوسرے اَلرَّحِیْمِ کی چار میں ضرب دیں گے اور اگر اَلرَّحِیْمِ پر بھی قطع نہیں کیا بلکہ اس کا مابعد سے وصل کر کے اَلدِّیْنِ پر کیا ہے تو اس صورت میں بھی وجوہ چونسٹھ ہی نکلیں گی۔ کیونکہ اَلرَّحِیْمِ اور اَلدِّیْنِ دونوں میں موقوف علیہ کی کیفیت ایک ہی ہے اور اگر اَلدِّیْنِ کا بھی وصل ہی کیا ہے اور قطع نَسْتَعِیْنُ پر کیا تو اب ضربی وجوہ ایک سو بارہ ہوں گی۔ کیونکہ اس صورت میں اَلرَّحِیْمِ کی سولہ نَسْتَعِیْنُ کی سات میں ضرب دی جائیں گی اور اگر وقف اَلْعٰلَمِیْنَ پر کیا ہے۔ لیکن اَلرَّحِیْمِ اور اَلدِّیْنِ پر نہیں کیا تو اس صورت میں اَلْعٰلَمِیْنِ تک کی اڑتالیس کو نَسْتَعِیْنُ کی سات میں ضرب دینے سے وجوہ تین سو چھتیس ہوں گی وغیرہ وغیرہ۔ یہ ساری تفصیل طلبہ کے ذہنوں کو تیز کرنے اور ان کے اندر استخراج وجوہ کی استعداد پیدا کرنے کی غرض سے کی گئی ہے۔ ورنہ ظاہر ہے کہ عملاً تو وجوہ کی یہ بھاری تعداد نہ صحیح ہے نہ مطلوب۔ عملی لحاظ سے تو ان بہت سی وجوہ میں سے جائز صرف وہی چند وجوہ سمجھی جائیں گی جن میں تساوی اور توافق ہوگا اور اب آگے مصنف بہت سی وجوہ

میں سے وجوہ جائز کو چھانٹنے اور جائزہ وغیرہ جائزہ میں امتیاز کرنے کا طریقہ بیان فرماتے ہیں۔ بس یہی وہ طریقہ ہے جو اس ساری بحث کی جان ہے۔ جس کے ذہن نشین ہو جانے اور سمجھ میں آ جانے کے بعد مدود اور اوجہ مد کی اس وادی کو طے کرنا قطعاً مشکل نہیں رہ جاتا۔

⑮ یہاں طریقہ بمعنی ضابطہ اور قاعدہ ہے۔ جس کے تین اصول ہیں [۱] ضعیف کی قوی پر ترجیح نہ ہونے پائے [۲] عدم مساوات لازم نہ آئے [۳] اقوال مختلفہ میں خلط نہ ہو پس جس وجہ میں ان تینوں میں سے کوئی بات بھی نہ ہوگی وہ وجہ تو صحیح سمجھی جائے گی اور اگر ان تینوں میں سے ایک بات بھی پائی گئی۔ مثلاً ضعیف کی ترجیح قوی پر ہوگئی یا مساوات نہ رہی یا اقوال مختلفہ میں خلط ہوگیا تو ان تینوں صورتوں میں وہ وجہ غیر صحیح سمجھی جائے گی اور تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ مد فرعی کی چار قسموں میں سے لازم و عارض میں تو مد کا سبب سکون بنتا ہے اور باقی دو یعنی متصل اور منفصل میں سبب مد ہمزہ ہوتا ہے۔ پھر متصل اور منفصل میں سے متصل تو قوی ہے اور منفصل ضعیف اور لازم و عارض میں سے لازم قوی ہے اور عارض ضعیف اور اس فرق مراتب کی وجہ یہ ہے کہ متصل میں تو سبب مد کا حرف مد کے ساتھ اتصال مستقل اور دائمی ہوتا ہے جو کسی حالت میں بھی اس سے جدا نہیں ہوسکتا۔ بخلاف منفصل کے کہ اس میں پہلے کلمہ پر وقف کرنے کی صورت میں سبب مد حرف مد سے جدا ہو جاتا ہے۔ ایسے ہی لازم و عارض میں بھی قوت اور ضعف کا فرق اس لیے ہے کہ لازم میں تو سبب مد یعنی سکون کا وجود ایسا لازمی اور ضروری ہوتا ہے کہ حالین میں باقی رہتا ہے اور کسی حالت میں بھی زائل نہیں ہوتا۔ بخلاف عارض کے کہ اس میں یہ سبب صرف وقفاً ہی عارض ہوتا ہے اور بحالت وصل اس کا وجود نہیں ہوتا۔ پھر عارض کی دو قسموں یعنی عارض وقفی اور لین عارض میں سے بھی عارض تو قوی ہے اور لین عارض ضعیف۔ اس لیے کہ پہلی میں محل مد حرف مدہ ہوتا ہے اور دوسری میں حرف لین اور حرف مدٗ مد کے باب میں اصل ہے بخلاف لین کے کہ اس میں مد صرف مشابہت کی وجہ سے ہوتا ہے۔ حرف مد کی طرح اس کی ذات میں مدیت نہیں پائی جاتی۔ اس تمہید کے بعد اب یہ سمجھو کہ ضعیف کی قوی پر ترجیح

ہو جانے کا مطلب یہ ہے کہ جو مد حیثیت اور مرتبہ کے اعتبار سے ضعیف ہے اس کی مقدار اس مد کی مقدار سے بڑھ جائے جو حیثیت اور رتبہ کے اعتبار سے قوی ہے۔ مثلاً مد عارض اور لین عارض کے جمع ہونے کی صورت میں قاری لین عارض میں تو طول کرے اور عارض وقفی میں توسط یا لین عارض میں تو توسط کرے اور عارض میں قصر اور ایسے ہی متصل اور منفصل کے جمع ہونے کی صورت میں منفصل میں تو چار الفی توسط کرے اور متصل میں اڑھائی الفی یا منفصل میں اڑھائی الفی توسط کرے اور متصل میں دو الفی وغیرہ وغیرہ تو یہ سب صورتیں ضعیف کی قوی پر ترجیح کی ہیں۔ کیونکہ متصل منفصل سے اور عارض وقفی لین عارض سے قوی سمجھی گئی ہے جیسا کہ ابھی اوپر گذرا اور ان صورتوں میں منفصل کی مقدار متصل سے اور لین عارض کی عارض سے بڑھ جاتی ہے اور مساوات کے نہ رہنے کا مطلب یہ ہے کہ ایک حیثیت اور ایک مرتبہ کی کئی مدوں کی وجوہ میں برابری نہ رہے مثلاً کسی جگہ دو مد عارض یا دو لین عارض یا دو متصل یا دو منفصل جمع ہوں تو قاری ایک مد میں تو طول کرے اور دوسری میں توسط یا ایک میں توسط کرے اور دوسری میں قصر یا ایک میں قصر کرے اور دوسری میں طول وغیرہ وغیرہ تو یہ سب صورتیں عدم مساوات کی سمجھی جائیں گی اور اقوال مختلفہ میں خلط ہونے کا مطلب یہ ہے کہ طول اور توسط کی مقدار کے بارے میں جو کئی کئی قول منقول ہیں ان میں تساوی اور توافق نہ رہے مثلاً ایک جگہ تو دو الفی توسط کیا جائے اور دوسری جگہ چار الفی یا ایک جگہ پانچ الفی طول کیا جائے اور دوسری جگہ تین الفی وغیرہ وغیرہ۔

پھر یہ سمجھو کہ اگر کسی جگہ ایک ہی قسم اور ایک ہی حیثیت کی ایک سے زیادہ مدیں جمع ہوں مثلاً کئی متصل ہوں یا کئی منفصل یا کئی عارض وقفی ہوں یا کئی لین عارض۔ تب تو وہاں سوال پیدا ہوتا ہے مساوات و عدم مساوات کا اور اس صورت میں ضروری ہوتا ہے پاس پاس آنے والی تمام مدوں کی مقدار میں برابری اور مساوات ملحوظ رکھی جائے اور اس صورت میں ترجیح و عدم ترجیح کا سوال پیدا نہیں ہوتا کیوں کہ ان میں نہ کوئی قوی ہوتی ہے اور نہ کوئی ضعیف کہ یہ سوال پیدا ہو اور اگر دو مدیں ایسی جمع ہوں۔ جن کی حیثیت اور مرتبہ ایک نہ ہو بلکہ ایک

قوی ہو اور دوسری ضعیف مثلاً متصل اور منفصل یا عارض وقفی اور لین عارض جمع ہو جائیں تو اس صورت میں سوال پیدا ہوتا ہے ترجیح و عدم ترجیح کا کیونکہ اس صورت میں یہ جائز نہیں ہوتا کہ ضعیف کی ترجیح قوی پر ہو گو اس کا عکس یعنی قوی کی ترجیح ضعیف پر جائز ہوتی ہے۔ اس لیے ایسے موقع میں عدم مساوات کی صرف وہی شکل ناجائز ہوتی ہے۔ جس میں ضعیف کی ترجیح قوی پر لازم آئے مگر اس کو عنوان عدم مساوات نہیں دیتے۔ کیوں کہ عدم مساوات تو اس کے عکس میں یعنی قوی کی ضعیف پر ترجیح ہو جانے کی صورت میں بھی پائی جاتی ہے۔ حالانکہ وہ جائز ہے۔ رہا اقوال مختلفہ میں خلط سو اس کا احتمال مذکورہ بالا دونوں ہی صورتوں میں ہوتا ہے۔ اس صورت میں بھی جب ایک ہی قسم اور ایک ہی حیثیت کی کئی مدیں جمع ہوں اور اس صورت میں بھی جب مختلف حیثیتوں کی جمع ہوں۔ کیونکہ اقوال سے مراد طول اور توسط کی مقدار کے بارے میں مختلف اقوال ہیں اور ان میں خلط کا احتمال دونوں ہی صورتوں میں ہو سکتا ہے مثلاً اگر کسی جگہ دو متصل جمع ہوں تو اگرچہ ہوتا تو دونوں میں توسط ہی ہے مگر چونکہ توسط کی مقدار میں بھی کئی قول ہیں۔ اس لیے خلط کا احتمال ہو سکتا ہے اور ایسے ہی اگر دو حیثیتوں کی مدیں جمع ہوں تو وہاں بھی خلط فی الاقوال کا احتمال اس لیے ہو سکتا ہے کہ وجہ مد تو دونوں میں ایک ہی اختیار کی جائے مثلاً دونوں میں طول یا دونوں میں توسط کیا جائے لیکن ایک جگہ تو طول تین الفی کیا جائے اور دوسری جگہ پانچ الفی یا ایک جگہ تو دو الفی توسط کیا جائے اور دوسری جگہ تین الفی خوب سمجھ لو۔ امید ہے کہ اس تفصیل سے یہ بحث پوری سمجھ میں آ گئی ہوگی۔

﴿نوٹ﴾ اس تمام بحث کو نہایت سہل اور آسان انداز میں سمجھنے کے لیے ہماری مطبوعہ ''شرح فوائد مکیہ'' اور ''المرشد فی مسائل التجوید والوقف'' کا ضرور مطالعہ کریں جس میں جداول کے ذریعے نہایت آسان کر کے یہ تمام ابحاث سمجھائی گئی ہیں۔ (ادارہ)

م : والهمزة قطعية (٩٥) لا تسقط اصلا على الاصل ووصلية تسقط في الدرج لافي الابتداء لتعذره بالساكن فالوصلية (٩٦) في لام التعريف مفتوحة نحو الذى وفي الاسم مكسورة كاسم وفي الفعل

مضمومة ان انضم الثالث لزومًا کاقتلوا والافمکسورة کاضرب واعملوا وامشوا وفی وبئس الاسم الفسوق تکسر اللام فی الوصل لاجتماع الساکنین ویجوز لسم الفسوق والسم فی الابتداء (۹۷)

ت: اور ہمزہ (کی دو قسمیں ہیں پہلی) قطعیہ جو بالکل ساقط نہ ہو اور (دوسری قسم) وصلی ہے۔ جو ساقط ہو جائے گا درمیان میں آنے کی وجہ سے نہ کہ ابتداء میں' ابتداء کے ساکن سے متعذر ہونے کی وجہ سے۔ پس ہمزہ وصلیہ لام تعریف میں مفتوح ہوگا جیسے اَلَّذِیْ اور اسم میں مکسور ہوگا۔ جیسے اِسْم (بمعنی نام) اور فعل میں ہمزہ مضموم ہوگا اگر فعل کا تیسرا حرف مضموم ہو لازمی طور پر جیسے اُقْتُلُوْا ورنہ پس مکسور ہو جیسے اِضْرِبْ۔ اِعْمَلُوْا۔ اِمْشُوْا اور بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ میں کسرہ دیا جائے گا لام کو وصل میں اجتماع ساکنین کی وجہ سے اور جائز ہے لِسْمُ الْفُسُوْقُ اور اَلِسْمُ الْفُسُوْقُ ابتداء میں۔

ش: ہمزہ کا بیان: (۹۵) مد کے احکام سے فارغ ہو کر ہمزہ کا بیان شروع کر رہے ہیں۔ یہ بھی صفات عارضہ کے اسباب میں سے دوسرے سبب میں داخل ہے۔ اس لیے کہ ہمزہ جب دوسرے کلمہ اور حرف کے ساتھ آئے گا تب ہی اس کے وصلی اور قطعی ہونے کی بحث کی جائے گی ورنہ نفس ہمزہ تو اور حروف ہجائیہ کی طرح ایک مستقل حرف ہے۔ ہمزہ کی دو قسمیں ہیں ① قطعی ② وصلی۔ ہمزہ قطعی وہ ہمزہ جو ہر حالت میں باقی رہے۔ کسی حال میں ساقط نہ ہو نہ وقف میں نہ وصل میں اور ہمزہ وصلیہ جو کبھی باقی رہے اور کبھی گر جائے چنانچہ ہمزہ وصلیہ درمیان میں آنے کی صورت میں حذف ہو جائے گا اور ابتداء میں باقی رہے گا اس لیے کہ ابتداء بالساکن متعذر ہے۔ آگے یہ بیان آجائے گا کہ جس طرح وقف کی صورت میں آخر کلمہ کو ساکن کرنا پڑتا ہے' اسی طرح ماقبل میں حرکت دینی پڑتی ہے۔ گویا ابتداء اور انتہاء کے لحاظ سے یہ تقسیم کرلی گئی کہ ابتداء بالمتحرک ہو اور انتہاء بالساکن ہو۔ اس لیے اگر شروع میں آنے والا کلمہ متحرک ہے تو ٹھیک ہے اور اگر متحرک نہیں تو یہی ہمزہ وصل لگانا پڑے گا اسی وجہ سے اس کو ہمزہ وصل کہتے ہیں کہ ضرورت کے وقت اسی کو ملایا جاتا ہے۔ امام خلیل نحوی

نے ہمزہ وصلی کا نام سُلَّمُ اللِّسَانْ (زبان کی سیڑھی) اسی مناسبت سے رکھا ہے۔

(۹۶) کس جگہ ہمزہ وصلی ہوگا اور کہاں قطعی۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ لفظ کی تین قسمیں ہیں ① اسم ② فعل ③ حرف۔ حرف کی ذات جامد ہوتی ہے۔ اس لیے اس کا ہمزہ بھی قطعی ہوگا سوائے الف لام تعریف کے الف یعنی ہمزہ کے وہ وصلی ہے اور اگر لفظ فعل ہے تو اس کی تین قسمیں ہیں۔ ماضی ہوگا یا مضارع یا امر۔ پھر فعل ثلاثی ہوگا یا رباعی یا خماسی و سداسی وغیرہ فعل مضارع میں مطلقاً اور فعل ماضی ثلاثی اور رباعی میں ہمیشہ ہمزہ قطعی ہوتا ہے۔ جیسے اُکْرِمُ۔ اَنْتَصِرُ۔ اَجْتَنِبُ۔ اَسْتَنْصِرُ۔ (مضارع کے صیغے)۔ أَمَرَ۔ اَکَلَ۔ اَلْبَسَ (ماضی کے) اور فعل ماضی کے خماسی اور سادسی صیغوں میں ہمزہ وصلی ہوتا ہے۔ جیسے اِجْتَنَبَ۔ اِنْطَلَقَ۔ اِسْتَخْرَجَ۔ اس صورت میں اس کا اعراب بصیغہ معروف کسرہ ہوگا اور بصیغہ مجہول ضمہ ہوگا۔ **کما ھو فی قواعد النحو** اور امر حاضر ہے تو ہمزہ وصلی ہوگا اور اس کے اعراب کی تفصیل حسب بیان مصنف یہ ہے کہ اگر فعل امر کا تیسرے حرف پر ضمہ لازمی ہے تو ہمزہ بھی مضموم ہوگا جیسے اُقْتُلُوْا۔ اُنْظُرْ ورنہ ہمزہ مکسور ہوگا۔ ''والّا'' میں تین صورت ہے۔ ① فعل کا تیسرے حرف پر ضمہ عارضی ہو ② فعل کے تیسرے حرف پر کسرہ ہو ③ فعل کے تیسرے حرف پر فتحہ ہو۔ ان تینوں کی مثالیں مصنف نے بیان کردیں۔ اِضْرِبْ مثال ہے تیسرے حرف کے مکسور ہونے کی۔ اِعْمَلُوْا مثال ہے تیسرے حرف کے مفتوح ہونے کی۔ اِمْشُوْا مثال ہے تیسرے کلمہ پر ضمہ کے عارضی ہونے کی۔ اِمْشُوْا پر ضمہ عارضی اس لیے ہے کہ اس کی اصل اِمْشِیُوْا تھی یاء پر ضمہ تھا اس کی حرکت ما قبل والے حرف شین کو دی التقاء ساکنین ہوا یاء کو حذف کردیا اِمْشُوْا ہوگیا۔

﴿تنبیہ﴾ تیسرے حرف کے مضموم ہونے کی صورت میں ہمزہ کا مضموم ہونا اور مکسور ہونے کی صورت میں ہمزہ کا مکسور ہونا تو ظاہر ہے کہ مناسبت کی وجہ سے ہے لیکن ثالث الفعل کے مفتوح ہونے کی صورت میں ہمزہ پر کسرہ آنا! سو یہ اس وجہ سے کہ مفتوح پر اور بھی مواقع میں کسرہ آتا ہے جیسے تثنیہ اور جمع کے اعراب میں اس کی نظیر موجود ہے مُسْلِمِیْنَ اور

مُسْلِمَاتٍ حالت نصبی و کسری دونوں میں ہے۔ اسی طرح رَجُلَیْنِ نصبی اور جری دونوں حالت میں یکساں ہے۔ یہ جواب شیخ الاسلام زکریا الانصاری نے شرح جزری میں دیا۔

دوسرا جواب ملا علی قاری رحمۃ اللہ نے یہ دیا کہ چونکہ بسا اوقات ہمزہ قطعی کا اعراب فتحہ ہی ہوتا ہے۔ اس لیے فرق کرنے کے لیے اس کا اعراب کسرہ رکھا۔ واللہ اعلم۔ یہ بحث فعل کے ہمزہ کی تھی۔ لفظ کی تیسری قسم اسم ہے۔ جس کے اعراب کو مصنف نے **وفی الاسم مکسورۃ کاسم** سے بیان کیا تو اسم کی بحث کو کسی قاعدہ میں ضبط کرنا آسان نہیں اس لیے کہ اسماء بہت اور مختلف قسم کے ہیں۔ نفس اسم پر تینوں اعراب آسکتے ہیں جیسے **اٰدَمُ**۔ اِبْرَاھِیْمَ۔ اُجَاجٌ البتہ وہ اسماء جن کا ہمزہ وصلی ہوتا ہے اس پر کسرہ آتا ہے جس کو امام جزری رحمۃ اللہ نے ایک شعر میں جمع کیا ہے۔

اِبْنٍ مَّعَ ابْنَةِ امْرِئٍ وَّاثْنَیْنِ وَامْرَأَةٍ وَّاسْمٍ مَّعَ اثْنَتَیْنِ

اِبْنٌ۔ اِبْنَةٌ۔ اِمْرُؤٌ۔ اِثْنَیْنِ۔ اِمْرَأَةٌ۔ اِسْمٌ۔ اِثْنَتَیْنِ۔ یہ سات اسماء امام جزری رحمۃ اللہ نے وہ ذکر کیے ہیں جن پر ہمزہ وصلی اور سماعی ہے اور قرآن میں بھی یہ الفاظ مذکور ہوئے ہیں اس کے علاوہ تین الفاظ جو سماعی ہیں لیکن چونکہ قرآن میں اس کا ذکر نہیں اس لیے ترک کردیا اور قیاس سے ثابت ہونے والے اسماء تو بہت ہیں۔

(۹۷) ''بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ'' کے اَلِاسْمُ میں دو ہمزہ ہیں اور دونوں وصلی ہیں جو درمیان میں داخل ہو رہے ہیں۔ ایک الف لام تعریف دوسرے اسم کا الف اس لیے دونوں کو حذف کردینا جائز ہے اس صورت میں اجتماع ساکنین لازم آئے گا ایک لام ساکن دوسرے سین ساکن اس لیے دوسری ہمزہ کی حرکت لام کو دے کر بِئْسَ لِسْمُ پڑھ سکتے ہیں ایسے ہی ابتداء کی حالت میں ''لِسْمُ الْفُسُوْقُ اور اَلِسْمُ الْفُسُوْقُ دونوں پڑھ سکتے ہیں۔

﴿فائدہ﴾ یہاں ابتداء سے مراد اعادہ ہے کیونکہ بِئْسَ پر وقف جائز نہیں لہٰذا اَلِاسْمُ الْفُسُوْقُ پر وقف کرکے لِسْمُ الْفُسُوْقُ اور اَلِسْمُ الْفُسُوْقُ دونوں طرح اعادہ جائز ہے۔ (تنویر ص ۵۷)

﴿فائدہ﴾ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ سے یہ قاعدہ نکالا جاسکتا ہے کہ وہ موقع جہاں ہمزہ وصلی مکسور سے پہلے کوئی ساکن حرف ہو تو اجتماع ساکنین کے قاعدہ سے پہلے ساکن حرف کو کسرہ دے کر ہمزہ وصلی کو حذف کردیا جائے۔ یہ بھی صفات عارضہ میں عارض بالحرف کی ایک قسم ہے جس کو نقل کہتے ہیں۔ ہمزہ وصلی میں اس کو مثل نقل کہہ سکتے ہیں۔ (تنویر ص ۵۶)

م: والقطعية مطلقا (۹۸) محققة عن الحفص كما اذا اجتمع القطعيتان المتحركتان الا اعجمي وعربي فان الثانية عنه مسهلة۔ والتسهيل (۹۹) تشكيل الهمزة بينها وبين ما يناسب حركتها لعلاقة الاصلية والفرعية بينهما فالالف مناسب للفتحة والواو للضمة والياء للكسرة كما سيأتي

ت: اور ہمزۂ قطعیہ مطلقاً یعنی ہر جگہ تحقیق سے پڑھا جائے گا امام حفص رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جیسا کہ جمع ہوجائیں دو قطعی متحرک ہمزہ مگر ءَاَعْجَمِيٌّ وَّعَرَبِيٌّ پس بے شک دوسرے ہمزہ میں امام حفص رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تسہیل کی جائے گی اور تسہیل کہتے ہیں ہمزہ کو شکل دینا اس کے اور اس کے مناسب حرکت کے درمیان اصلیت اور فرعیت کے تعلق کی وجہ سے دونوں کے درمیان۔ پس الف مناسب ہے فتحہ کے اور واو ضمہ کے اور یاء کسرہ کے جیسا کہ آ جائے گا!

ش: تحقیق ہمزہ: (۹۸) ہمزۂ قطعیہ کے احکام سنیے [1] امام حفص رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ ہے کہ اسے ہر جگہ تحقیق سے پڑھا جائے گا۔ البتہ بعض قراء مثلاً ورش رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ ہمزۂ قطعیہ متحرک اور اس کے ماقبل حروف مدہ یا میم جمع کے علاوہ کوئی اور حرف ساکن ہو تو اس ساکن کو ہمزہ کی حرکت دے کر پڑھیں گے جیسے مِنْ اِسْتَبْرَقٍ کو مِنِ اسْتَبْرَقٍ اسی کو امام شاطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

وَحَرِّكْ لِوَرْشٍ كُلَّ سَاكِنٍ آخِرٍ
صَحِيْحٍ بِشَكْلِ الْهَمْزِ وَاحْذِفْهُ مُسْهِلَا

"یعنی ورش قاری رحمہ اللہ کے یہاں ہمزہ کی حرکت ماقبل حرف ساکن صحیح کو دے کر اسے تسہیلاً حذف کردو"

۲ امام حفص رحمہ اللہ کے نزدیک دو ہمزہ قطعی متحرک جمع ہو جائیں تو دونوں کو تحقیق سے پڑھا جائے گا جیسے ءَاَنْذَرْتَهُمْ۔ ءَاَنْتَ قُلْتَ۔ ءَاُنْزِلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ وغیرہ وغیرہ مگر صرف ایک جگہ ءَاَعْجَمِيٌّ وَّعَرَبِيٌّ میں اول ہمزہ میں تحقیق اور دوسرے ہمزہ میں تسہیل واجب ہے۔

تسہیل: (۹۹) تسہیل کی تعریف بیان فرمائی ہے۔ لغوی معنی آسان کرنے کے آتے ہیں اصطلاح تجوید میں تسہیل سے مراد یہ ہے کہ ہمزہ کو نہ تو ایسی قوت وسختی سے ادا کیا جائے جو جہر و شدت کا مقتضی ہے اور نہ اتنی سہولت سے ادا کیا جائے کہ وہ حروف مدہ سے بدل جائے بلکہ دونوں کے درمیان یعنی حرکت کے مناسب حرف مد اور ہمزہ کے مخرج سے ادا کرنا۔ یہ تسہیل اوپر والی مثال ءَاَعْجَمِيٌّ وَّعَرَبِيٌّ میں تو امام حفص رحمہ اللہ کے یہاں واجب ہے البتہ اس کے علاوہ اور بھی چھ جگہ قرآن میں ایسی ہیں جہاں تسہیل جائز ہے جس کا ذکر خود آگے آرہا ہے۔

"بین ما یناسب حرکتها" ہمزہ پر جو حرکت ہوگی اس کے مناسب حرف مدہ لایا جائے گا چنانچہ الف فتحہ کے مناسب ہے واؤ ضمہ کے مناسب ہے یاء کسرہ کے مناسب ہے۔

یہاں پر چونکہ تحقیق و تسہیل کی بحث آ گئی اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ جلالین اور دیگر کتب تفسیر میں عام طور پر ءَاَنْذَرْتَهُمْ وغیرہ میں اختلاف اقوال قراء بیان کیا جاتا ہے اسے واضح کردوں تاکہ طلبہ کے لیے موجب بصیرت اور عام طور پر اس سلسلہ میں ان کو جو الجھن پیدا ہوتی ہے وہ دور ہو جائے۔

ءَاَنْذَرْتَهُمْ میں جہاں دو ہمزۂ قطعیہ متحرک جمع ہوں وہاں سات قرآءات ہیں۔

۱ دونوں کی تحقیق۔ یہ قرآءت ابن عامر اور کوفیین کی ہے۔

۲ اول کی تحقیق اور دوسرے کو الف سے بدلنا۔ یہ قرآءت ورش عن نافع کی ہے قاضی بیضاوی رحمہ اللہ نے یہ قرآءت نقل کرکے فرمایا کہ یہ لحن ہے اس لیے کہ متحرک الف سے

نہیں بدلا کرتا نیز اجتماع ساکنین علی غیر حدہ لازم آئے گا۔

③ اول کی تحقیق دوسرے میں تسہیل۔ یہ ابوعمرو۔ ابن کثیر کی قرآءت ہے۔

④ اول کی تحقیق دوسرے میں تسہیل اور درمیان میں الف داخل ہو۔

⑤ دونوں میں تحقیق کے ساتھ درمیان میں الف۔ یہ قرآءت ہشام عن ابن عامر کی ہے۔ یہ پانچ قرآءتیں اس عبارت میں آگئیں۔ ① تحقیق الهمزتین۔ ② وابدال الثانیة الفًا۔ ③ وتسهیلها۔ ④ وادخال الف بین المسهلة والاخریٰ۔ ⑤ وترکه۔

اس کے علاوہ دو قرآءت بیضاوی رحمہ اللہ نے اور نقل کی وہ یہ کہ [1] ہمزہ استفہام کو حذف کردیا جائے [2] ہمزۂ استفہام حذف کر کے اس کی حرکت ماقبل کو دے کر پڑھا جائے جیسے سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ أَنْذَرْتَهُمْ۔

﴿شارح موصوف قرآءت ورش عن نافع کو قاضی بیضاوی رحمہ اللہ کے حوالے سے جو فرما رہے ہیں کہ یہ لحن ہے یہ بالکل غلط اور بے اصل ہے قرآءت کی معتبر کتب شاطبیہ۔ تیسیر۔ طیبہ اور النشر وغیرہ میں اس قرآءت کو صحیح اور مقروء کہا گیا ہے بلکہ آخر میں قاضی بیضاوی رحمہ اللہ نے جو قرآءات نقل کی ہیں یہ قرآءت شاذہ ہیں جن کا بطور قرآن کے پڑھنا حرام ہے۔ قاری نجم الصبیح التھانوی عفی عنہ﴾

م: واذا اجتمع الهمزتان (١٠٠) فان كانت الاولیٰ متحركة سواء كانت قطعية او وصلية والثانية القطعية ساكنة يجب ابدال الساكنة عما يناسب حركة الاولیٰ الا اذا حذفت الوصلية للدرج۔

ت: اور جب دو ہمزہ جمع ہوجائیں۔ پس اگر پہلا ہمزہ متحرک ہو چاہے قطعی ہو یا وصلی اور دوسرا ہمزہ قطعی ساکن ہو تو واجب ہے ساکنہ کو بدلنا ایسے حرف مد سے جو پہلے حرکت کے مناسب ہو مگر جب کہ وصلیہ حذف کردیا جائے درمیان میں آنے کی وجہ سے۔

ش: (١٠٠) ہمزہ کے متعلق تیسرا قاعدہ بیان کر رہے ہیں۔ یہ قاعدہ ابدال کا

ہے۔ اگر پہلا ہمزہ متحرک ہو چاہے قطعی ہو یا وصلی اور دوسرا ہمزہ قطعی اور ساکن ہو تو اس کا حکم یہ ہے کہ اس میں ابدال ہوگا یعنی ہمزۂ ساکنہ کو پہلے ہمزہ کی حرکت کے موافق بدلنا واجب ہے مثلاً اٰمَنَ اصل میں ءَ اْمَنَ تھا اِیْمَانًا اصل میں اِئْمَانًا تھا پہلی مثال میں دوسرے ہمزہ کو الف سے اور دوسری مثال میں یاء سے بدلا اٰمَنَ اور اِیْمَانًا ہوگیا۔ لیکن اگر پہلا ہمزہ وصلی ہے اور دوسرا ساکن جیسے اُؤْتُمِنَ اَمَانَتَهٗ میں تو اس کی دو حالت ہے یا تو ماقبل سے ملا کر پڑھا جائے گا یا اسی کلمہ سے ابتداء ہوگی پہلی صورت میں پہلا ہمزہ حذف ہو جائے گا جیسے الَّذِیْ اؤْتُمِنَ اور دوسری صورت میں دوسرے ہمزہ میں ابدال ہوگا۔

م: وتحذف الوصلية (١٠١) بعد الاستفهامية على الاصل ان لم يكن الوصلية مفتوحة كافترىٰ (١٠٢) والا فلا لئلا يلتبس الانشاء بالخبر لكنها تتغير بالتسهيل او الابدال وهو اولىٰ لكمال التغير

ت: اور ہمزۂ استفہام کے بعد ہمزہ وصلی آئے تو حذف کیا جائے گا قاعدہ کے مطابق اگر ہمزۂ وصلیہ مفتوح نہ ہو جیسے اَفْتَرٰی۔ ورنہ حذف نہیں ہوگا تاکہ اشتباہ نہ ہو جائے انشاء کا خبر کے ساتھ، لیکن متغیر ضرور ہو جائے گا تسہیل یا ابدال سے اور ابدال اولیٰ ہے کمال تغیر کی وجہ سے۔

ش: (١٠١) چوتھا قاعدہ یہ ہے کہ پہلا ہمزہ استفہام کا ہے جو قطعی اور مفتوح ہوتا ہے اور دوسرا ہمزہ وصلی ہے اگر یہ وصلی مفتوح نہیں ہے تو وصلی کو حذف کر دیا جائے گا جیسے اِسْتَکْبَرْتَ اصل میں ءَ اِسْتَکْبَرْتَ تھا۔ اِصْطَفٰی اصل میں ءَ اِصْطَفٰی تھا۔ دوسرے کو بلا تکلف حذف کر دیا گیا اس لیے کہ حذف کرنے میں کوئی نقصان نہیں اور نہ ہی التباس و اشتباہ کا خوف ہے۔ اس لیے کہ ان صیغوں میں اگر ہمزہ وصلی ہوتا بھی تو مفتوح نہ ہوتا مکسور ہوتا اور یہاں ہمزہ مفتوح ہونا دلیل ہے کہ یہ ہمزۂ استفہام ہے۔

(١٠٢) پانچواں قاعدہ کہ دوسرا ہمزۂ وصلی بھی مفتوح ہے تو اب حذف نہیں کیا جائے گا اس لیے کہ حذف کرنے کی صورت میں انشاء اور خبر میں اشتباہ ہو جائے گا۔ یہ پتہ نہیں چل

سکتا کہ یہ جملہ انشائیہ استفہامیہ ہے یا جملہ خبریہ۔ جب حذف نہیں ہوگا تو اب دو صورتیں جائز ہیں تسہیل اور ابدال۔ لیکن ابدال اولیٰ ہے۔ اس لیے کہ تسہیل میں تو ہمزہ کا اثر باقی رہتا ہے اور ابدال میں اس کا اثر بالکلیہ ختم ہو جاتا ہے۔

''وھو اولیٰ'' میں ھُوَ ضمیر کا مرجع ابدال ہے۔ اس لیے کہ ضمیر اقرب کی طرف لوٹا کرتی ہے۔

م: والوصلية المفتوحة بعد الاستفهامية عن الحفص ثلثة فى ستة (١٠٣) مواضع الذكرين معًا بالانعام والآن معًا بيونس والله اذن لكم بها ايضًا والله خير بالنمل واما الخفاء (١٠٤) الموجب للظهور بالصلة فكما فى هاء الكناية وميم الجمع المبنيتين على حرف واحد مع انهما اضعفان۔ والصلة (١٠٥) هى تضعيف الحركة بالاشباع۔ فالضمة الموصولة اصل للهاء والميم لثقل الضمة وظهور الهاء والميم باظهار الضمة بالاشباع فهاء (١٠٦) الضمير وميم الجمع وهاؤه كلها يضم على الاصل۔ الا اذا كان قبل الهاء كسرًا او ياء ساكنة فهاء الميم عن الحفص وهاء الضمير مكسور تان للاتباع الا وما انسانيه فى الكهف وعليه الله فى الفتح فان الهاء فيها يضم عنه علىٰ الاصل ولاتباع الاثر۔

ت: اور ہمزۂ استفہامیہ کے بعد ہمزۂ وصلیہ مفتوحہ امام حفص کے نزدیک (قرآن) میں تین ہیں۔ چھ جگہ ءآلذكرين دو جگہ سورۂ انعام میں اٰلْـٰٔنَ دو جگہ سورۂ یونس میں اور آللّٰهُ اَذِنَ لَكُمْ بھی سورۂ یونس میں اور آللّٰهُ خَيْرٌ سورۂ نمل میں اور بہرحال وہ خفاء جو واجب کرنے والا ہے ظہور کو صلہ کی وجہ سے پس جیسا کہ ہاء کنایہ اور میم جمع میں۔ جو دونوں مبنی ہیں ایک حرف پر باوجود یکہ اضعف الحروف (بھی) ہیں اور صلہ کہتے ہیں حرکت کو دوگنا

کرنا اشباع کر کے۔ پس ضمہ جس میں صلہ کیا جائے اصل ہے ہاء اور میم کے لیے ضمہ کے ثقیل اور ہاء اور میم کے ظاہر ہونے کی وجہ سے ضمہ کو ظاہر کر کے اشباع سے۔ پس ہاء ضمیر اور میم جمع اور اس کی ہاء یہ سب اصل پر مضموم ہیں۔ مگر جب کہ ہاء سے پہلے کسرہ یا یاء ساکنہ ہو۔ پس میم (جمع) کی ہاء امام حفص رحمہ اللہ کے نزدیک اور ہاء ضمیر دونوں مکسور ہیں اتباع (قرآءت یعنی روایت) کی وجہ سے مگر وَمَا اَنْسَانِيْهُ سورۂ کہف میں اور عَلَيْهُ اللّٰهَ سورۂ فتح میں پس بے شک ہاء ان دونوں صورتوں میں مضموم ہے امام حفص رحمہ اللہ کے نزدیک اصل قاعدہ پر اور نقل کی اتباع کرنے کی وجہ سے۔

ش: (۱۰۳) وہ مواقع جہاں پہلا ہمزہ استفہامیہ اور دوسرا ہمزہ وصلیہ مفتوحہ ہے۔ قرآن کریم میں چھ ہیں ۱ و ۲ سورۂ انعام میں دو جگہ ءٰٓالذَّكَرَيْنِ ۳ و ۴ سورۂ یونس میں دو جگہ آٰلْـٰٔنَ ۵ سورۂ یونس میں اللّٰهُ اَذِنَ لَكُمْ ۶ سورہ نمل میں اللّٰهُ خَيْرٌ۔

ھاء ضمیر کا بیان: (۱۰۴) یہاں سے صفات عارضہ کا تیسرا سبب بیان کرتے ہیں جن حرفوں میں صلہ ہوتا ہے اس کا سبب خفاء حرف ہے۔ یعنی حرف میں خفاء اور ضعف آیا تو یہ سبب بنا اس کے ظہور کا حاصل یہ نکلا کہ صلہ صفت عارضی ہے اور اس کا سبب خفاء حرف ہے یہ صلہ اس صورت میں ہوتا ہے جب کہ کلمہ کی بناء ایک حرف پر ہی ہو اور خصوصاً وہ حرف بھی ضعیف ہو۔ ایسے کلمات دو ہیں ① ہاء ضمیر جس کو ہاء کنایہ بھی کہتے ہیں یعنی واحد مذکر غائب کی ضمیر ② میم جمع جیسے عَلَيْكُمْ۔ لَهُمْ وغیرہ یہ دونوں ایک ایک حرف ہیں ساتھ ہی ساتھ دونوں اضعف الحروف میں داخل ہیں تو ممکن تھا کہ ادائیگی کے وقت یہ دونوں کلمات یا حذف ہو جائیں یا صاف ادا نہ ہوں اس لیے اس میں صلہ یعنی اشباع اور مد کیا جاتا ہے۔

(۱۰۵) صلہ کی تعریف مذکور ہے۔ حرکت میں اشباع کیا جائے اور اسے دوگنا کیا جائے یہی صلہ ہے اور چونکہ ابھی معلوم ہو چکا کہ یہ اضعف الحروف اور مبنی علیٰ حرف واحد ہیں اس لیے خفت اور ضعف کو دور کرنے کے لیے ایسی حرکت دینی چاہیے جو قوی ہوتا کہ اعتدال پیدا ہو جائے اور اقوی الحرکات ضمہ ہے اس لیے ہاء ضمیر و میم جمع کا اصل اعراب ضمہ رہے گا تو

جب تک کوئی مانع پیش نہ آئے گا اس حرکت کو اصل سمجھیں گے۔ یہی مطلب ہے **یضم علی الاصل** کا۔

(۱۰۶) ہاء ضمیر اور میم جمع کی بین الکلام آنے کی چار صورتیں ہیں ① دو متحرک کے درمیان آئے جیسے **اِنَّهٗ كَانَ۔ اِنَّهٗ هُوَ** ② دو ساکن کے درمیان آئے جیسے **اٰتٰىهُ اللّٰهُ۔ تَذْرُوْهُ الرِّيٰحُ** (۳) متحرک اور ساکن کے درمیان آئے یعنی پہلا متحرک اور بعد والا ساکن ہو جیسے **يُعَلِّمُهُ الْكِتٰبُ۔ اِسْمُهُ الْمَسِيْحُ** ④ پہلا ساکن اور بعد والے متحرک کے درمیان آئے جیسے **وَشَرَوْهُ بِثَمَنٍ۔ مَا اَنْسٰنِيْهُ اِلَّا الشَّيْطٰنُ** مصنف رحمہ اللہ پہلے ان چار صورتوں میں دونوں کا اعراب پھر دونوں میں صلہ اور عدم صلہ کا حکم علی الترتیب بیان کر رہے ہیں۔ پہلے اعراب سنیے

(۱۰۷) ان دونوں کے اعراب کا حاصل یہ ہے کہ اصلاً یہ دونوں مضموم رہیں گے جیسے **لَهٗ۔ كَاَنَّهٗ هُوَ۔ لَكُمْ۔ لَهُمْ** ہاں اگر ہاء سے پہلے یاء ساکنہ یا کسرہ ہو تو امام حفص کے نزدیک ہاء ضمیر اور ہاء میم دونوں مکسور ہوں گی اور اس کی دلیل اتباع قراءت ہے یعنی روایت اسی طرح ثابت ہے۔ البتہ اس قاعدہ سے چار مثالیں مستثنیٰ ہیں جن میں باوجود قاعدہ کسر پائے جانے کے مضموم یا ساکن ہورہی ہیں ایک سورۂ کہف میں **وَمَا اَنْسٰنِيْهُ اِلَّا الشَّيْطٰنُ** قاعدہ کے اعتبار سے ھاء ضمیر مکسور ہونی چاہیے اس لیے کہ ماقبل میں یاء ساکنہ ہے لیکن مضموم ہے۔ دوسری سورۂ فتح میں **عَلَيْهُ اللّٰهَ** ہے۔ یہاں بھی وہی قاعدہ ہے لیکن مضموم ہے ایسا کیوں ہے اس کی دو وجہ بیان کردی ایک تو یہ کہ اصلیت کی بناء پر مضموم ہے۔ دوسرے یہ کہ روایت اسی طرح پائی گئی۔ تیسری مثال **فَاَرْجِهْ** اور چوتھی مثال **فَاَلْقِهْ اِلَيْهِمْ** ان دونوں مثال میں قاعدہ کسر کے خلاف سکون پایا جارہا ہے اس کی ایک دلیل یہ دی جاسکتی کہ روایت اسی طرح ثابت ہے۔ **کما ذکرہ المصنف**۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ ان دونوں میں سکون نیابت کی وجہ سے ہے اس لیے کہ **اَرْجِهْ** اور **اَلْقِهْ** اصل میں **اَرْجِيْهِ** اور **اَلْقِيْهِ** تھا لام کلمہ میں حرف علت ہے جو امر میں آنے کی وجہ سے گر گیا اسی کا سکون ہاء کو ملا۔ یہ بحث اعراب کی

تھی اب دونوں میں صلہ کب ہوگا اور کب نہیں ہوگا اس کی تفصیل سنیے:

م: ویوصل (۱۰۸) هاء الضمیر علی الاصل الا اذا کان ما بعده ساکنًا لاجتماع الساکنین او ما قبله ساکنا للخفة الا فیه مهانا عن الحفص فصلته للاتباع کسکون ارجه وفالقه عنه۔ اما اختلاس یرضه لکم عنه فلان اصله یرضاه۔

ت: اور صلہ کیا جائے گا ہاء ضمیر میں اصل قاعدہ پر مگر جب کہ اس کا مابعد ساکن ہو اجتماع ساکنین کی وجہ سے یا اس کا ماقبل ساکن ہو تخفیف کی وجہ سے مگر **فِیْهٖ مُهَانًا** میں امام حفص رحمہ اللہ کے نزدیک صلہ ہوگا۔ پس اس کا صلہ اتباع (روایت) کی وجہ سے ہے جیسے **اَرْجِهْ** اور **فَاَلْقِهْ** کا سکون حفص رحمہ اللہ کے نزدیک اتباع کی وجہ سے ہے۔ بہر حال **یَرْضَهُ لَكُمْ** میں اختلاس امام حفص رحمہ اللہ کے نزدیک اس لیے ہے کہ اس کی اصل **یَرْضَاهُ** ہے۔

ش: (۱۰۸) صلہ میں دونوں کا حکم بدلا ہوا ہے۔ پہلے ہاء ضمیر میں صلہ کی تفصیل مصنف رحمہ اللہ بتلا رہے ہیں۔ ماقبل میں ذکر آچکا ہاء ضمیر کی چار صورتیں ہیں یا ماقبل اور مابعد دونوں متحرک یا دونوں ساکن یا اول ساکن مابعد متحرک اور یا اول متحرک مابعد ساکن۔ اول صورت یعنی ماقبل و مابعد متحرک ہو تو صلہ ہوگا اصل قاعدہ کی بنا پر اس کے علاوہ تین صورتوں میں صلہ نہیں ہوگا۔ جیسے **مِنْهُ اسْمُهٗ۔ یُعَلِّمُهُ الْكِتٰبَ۔ فِیْهِ هُدًی۔**

مصنف رحمہ اللہ نے اجمالی طور پر تین صورت کا حکم بتلایا اور ایک صورت کا چھوڑ دیا۔ ۱ ماقبل و مابعد متحرک ہوں اس کا تو حکم صاف ہے صلہ کا ۲ مابعد ساکن ہو تو صلہ نہیں ہوگا اس لیے کہ اجتماع ساکنین لازم آئے گا ۳ ماقبل ساکن ہو تو صلہ نہیں ہوگا اس لیے کہ صلہ کرنے کی صورت میں ثقل پیدا ہو جائے گا اور ثقل موجب تکلف ہے۔

جب ایک کے ساکن ہونے کی صورت میں صلہ نہیں ہوتا تو دونوں کے ساکن ہونے کی صورت میں بدرجہ اولیٰ صلہ نہیں ہوگا تو چوتھی صورت کا حکم دو صورتوں کے ملانے سے نکل آیا لیکن اس قاعدہ سے امام حفص رحمہ اللہ کے نزدیک ایک مثال **فِیْهٖ مُهَانًا** مستثنیٰ ہے اس میں قاعدہ

عدم صلہ پائے جانے کے باوجود صلہ ہوگا اور دلیل اتباع روایت ہے۔اس پر یہ اشکال ہوسکتا ہے کہ یَرْضَهُ لَكُمْ میں تو صلہ کا قاعدہ پایا جارہا ہے پھر اس میں اختلاس امام حفص رحمہ اللہ سے کیوں منقول ہے اس لیے کہ اختلاس تو نام ہے دو ثلث حرکت ادا کر کے ایک ثلث ادا نہ کرنے کا جب کہ صلہ حرکت میں اشباع کا نام ہے۔اس کا جواب مصنف رحمہ اللہ نے دیا کہ یَرْضَهُ کی اصل یَرْضَاهُ تھی۔ الف ساکن ماقبل میں موجود تھا۔ جواب شرط ہونے کی وجہ الف ساقط ہوکر ہاء ضمیر اس کی جگہ آ گئی تو اس میں اصل عدم صلہ ہی تھا ماقبل کے ساکن ہونے کی وجہ سے یا یہ توجیہ بھی ہوسکتی ہے کہ اس میں صلہ اس لیے نہیں کیا گیا تا کہ اصلیت معلوم ہو جائے ورنہ اگر صلہ کیا گیا تو صارف عن الظاہر کوئی نہیں ہوگا اور حقیقت صیغہ معلوم نہ ہوگی۔

م: ويوصل (۱۰۹) ميم الجمع قبل الضمير المتصل على الاصل فان وقع قبل ساكن فلا يوصل لاجتماع الساكنين ويسكن عن الحفص قبل متحرك غير الضمير مبالغة للتخفيف لكثرة الدور

ت: اور صلہ کیا جائے گا میم جمع میں ضمیر متصل سے پہلے اصل قاعدہ پر۔ پس اگر واقع ہو میم جمع تو صلہ نہیں کیا جائے گا اجتماع ساکنین کی وجہ سے اور ساکن کیا جائے گا امام حفص رحمہ اللہ کے نزدیک ضمیر کے علاوہ متحرک سے پہلے تخفیف میں مبالغہ کرتے ہوئے کثرت وقوع (فی القرآن) کی وجہ سے۔

ش: **میم جمع میں صلہ کا حکم**: (۱۰۹) یہاں سے میم جمع میں صلہ کا ذکر ہے۔میم جمع کی دو صورتیں ہیں یا اس کے بعد ساکن ہوگا یا متحرک۔ اگر مابعد ساکن ہے تو صلہ نہیں ہوگا اس لیے کہ اجتماع ساکنین لازم آئے گا جیسے فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللّٰهُ۔ اور اگر مابعد ضمیر متصل ہے تو اس میں صلہ ہوگا جیسے رَأَيْتُمُوهُ۔ أَنُلْزِمُكُمُوهَا اور اگر میم جمع کے بعد ضمیر کے علاوہ کوئی اور متحرک ہے تو پھر صلہ نہیں ہوگا تا کہ تخفیف پیدا ہو جائے چونکہ قرآن کریم میں اس کا وقوع بہت زیادہ ہے اس لیے تخفیف پیدا کرنی ضروری ہے لكثرة الدور کا یہی مطلب ہے۔ اس کی مثال لَكُمْ دِينُكُمْ۔ أَمْرُهُمْ شُورٰى۔ غَنِمْتُمْ حَلَالًا وغیرہ وغیرہ بہت ہیں۔

﴿نوٹ﴾ ہاءِ ضمیر و میم جمع میں صلہ کا حکم وصل کی حالت میں ہے۔ اگر اس پر وقف کیا جائے تو پھر اسے ساکن کر دیا جائے گا۔

م: واما وضع (۱۱۰) الكلمة وبناؤها فلا بدله من حركة وسكون وتشديد للتركيب والوزن فالحرف قد يعرض له الحركة او السكون او التشديد وكل من الحركات والسكنات والتشديدات فيها بنائية الا ما يعرض له بسبب كاجتماع الساكنين

ت: اور بہر حال کلمہ کی وضع اور اس کی بناء پر ضروری ہے اس کے لیے حرکت اور سکون اور تشدید جوڑنے اور وزن کرنے کے لیے پس حرف کو کبھی عارض ہوتی ہے حرکت یا (کبھی) سکون یا (کبھی) تشدید اور یہ تمام حرکات وسکنات وتشدیدات اس میں بنائی ہیں مگر جو عارض ہو اس کو کسی (خارجی) سبب سے جیسے اجتماع ساکنین۔

ش: (۱۱۰) یہاں سے صفات عارضہ کی چوتھی وجہ بیان کر رہے ہیں اور وہ کلمہ کی وضع اور اس کی بناء ہے یعنی کلمہ کی جو بھی وضع اور ہیئت ترکیبیہ ہوگی وہ اس کا تقاضا کرے گی کہ یہاں پر حرکت یا سکون یا تشدید میں سے کوئی نہ کوئی ضرور آئے جیسے کسی کا نام احمد ہو تو اس کا تقاضا ہے کہ پہلے الف پھر حاء پھر میم پھر دال رکھی جائے اگر اس میں اس ترتیب کا خلاف کیا تو احمد نام ادا نہیں ہوگا بلکہ کچھ اور ہو جائے گا۔ پھر اسی طرح اس نام کی ادائیگی کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ الف پر زبر حاء پر سکون میم پر زبر اور دال پر سکون ہو تب جا کر وہ کلمہ صحیح طور پر ادا ہوگا تو ہر کلمہ چاہے وہ فعل ہو یا اسم محتاج ہے ترتیب وضع اور حرکات و سکنات کا اور وضع کلمہ سبب بنا حرکت وسکون وغیرہ صفات عارضہ کے پیدا ہونے کا۔ اس لیے کہ ہر حرف مستقل بنفسہ ہے کسی کے ساتھ ملا ہوا نہیں نیز یہ بھی ظاہر ہے کہ یہ حرکت اور تشدید اور سکون کلمہ کے لیے عارض ہیں کلمہ کی وضع میں اور وزن بنانے میں جس کو جہاں رکھنا ہوتا ہے وہاں رکھتے ہیں اگر یہ کسی حرف کی ذات میں داخل ہوتے تو پھر اس سے علیحدہ ہونا جائز نہ ہوتا حالانکہ یہ علیحدہ بھی ہو سکتے ہیں جیسے احمد کے دال میں سکون کے بجائے ضمہ

دے دو اَحْمَدُ ہو جائے گا۔

حرکات کا بیان: حاصل یہ نکلا کہ کلمہ کی وضع کرنے کے لیے حرکت اور سکون اور تشدید میں سے کسی کا ہونا ضروری ہے اس کے بغیر کلمہ کا وجود نہیں ہوسکتا پھر یہ حرکات وسکنات اور تشدیدات بنائی ہیں یعنی اصلی ہیں کہ کلمہ پر آنے کے بعد بدلتے نہیں رہتے الا یہ کہ خارجی اسباب تبدیلی اعراب کے لیے محرک ہوں اور ایسے اسباب مصنف رحمہ اللہ کے بیان کے مطابق تین ہوسکتے ہیں۔ [۱] یا تو اجتماع ساکنین ہے جس کی وجہ سے حرکت بدلی جیسے اِنِ ارْتَبْتُمْ اصل میں اِنْ اِرْتَبْتُمْ تھا۔ ہمزہ وصلی درمیان میں آنے کی وجہ سے گر گیا اجتماع ساکنین ہوگیا تو نون کو کسرہ دے کر اِنِ ارْتَبْتُمْ ہوگیا تو نون ساکن پر کسرہ آنا اجتماع ساکنین کی وجہ سے ہے [۲] یا عامل کے آنے کی وجہ سے معرب کا آخر بدلتا رہتا ہے جیسے فاعل ہے تو رفع اور وہی کلمہ مفعول ہے تو منصوب مضاف الیہ بنا تو مجرور ہوگیا [۳] ادغام کی وجہ سے تشدید آگئی حالانکہ ادغام سے پہلے دونوں پر الگ الگ حرکت تھی تو ان اسباب پر تبدیلی ہوئی پھر بھی اتنی بات تو ضرور ثابت رہی کہ کلمہ پر کوئی نہ کوئی حرکت ضرور باقی رہی۔ یہی صفت عارضہ ہے جب کلمہ کی وضع کے لیے حرکت اور سکون اور تشدید کا ہونا ضروری ہے تو آگے ان سب کی تعریف بیان کریں گے۔

م : وما هو اخر المعرب لعامل وتشديد الادغام للادغام (۱۱۱) فالحركة هي صوت زائد على الحرف بالقصد للانفصال البعيد بعد الاتصال او التقارب بين الجسمين للابتداء به اوللانفصال بين الحرفين۔

ت : اور معرب کا آخر کسی عامل کی وجہ سے (بدلتا رہے) اسی طرح ادغام میں تشدید ادغام کے لیے آگئی (یہ سب عارضی ہیں) پس حرکت وہ ایک زائد آواز ہے حرف پر (جو) بالارادہ (نکلے) اتصال یا تقارب بین الجسمین کے بعد انفصال بعید کی وجہ سے' اس کو شروع کرنے کی وجہ سے یا دو حرفوں کے درمیان انفصال کی وجہ سے۔

ش : **حرکت کی تعریف:** (۱۱۱) حرکت اس آواز کو کہتے ہیں جو ارادہ حرف کے وقت

حرف پر زیادہ کی جائے اتصال یا تقارب بین الجسمین کے بعد انفصال بعید بین المخرجین کی وجہ سے تاکہ اس کے ساتھ ابتداء کی جاسکے یا دو حرفوں میں فصل پیدا کیا جاسکے۔ چونکہ حرکت کی یہ تعریف عام طور پر درسی کتب تجوید میں نہیں پائی جاتی اس لیے یہاں کچھ وضاحت کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

یہاں پر جسمین سے مراد وہ جگہ ہے جہاں سے حرف ادا ہوتا ہے۔ مطلق جسم انسانی مراد نہیں۔ دوسری بات یہ سمجھو کہ جب بھی کوئی حرف ادا ہوگا تو اس میں جسمین کا یا تو اتصال ہوگا یا قرب ہوگا مثلاً باء اور میم کو ادا کرنا ہو تو دونوں ہونٹ مل جائیں گے اور واو کو ادا کرنا ہو تو بالکل نہیں ملیں گے البتہ دونوں ہونٹ قریب ہو جائیں گے اور ظاہر بات ہے کہ ایک حرف کے بعد ہمیں دوسرا حرف بھی ادا کرنا ہے یا اگر اسی حرف سے کلمہ کی ابتداء کرنی ہو تو جسمین کے اتصال یا قرب کو پھر دور کرنا پڑے گا تاکہ دوسرے مخرج سے دوسرا حرف ادا ہو اس لیے کہ یہ ممکن نہیں کہ ایک وقت میں کئی حرف مختلف مخرج سے ادا ہو جائیں تو ایک طرف یہ بات ثابت ہو چکی کہ ایک وقت میں کئی حرف ادا نہیں ہو سکتے دوسری طرف یہ معلوم ہو چکا کہ ایک حرف کی ادائیگی کے لیے جسمین کا اتصال یا قرب ہے تو دوسرے حرف کی ادائیگی کی گنجائش نہیں حالانکہ ہم اس حرف سے یا ابتداء کرنا چاہتے ہیں یا اس کے ساتھ اور کلام لانا چاہتے ہیں تو لامحالہ ضروری ہوا کہ کوئی خارجی ایسی چیز لائی جائے جس سے دونوں کام ہو جائیں۔ پہلا حرف ادا ہو جائے اور اس کے بعد انفصال جسمین ہو کر دوسرا حرف ادا ہو جائے اور وہ ہے حرکت' تو حرکت ذات حرف پر ایک زائد شے ہے جس کے لانے کے دو مقصد ہوتے ہیں یا تو مبدأ کلام بنانا یا دوسرے حرف کو قابل نطق بنانا اور اس کا عمل یہ ہوگا کہ دو جسم میں جو اتصال یا قرب ہوا ہے اس میں فصل پیدا کر دے۔ یہ مطلب ہے مصنف رحمہ اللہ کی پوری عبارت کا۔ اس تقریر سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ حرکت کوئی حرف نہیں اور نہ ہی حرف حرکت کا محتاج ہے بلکہ اس کا کام امتیاز بین الحروف ہے جب ذات حرف سے الگ ہے تو جب ارادہ کریں گے حرکت آئے گی بلا ارادہ ذات حرف کی وجہ سے نہیں آسکتی۔

م: فالانفصال البعید (۱۱۲) ان کان بضم الشفتین فھی ضمۃ وان کان بانفتاح الفم فھی فتحۃ وان کان بانخفا ضہ فھی کسرۃ قیل الحرکات (۱۱۳) نصف المدات وقیل ھی ضعف الحرکات فبینھما تناسب علاقۃ الاصلیۃ والفرعیۃ کما قیل بین الفتحۃ والالف وبین الضمۃ والواو المدیۃ وبین الکسرۃ والیاء المدیۃ اخوۃ۔

ت: پس انفصال بعید اگر دو ہونٹوں کو ملا کر ہے تو وہ ضمہ ہے اور اگر منہ کو کھول کر ہے تو فتحہ ہے اور اگر منہ کو نیچے کی جانب پست کر کے ہے تو وہ کسرہ ہے۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ حرکت نصف مد (کا نام) ہے اور بعض کہتے ہیں کہ مد دگنی حرکت کا نام ہے۔ پس ان دونوں کے درمیان اصلیت اور فرعیت کے تعلق کی مناسبت ہے۔ جیسا کہ علماء کہتے ہیں کہ فتحہ اور الف کے درمیان اور ضمہ اور واو مدہ کے درمیان اور کسرہ اور یاء مدہ کے درمیان تعلق ہے۔

ش: (۱۱۲) حرکت کی تعریف کے بعد اس کی ادائیگی کی صورتیں ذکر فرما رہے ہیں اور وہ اس طرح کہ حرکت سے جو انفصال بعید پیدا ہو رہا ہے یا تو دونوں ہونٹوں کو ملا کر فصل کیا جائے تو ضمہ ہے اور اگر منہ کھلا رہے تو فتحہ اور اگر منہ میں نیچے کی جانب میلان ہو تو کسرہ ہے گویا حرکت ادا کرنے کی یہ تین ہیئتیں ہیں جو تین قسمیں بن گئی ہیں۔ ضمہ۔ فتحہ۔ کسرہ۔

(۱۱۳) حرکت کی آسان تعریف یہ بھی ہے کہ حرکت کہتے ہیں مد کے نصف کو یا یوں کہہ لو کہ مد حرکت کا دوگنا ہے۔ ان دونوں صورتوں میں دونوں میں اصلیت اور فرعیت کا تعلق ہوگا چاہے مد کو اصل کہہ لو اور حرکت کو فرع یا حرکت کو اصل کہہ لو مد کو فرع۔ اگر یہ کہا جائے کہ حرکت اصلی ہے تو اس سے بوجہ اشباع کے حرف مد ظاہر ہوتا ہے اور اگر حرف مد کو اصلی کہا جائے تو مد سے بوجہ عدم اشباع حرکت پیدا ہوتی ہے۔ جس طرح الف مدہ اور زبر کے درمیان نسبت اصلیت وفرعیت ہے کہ الف نہ بڑھانے سے زبر ادا ہوگا جیسے قَاتَلَ سے الف نکال دو قَتَلَ ہوگیا اسی طرح یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ زبر کو بڑھایا تو الف بن گیا اسی طرح واو مدہ اور یاء مدہ میں کہیں گے کہ پیش اور زیر کو کھینچا تو حروف مدہ بن گئے اور حروف مدہ میں اشباع نہ کیا تو

حرکت زیر و پیش پیدا ہوگیا۔ بہر صورت ان میں اصلیت اور فرعیت کی نسبت ہے۔

م: فالحركة ان لم تتردد بين قسيميها فاصلية (۱۱۴) والافرعية كالفتحة الممالة من امالتها نحو الكسرة فان غلبت عليها الكسرة فهي كبرىٰ عن الحفص في مجرها فقط والا فهي صغرىٰ في بعض الرواية وكالكسرة المشممة كذالك فالاصلية العربية (۱۱۵) معروفة كالمدة ونصفها لا ازيد ولا انقص والعجمية المجهولة ممنوعة كالمدية العجمية

ت: پس حرکت اگر متردد نہ ہو اپنی دو قسیم کے درمیان تو یہ حرکت اصلی ہے ورنہ حرکت فرعی ہے جیسے فتحہ ممالہ اس کے امالہ کرنے سے کسرہ کی جانب پس اگر غالب ہو کسرہ فتحہ پر تو یہ امالہ کبری ہے' جو امام حفص رحمہ اللہ کے نزدیک صرف مَجْرِهَا میں ہے ورنہ وہ امالہ صغری ہے بعض روایت میں۔ اور جیسے کسرۂ مشممہ اس طرح ہے۔ پس حرکت اصلی عربی معروف ہے جیسے مدہ اور اس کا نصف نہ زیادہ ہو نہ کم اور حرکت عجمیہ مجہولہ ممنوع ہے جیسے مد عجمی۔

ش: اقسام حرکات: (۱۱۴) حرکت کی دو قسمیں ہیں (۱) حرکت اصلی (۲) حرکت فرعی۔ حرکت اصلیہ یہ ہے کہ خالص اپنے محل سے ادا ہو دوسرے محل کو بالکل دخل نہ ہو مثلاً فتحہ صرف انفتاح فم سے ضمہ صرف انضمام شفتین اور کسرہ انخفاض فم سے ادا ہو اور حرکت فرعی یہ ہے کہ حرکت خالص اپنے مخرج اور محل سے ادا نہ ہو بلکہ اپنے قسیم کے مخرج سے بھی ادا ہو جیسے فتحہ ممالہ یعنی فتحہ میں کسرہ کی طرف امالہ کیا تو انفتاح فم کے ساتھ انخفاض فم بھی پایا جا رہا ہے۔ پھر اس کی دو صورتیں ہیں [۱] جس کی طرف امالہ ہے اس کا غلبہ ہے تو یہ امالہ کبریٰ ہے جو امام حفص رحمہ اللہ کے نزدیک صرف ایک جگہ مَجْرِىٰهَا میں ہے [۲] اگر اس کا غلبہ نہیں بلکہ حرکت اصلی غالب ہے تو اس کا نام امالہ صغریٰ ہے جو بعض روایت میں ہے۔ حرکت فرعیہ کی دو قسمیں ہیں ① فتحہ ممالہ جس کا ذکر ابھی آ چکا ② کسرۂ مشممہ۔ کسرہ میں اشمام یعنی ہونٹوں سے ضمہ کی طرف اشارہ کیا جائے امام حفص رحمہ اللہ کے نزدیک کسرۂ مشممہ کسی جگہ جائز نہیں۔

(کما فی التنویر ص ۵۸)

(۱۱۵) پھر حرکت اصلی کی دو قسمیں ہیں۔ ① معروف ② مجہول۔ حرکت معروف کی صفت عربی بتلائی اس لیے کہ اہل عرب ہمیشہ حرکت معروف ہی پڑھتے ہیں (خالص فتحہ۔ خالص ضمہ۔ خالص کسرہ)

م: فالزيادة والنقصان (۱۱۶) فی الحركات والمدات غير مروية الا الروم (۱۱۷) او الاختلاس كما هو فی بعض الرواية وهو عكس الروم۔ وفی الروم فی ضعف الثلٰثة عن الحفص خلف بين فتح الضاد والضمة لكن الضم عنه عن فضل بن مرزوق۔ هذا

ت: پس زیادتی اور کمی' حرکات اور مدات میں ثابت نہیں مگر روم میں یا اختلاس میں جیسا کہ بعض روایت میں ہے اور وہ (اختلاس) روم کا عکس ہے اور سورۂ روم میں تین جگہ ضُعْفٍ میں امام حفص رحمہ اللہ سے اختلاف ہے ضاد کے فتحہ اور ضمہ کے درمیان لیکن ضمہ ان سے فضل بن مرزوق رحمہ اللہ سے منقول ہے۔ ہذا

ش: (۱۱۶) اس میں نہ کمی اور نہ زیادتی ہوتی ہے جس طرح مد اصلی میں کوئی کمی زیادتی نہیں اسی طرح (اس کے نصف) حرکت میں بھی کمی زیادتی نہ ہوگی۔ حرکت مجہولہ جس کی صفت عجمی ہے اس لیے کہ کلام عرب میں اس کا وجود نہیں اور عجمی زبانوں میں پائی جاتی ہے ایسی عجمی حرکتیں کئی ہیں جیسے چور۔ دیر سویر۔ لڑکے وغیرہ۔ اسی کو یاء مجہول اور واو مجہول کہتے ہیں۔ قرآن کریم بلکہ کلام عرب میں ایسی حرکت مجہولہ کہیں نہیں۔ اس لیے اس طرح پڑھنا جائز نہیں۔ چونکہ اہل عجم کی زبانوں میں حرکت مجہولہ کثیر الاستعمال ہے اس لیے بے خیالی اور لا پرواہی میں عجمی عموماً قرآن کریم میں بھی حرکت مجہولہ عادت ہونے کی بناء پر پڑھ دیتے ہیں اور اس کا احساس بھی نہیں ہوتا اس لیے اس طرف بھی بہت توجہ اور محنت کرنے کی ضرورت ہے۔

(۱۱۷) البتہ جو باتیں ائمہ قراءت سے منقول ہوں اس پر عمل کرنا چاہیے مثلاً روم یا بعض روایت میں اختلاس بھی ثابت ہے جو روم کی برعکس صورت ہے۔ دونوں کی تعریف

آگے آرہی ہے۔ اسی طرح قرآن کریم میں ہر جگہ کلمات پر اعراب متعین طور پر لگے ہوئے ہیں تو انہی حرکتوں سے پڑھنا ضروری ہے البتہ سورۂ روم میں ایک آیت اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِنْ ضُعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ ضُعْفٍ قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ ضُعْفًا وَّشَيْبَةً۔ میں لفظ ضُعْفٍ تین مرتبہ آیا ہے وہاں امام حفص رحمہ اللہ کے نزدیک اختلاف ہے ضمہ اور فتحہ میں لیکن ضمہ امام حفص رحمہ اللہ کے مشہور شاگرد فضل بن مرزوق رحمہ اللہ سے منقول ہے۔ اس لیے ضُعْفٍ پڑھنا اولیٰ ہے۔ بہرحال ضمہ پڑھا جائے یا فتحہ تینوں جگہ ایک ہی حرکت پڑھنا ضروری ہے یہ نہیں کہ ایک جگہ ضمہ تو دوسری جگہ فتحہ پڑھ دو۔ خلط ملط فی الاقوال ممنوع ہے۔ فافہم۔

م: والسكون (۱۱۸) ضد الحركة وهو استقرار الصوت بالقصد بعد الاتصال او التقارب بين الجسمين بدون الانفصال البعيد مع اداء حرف اخر بعده بلا تراخ للاتصال بين الحرفين فان (۱۱۹) استقر مع التراخي فبدون التنفس سكت ومعه وقف ان قصد القرأة بعده وهو بالاسكان بدون انضمام الشفتين ومعه اشمام ومع ابقاء ثلث الحركة روم اما انتفاء ثلث الحركة فاختلاس وان لم يقصد القرأة بعده فقطع۔

ت: اور سکون حرکت کی ضد ہے اور وہ آواز کا ٹھہر جانا ہے بالارادہ اتصال یا تقارب بین الجسمین کے بعد بغیر انفصال بعید کے دوسرے حرف کے ادا کرنے کے ساتھ اس کے بعد بغیر تاخیر کے دو حروف کے درمیان اتصال کی وجہ سے۔ پس اگر رک جائے تاخیر کے ساتھ پس بغیر سانس لیے سکتہ اور سانس لینے کے ساتھ وقف ہے۔ اگر اس کے بعد پڑھنے کا ارادہ ہو اور وہ (یعنی وقف) اسکان کے ساتھ ہوگا بغیر ہونٹوں کے ملائے اور ہونٹوں کے ملانے کے ساتھ اشمام ہے اور ثلث حرکت کو باقی رکھنے کے ساتھ روم ہوگا لیکن ثلث حرکت کو ختم کر دینا اختلاس ہے اور اگر اس کے بعد پڑھنے کا ارادہ نہ ہو تو قطع ہے۔

ش: سکون: (۱۱۸) حرکت کی تعریف سے فارغ ہوکر سکون کی بحث شروع کر رہے ہیں۔ سکون کی آسان تعریف تو عدم الحرکت ہے حرکت نہ ہو وہی سکون جس کو یہاں ضد الحرکت سے تعبیر کیا گیا دوسری تعریف جو مکمل ہے یہ ہے جس کو استقرار الصوت سے بیان کیا اور وہ یہ ہے کہ کسی حرف کو ادا کرنے کے ارادہ کے وقت ایک حرف کے ادا کرنے سے جسمین کے اتصال یا تقارب کے بعد آواز اپنے مخرج میں رک جائے اور اس کے بعد بلا کسی تاخیر و فصل کے دوسرا حرف ادا ہو جائے کیونکہ دوسرے حرف کی ادائیگی میں تاخیر پہلے حرف پر حرکت کی وجہ سے ہوتی تھی جیسے ضَرَبَ میں راء کا فصل زبر کے ذریعہ ظاہر ہوا ہے ابھی گزر چکا اور یہاں پر سکون ہے۔ پس حرکت اور سکون میں فرق یہ ہوا کہ حرکت میں حرف کی ادائیگی کے بعد آواز زائد ہوتی ہے۔ یہاں وہ آواز بالکل حرف کے ساتھ ہی رہی دوسری آواز پیدا نہ ہوئی اور دوسرا حرف ادا ہو گیا۔ بلفظ دیگر سکون کی حالت میں حرف ساکن ماقبل والے حرف سے مل کر اس کی آواز اس کے مخرج میں مستقر ہو جاتی ہے جس سے وہ حرف ساکن اپنے ماقبل والے حرف سے مل کر ادا ہوتا ہے تو حرکت کی وجہ سے فصل بین الحرفین ہوتا ہے اور سکون کی وجہ سے دوسرا حرف فوراً ادا ہو جاتا ہے۔

(۱۱۹) پھر سکون کی کئی قسمیں بن جائیں گی صورت ادا کے اعتبار سے اگر آواز مخرج میں سانس لیے بغیر تاخیر کے ساتھ رک رہی ہے تو یہ سکتہ ہے اور اگر سانس لے کر رکی اور آگے پڑھنے کا ارادہ ہے تو وقف ہے اور اگر پڑھنے کا ارادہ نہیں ہے تو قطع ہے جیسا کہ آئندہ آجائے گا۔ پھر وقف کی تین صورتیں ہیں ① اگر آخری کلمہ کو ساکن کر کے رکا ہے اور ہونٹوں سے ضمہ کی طرف اشارہ نہیں کیا تو یہ اسکان ہے ② اور اگر وقف کرتے ہوئے ضمہ کی طرف اشارہ کیا تو یہ اشمام ہے ③ اور اگر ثلث حرکت کو ادا کر کے باقی دو ثلث حرکت کو ختم کیا تو اس کا نام روم ہے اور اس کے برعکس یعنی دو ثلث حرکت ادا کر کے ایک ثلث ختم کر دو اس کا نام اختلاس ہے اور اگر کہیں رکنے کے بعد آگے پڑھنے کا ارادہ ہی نہیں ہے تو یہ قطع ہے۔ اس طرح یہ دلیل حصر بھی ہوگئی اور کئی قسمیں نکل آئیں۔ وقف۔ سکتہ۔ پھر وقف کی تین قسم

ہے۔ (۱) وقف بالاسکان۔ (۲) وقف بالاشمام (۳) وقف بالروم۔

م: وکل (۱۲۰) ذالك في غير المحل لحن الا السكت على رؤس الآى ويتقه عن الحفص بسكون القاف والتشديد (۱۲۱) هو خلط ساكن بمثله المتحرك وضعًا او وصلًا

ت: اور یہ سب بغیر موقع کے لحن ہیں۔ مگر آیتوں کے سرے پر سکتہ کرنا۔ اور یَتَّقْهِ امام حفص رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک سکون قاف سے ہے اور تشدید وہ ساکن کو ملانا ہے ایسے حرف کے ساتھ جو متحرک ہو وضع یا اصل کے اعتبار سے۔

ش: (۱۲۰) یہ ساری صورتیں اگر برمحل اور باموقع استعمال ہوں تو درست اور صحیح ہے اور اگر بے موقع استعمال کی جائیں تو لحن بن جائے گا جیسے نماز بڑی عمدہ عبادت ہے لیکن طلوع وغروب شمس کے وقت پڑھنا درست نہیں اسی طرح روزہ عید کے دن گناہ کا کام ہوگا تو ہر چیز موقع پر استعمال ہو تو بہتر ہوتی ہے اور بے موقع غلط ہو کر وضع الشئی فی غیر محلہ ظلم میں داخل ہو جاتی ہے۔ البتہ روایات سے ہی کسی چیز کا استثناء یا عام قواعد سے ہٹ کر کوئی حکم پایا جائے تو الگ بات ہے۔ مثلاً سکتہ صرف چار جگہ منقول ہے اس کے علاوہ آیتوں کے سرے پر سکتہ کرنا جائز ہوگا اسی طرح یَتَّقْهِ میں قاف پر حرکت کے بجائے سکون چونکہ امام حفص رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے۔ اس لیے قاف کو ساکن پڑھنا جائز ہوگا۔

تشدید: (۱۲۱) حرکت اور سکون سے فارغ ہو کر تشدید کو ذکر کر رہے ہیں دونوں سے مؤخر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ حرکت وسکون مفرد ہے اور یہ مرکب اور قاعدہ ہے کہ مفرد مقدم ہوتا ہے ذکر میں مرکب پر۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ تشدید نام ہے حرکت وسکون کے مجموعہ کا۔ اس لیے کہ تشدید میں سکون بھی ہوتا ہے اور حرکت بھی تو اولاً دونوں کو فرداً فرداً بیان کر دیا اب تشدید کو سمجھنا مشکل نہیں تشدید تفعیل کا مصدر ہے لغوی معنی تو سختی کرنے کے آتے ہیں اور اصطلاحی معنی مصنف نے بیان فرمائے کہ ساکن حرف کو اسی جیسے متحرک حرف کے ساتھ ملانا یہ تشدید وضعاً ہو یا اصلاً۔ تشدید وضعی سے مراد یہ کہ تشدید ادغام کی وجہ سے ہو جیسے قَدْ تَّبَيَّنَ کی

تشدید وضعی ہے اور تشدید اصلی سے مراد یہ کہ بوجہ بنائے کلمہ کے ہو جیسے دَآبَّۃٍ میں تشدید بنائی ہے۔ دونوں صورتوں میں اول ساکن کا دوسرے متحرک میں ادغام ہوگا۔ اس طرح تشدید کی دو قسمیں ہوگئیں۔ تشدید وضعی۔ تشدید اصلی۔

م: فكل مدغم مشدد (۱۴۲) ولا عكس والمرسوم في التشديد حرف واحد وهو منحصر في المثلين ولا يوقف في المشدد الا على الثاني فقط ومرسوم في الادغام حرفان مثلان او متجانسان او متقاربان ويجوز الوقف فيه على المدغم وعلى المدغم فيه كليهما وتشديد المدغم اقل من المشدد اداءً كما ان تشديد الراء اقل لاخفاء التكرير وتشديد لام الجلالة للتعظيم اكمل من تشديد سائر المشددات نحو دُرِّيٌّ يُّوْقَدُو اللّٰهُ

ت: پس ہر مدغم مشدد ہے اور اس کا برعکس نہیں اور لکھا جائے گا تشدید میں ایک حرف اور تشدید منحصر ہے حروف مثلین میں اور نہیں وقف کیا جائے گا مشدد میں مگر صرف دوسرے حرف پر اور ادغام میں دو حروف لکھے جائیں گے مثلین ہوں یا متجانسین یا متقاربین۔ اور جائز ہے ادغام میں وقف کرنا مدغم اور مدغم فیہ دونوں پر اور مدغم میں تشدید کم ہوگی حرف مشدد سے ادا کے اعتبار سے جیسے راء میں تشدید کم ہوگی صفت تکریر کو چھپانے کے لیے اور لام جلالہ کی تشدید تعظیم کے لیے سب سے زیادہ کامل ہوگی تمام مشددات کی تشدید سے جیسے دُرِّیٌّ یُّوْقَدُ اور اَللّٰہُ میں۔

ش: (۱۴۲) چونکہ اس سے پہلے ادغام کا بیان آچکا ہے اور تشدید اس میں بھی آچکی ہے اس لیے ممکن ہے کوئی یہ سمجھے کہ تکرار بحث ہو رہی ہے۔ اس شبہ کو دور فرما کر دونوں کے مابین نسبت بیان کر رہے ہیں اور وہ نسبت عموم و خصوص کی ہے اس بناء پر ہر مدغم مشدد ضرور ہوگا لیکن یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر مشدد مدغم بھی ہو جب دونوں میں نسبت عموم خصوص ہے تو پھر قاعدہ یہ ہے کہ عموم خصوص میں دو نسبت ہوتی ہے ایک مابہ الاتحاد کی جس کی وجہ سے

دونوں ایک ہی معلوم ہوں دوسرے مابہ الافتراق کی جس سے دونوں میں فرق معلوم ہو۔ دونوں میں اتحاد تو یہ ہے کہ جیسے ادغام میں پہلا ساکن اور دوسرا متحرک ہوتا ہے اس میں بھی ہے اسی طرح جیسے اس میں اول کو ثانی میں ملایا جاتا ہے تشدید میں بھی ملایا جاتا ہے اور وجہ فرق کئی ہیں ① تشدید میں ایک حرف لکھا جاتا ہے جیسے عَمَّ۔ تَبَّ اور ادغام میں دو حرف مرسوم ہوتے ہیں جیسے مَنْ یَّعْمَلْ ② تشدید حروف مثلین میں ہوتی ہے اور ادغام مثلین متجانسین متقاربین میں ہوتا ہے ③ مشدد میں دوسرے حرف ہی پر وقف ہوگا اول پر نہیں اس کے برخلاف ادغام میں اول پر بھی ہوسکتا ہے جیسے قُلْ رَّبِّ میں قُلْ پر بھی وقف ہوسکتا ہے اور رَّبِّ پر بھی ④ چوتھا فرق اس طرح ہے کہ تشدید دونوں میں ہوگی لیکن مدغم میں تشدید حرف مشدد کی نسبت زیادہ ہوگی جیسے راء مشددہ پر تشدید اور حروف مشددہ کی نسبت کم ہوگی تاکہ اس کی صفت تکریر کو چھپایا جاسکے۔ اسی طرح یہ بھی قاعدہ ہے کہ اللہ کے لام میں تشدید اور مشدد حروف سے زیادہ ہوگی اس لیے کہ لفظ اللہ کے لام میں تشدید سے مقصود تعظیم باری تعالیٰ بھی ہے جو دوسرے مشدد میں نہیں۔ حاصل یہ نکلا کہ نفس تشدید تو ادغام اور مشدد دونوں میں ہے لیکن تشدید میں زیادہ اور ادغام میں کم ہوگی اس کی مثال مصنف رحمہ اللہ نے دی۔ دُرِّیٌّ یُّوْقَدُ۔ اور لفظ اَللّٰہُ۔ فتدبر

م: فان حال (۱۲۳) بین الحرفین فی التشدید غنۃ یشدد بالتراخی والا فلا فزمان المشدد اکثر من المخفف واقل من حرفین ویجب (۱۲۴) اظہار الغنۃ فی النون والمیم المشدد تین وصلاً و وقفاً

ت: پس اگر دو حرف کے درمیان تشدید میں غنہ حائل ہوجائے تو تشدید کی جائے گی تاخیر سے ورنہ نہیں پس مشدد (میں تشدید) کا وقت زیادہ ہوگا مخفف (یعنی غیر مشدد) سے اور کم ہوگا دو حرفوں سے اور واجب ہے نون اور میم مشدد میں غنہ کو ظاہر کرنا وصل اور وقف دونوں حالتوں میں۔

ش: (۱۲۳) تشدید میں اگر کوئی حرف ایسا ہے جو غنہ کو چاہتا ہے تو پھر غنہ کی وجہ

سے اس تشدید کو آہستگی اور اطمینان سے ادا کیا جائے گا تاکہ صفت غنہ بھی ادا ہو جائے اور صفت غنہ نہیں تو پھر مشدد کی ادائیگی مقدار مخفف یعنی غیر مشدد ایک حرف سے زیادہ اور دو حرف سے کم ہوگی اس لیے کہ تشدید نے آکر ایک درمیانی کام کیا ہے کہ دو حرفوں کو جوڑ کر ایک حرف کی طرح بنا دیا اب اگر مشدد کی ادائیگی کی مقدار بھی دو حرف رکھی جائے تو تشدید سے کیا فائدہ ہوا اور اگر ایک حرف رکھی جائے تو پتہ نہیں چلے گا کہ واقع میں یہ ایک حرف ہے یا دو حرف اس لیے ادائیگی کا درمیانی درجہ رکھا گیا تاکہ تشدید کا فائدہ بھی حاصل ہو اور ایک حرف کا شبہہ بھی نہ ہو بالفاظ دیگر یہ کہو کہ مشدد کی ادائیگی ڈیڑھ حرف کی مقدار ہے۔

(۱۲۴) نون اور میم مشدد کا حکم خاص طور پر یہ بیان کیا جا رہا ہے کہ وصل اور وقف دونوں حالتوں میں اس کی صفت غنہ کو ظاہر کرنا ضروری ہے اور اس غنہ کی ادائیگی کی مقدار بھی ایک الف سے کم نہ ہونی چاہیے۔ حاصل یہ نکلا کہ ایسی صورت میں دو مقدار کا خیال کرنا چاہیے ایک نفس تشدید کی ڈیوڑھی مقدار اور ایک غنہ کی مقدار کا۔ جیسے عَمَّ۔ اِنَّ

م: وزمانه لااقل من زمان الالف ويشدد المشدد (۱۲۵) فى الوقف مهما امكن خاصة فى الشديدة كخفى وصواف والحق اما الوصل (۱۲۶) فهو اصل فى القرآءت وضعًا لانه صريح فى الاعراب الدال على المعانى المعتورة وافصح فى العبارة وقيل مثل (۱۲۷) القارى كمثل المسافر الاوقاف كالمنازل فكما انه لا يتوقف فى كل منزل حتى يصل الى المنزل المقصود ويبلغه الا عند الحاجة من نحو الاستراحة فكذ الا ينبغى ان يوقف علىٰ كل موقف حتى يقطع القرأة الا عند الحاجة من الاضطرار فى التنفس او الاختبار (۱۲۸) او الانتظار او الاستراحة لان القرأة ولو بحرف افضل من الوقف من غير حاجة

ت: اور غنہ کے ادا کرنے کا وقت ایک الف کی مقدار سے کم نہ ہوگا اور تشدید ادا کی جائے گی مشدد میں حالت وقف میں جتنا ممکن ہو خاص طور سے حروف شدیدہ میں جیسے

خَفِيٌّ۔ صَوَافَّ۔ اَلْحَقُّ۔ بہر حال وصل یعنی ملا کر پڑھنا پس یہی اصل ہے قرآءت میں وضع کے اعتبار سے اس لیے کہ یہ صریح ہے اس اعراب میں جو دلالت کرتا ہے پے در پے آنے والے معانی پر اور فصیح بھی ہے بولنے کے اعتبار سے علماء کہتے ہیں کہ قاری کی مثال مسافر کی طرح ہے اور اوقاف کی مثال منازل کی طرح ہے پس جیسا کہ مسافر ہر منزل پر نہیں رکتا ہے یہاں تک کہ منزل مقصود تک پہنچ جائے مگر ضرورت کے وقت (رکتا ہے) جیسے آرام کرنا ایسے ہی مناسب نہیں ہے کہ قاری ہر محل پر وقف کرے۔ یہاں تک کہ قرآءت کو بند کر دے مگر ضرورت کے وقت جیسے سانس لینے میں مجبور ہونا یا اختبار یا انتظار یا استراحت کے لیے اس لیے کہ قرآءت اگرچہ ایک حرف کی ہو افضل ہے بلا ضرورت وقف کرنے سے

ش: **حرف مشدد پر وقف کا بیان**: (۱۲۵) حرف مشدد پر اگر وقف کیا جائے تو ایسے موقع پر اور زیادہ تشدید کا ظاہر کرنا ضروری ہے جیسے خَفِيٌّ اور صَوَافَّ میں حالت وقف میں یاء اور فاء کی تشدید اور حروف شدیدہ میں سے کسی حرف پر تشدید ہو اور اس پر وقف کیا جائے تو اول دو سے زیادہ تشدید ظاہر کرنی ہوگی جیسے اَلْحَقُّ کا قاف مشدد جب کہ اس پر وقف ہو۔ مصنف نے تین مثال دی ہے جس میں دو مطلق مشدد پر وقف کرنے کی اور اَلْحَقُّ شدت والے حرف مشدد پر وقف کرنے کی مثال ہے۔ فافہم

وصل کا بیان: (۱۲۶) تجوید کے مسائل تقریباً پورے ہو گئے اور اب آئندہ وقف کا بیان شروع فرمائیں گے۔ لیکن وقف کے مقابلہ میں وصل چونکہ اصل اور بہتر ہے اس لیے اس کی اہمیت بیان فرما رہے ہیں۔ وصل سے مراد قرآن کریم کو ایک سانس سے مسلسل پڑھتے چلے جانا اور وقف کے معنی ہیں رک رک کر پڑھنا۔ فرمایا کہ وضع کے اعتبار سے اصل وصل ہے اس لیے کہ ہر آدمی جب گفتگو کرتا ہے تو ہر حرف یا کلمہ کو علیحدہ علیحدہ سانس میں نہیں بولتا اس سے نہ تو صحیح مقصود سمجھ میں آ سکتا ہے اور نہ ہی عبارت فصیح معلوم ہوتی ہے۔ الفاظ سے معانی پورے طور پر اسی وقت سمجھ میں آئیں گے جب پورے جملے ادا کیے جائیں اور مسلسل کہا جائے جیسا کہ عموماً گفتگو کرنے کا انداز ہوتا ہے اور حقیقت میں فصیح الکلام وہی شخص ہے جو

بہتر الفاظ اور جملوں میں اپنی بات کہہ دے۔

اسی طرح قرآن کریم از اول تا آخر کلام باری ہے اور ایک ہی مضمون ہے اس معنی پر کہ اللہ تعالیٰ کا مقصود یہ ہے کہ بندوں کا تعلق خالق سے ہو جائے اور سارے مختلف مضامین ترغیب و ترہیب اوامر و نواہی ذکر مبدا و معاد وغیرہ کے اسی کی شاخیں ہیں سب سے مقصود ہدایت اور تعلق مع اللہ ہے۔ اس کا تقاضا یہ ہے کہ آدمی کلام پاک کو شروع کرے اور تا آخر مسلسل اور ایک ہی سانس میں پڑھتا چلا جائے لیکن چونکہ انسانی سانس مختصر اور چھوٹا ہے نیز انسانی حوائج و ضروریات بہت زیادہ ہیں ان مجبوریوں کے تحت رکنا بھی جائز ہے ورنہ قرآن کریم میں قرآنی یا وجوبی حیثیت سے کوئی وقف نہیں۔ ایسے ہی قرآن میں کوئی وقف حرام بھی نہیں کہ یہاں وقف کرنا نہ چاہیے الا یہ کہ وقف سے معانی میں خلل آتا ہو جو کفر تک یا کسی قبیح شے کی طرف مفضی ہوں تب حرام ہوگا۔

محرر فن امام محمد بن الجزری رحمہ اللہ اسی کو فرماتے ہیں۔

وَلَيْسَ فِي الْقُرْاٰنِ مِنْ وَّقْفٍ وَّجَبْ

وَلَا حَرَامٌ غَيْرُ مَالَهٗ سَبَبْ

حاصل یہ ہے کہ قرآن میں گو وقف کرنا حرام نہیں لیکن بلا ضرورت وقف کرنا مستحسن بھی نہیں وقف کا جواز بضرورت ہے۔

(۱۲۷) علماء نے وقف و وصل کی کتنی اچھی مثال دی ہے۔ فرماتے ہیں کہ قاری کی مثال مسافر کی طرح ہے اور وقف کی مثال منزل اور اسٹیشن کی طرح ہے۔ ظاہر ہے کہ آدمی جب دور کا سفر کرتا ہے تو اس کے سامنے درمیان کے اسٹیشن کوئی حیثیت نہیں رکھتے نہ وہ وہاں اترنے کی کوشش کرتا ہے الا یہ کہ راستہ میں کہیں اترنا ضروری ہو مثلاً سواری بدلنی ہے یا کچھ دیر آرام کرنا ہے تو بقدر ضرورت آرام کرتا ہے اور پھر منزل مقصود کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے اسی طرح قاری کے سامنے قرآن کریم شروع کرنے کے بعد اس کا ختم کرنا مقصود نظر ہوتا ہے اور ہونا بھی چاہیے لہٰذا درمیان میں بلا وجہ رکنے کی ضرورت نہیں البتہ ضرورت و مجبوری مثلاً سانس

ٹوٹ جانے یا پڑھتے پڑھتے تھک جانے پر آرام کرنے کے لیے رک سکتا ہے۔

(۱۲۸) ضرورت کی اور بھی صورتیں ہیں مثلاً وقف للاختبار۔ وقف للانتظار۔ اختبار یہ ہے کہ متعلم کے سامنے وقف کی کیفیت اور محفل وقف کی نوعیت بتلانے کے لیے وقف کیا جائے اور وقف انتظاری یہ ہے کہ حضرات قراء کی قرآءت سبعہ بتلانے کے لیے آیت کے ختم پر رکے اس طرح یہ چار قسمیں ہوگئیں۔ ① وقف اختیاری اپنے ارادہ سے وقف کیا۔ ② وقف اختباری۔ ③ وقف انتظاری۔ ④ وقف اضطراری۔ بہرحال وقف کرنے کی اجازت بضرورت ہے بلا ضرورت نہیں اور اسکی وجہ یہ ہے کہ قرآن کریم کے پڑھنے میں جتنا وقت صرف ہو وہ بابرکت اور پسندیدہ ہے اور اس کے ایک حرف پڑھنے پر بھی ثواب ملے گا اور وقف میں کوئی ثواب نہیں ہے۔ اگر قاری بلا ضرورت وقف کرے تو اتنی دیر میں وہ کتنے حروف قرآن کے پڑھ لے گا۔ اسلئے تلاوت وقف سے بہتر ہے۔ البتہ یہ ثواب اس وقت ملے گا جب کہ پڑھنے کی مقدار مقرر نہ کی ہو یا وقت کی مقدار مقرر کی ہو تو وقت میں جتنی زیادہ تلاوت ہوگی بہتر ہوگی۔ لیکن اگر کسی نے قرآن کریم کی تلاوت کا یومیہ معمول مقرر کرلیا تو اس کیلئے اس معنی کو وصل کی فضیلت نہ رہی اس لیے کہ وہ وصل کرے یا وقف کرے اپنا مقررہ معمول پورا کرے گا۔

۴: واحکام الوصل (۱۲۹) غیر احکام الوقف الاتیۃ کما مرمنھا اکثرھا کترقیق الراء فی الوصل وتفخیمھا فی الوقف او بالعکس ومد المنفصل واسقاط ھمزۃ الوصل والادغام والاخفاء فی الوصل والقصر والاثبات والاظھار فی الوقف ومنھا فی باب الوقف اتیۃ ومن احکام الوصل حذف المدۃ وتحریك الساکن غیر المدۃ (۱۳۰) عند اجتماع الساکنین علیٰ غیر حدہ بالکسر مطلقًا عن الحفص علی الاصل وھو اذا حرّك حرّك علی الاصل واما میم الجمع فیضم علی الاصل کما مرو یفتح الٓمّ اللہ ونحو من الناس لاجتماع الساکنین مع خفۃ الفتح

ت: اور وصل کے احکام وقف کے احکام کے علاوہ ہیں جو آرہے ہیں جن میں کا اکثر حصہ تو گزر چکا۔ جیسے راء کی ترقیق وصل کی حالت میں اور اس کی تفخیم حالت وقف میں یا اس کا برعکس اور منفصل پر مد کرنا اور ہمزۂ وصل کو ساقط کرنا اور ادغام کرنا اور اخفاء کرنا وصل میں اور قصر اور اثبات اور اظہار کرنا وقف میں اور بعض مسائل وقف کے بیان میں آجائیں گے اور وصل کے احکام میں سے حرف مدہ کو حذف کرنا اور غیر مدہ ساکن کو متحرک بنانا ہے اجتماع ساکنین علی غیر حدہ کے وقت کسرہ سے مطلقاً امام حفص رحمہ اللہ کے نزدیک اصل قاعدہ پر اور وہ یہ ہے کہ ساکن کو جب حرکت دی جائے تو حرکت دی جائے کسرہ سے اور بہر حال میم جمع پس مضموم ہوگی قاعدہ کے مطابق جیسا کہ گزر چکا اور مفتوح ہوگا الٓمّٓ اللّٰهُ اور مِنَ النَّاسِ جیسی مثالوں میں اجتماع ساکنین کی وجہ سے فتح کے خفیف ہونے کے ساتھ

ش: (۱۲۹) فرماتے ہیں کہ وصل کے مسائل اور وقف کے مسائل میں بہت فرق ہے جس میں سے کچھ تو گزر چکے اور کچھ آجائیں گے۔ مثلاً وصل کی حالت میں راء باریک تو وقف کی حالت میں پُر ہوگی مثلاً راء موقوفہ پر کسرہ ہو اور ماقبل متحرک یا ساکن ماقبل متحرک مضموم یا مفتوح ہو جیسے وَالْفَجْرِ۔ اِذَا یَسْرِ یا اس کے برعکس صورت مثلاً اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ پر وقف کریں تو باریک ہوگی اور اگر مابعد سے ملائیں تو مرفوع ہونے کی وجہ سے پُر ہوگی۔ اسی طرح وصل میں اگر مد منفصل ہے تو وقف میں قصر ہوگا مثلاً قَالُوْٓا اٰمَنَّا کو ملانے کی صورت میں قصر یعنی مد اصلی ہوگا۔ اسی طرح وصل میں ہمزۂ وصل ساقط ہوتا ہے تو وقف میں (اسی سے ابتداء کرنے کی وجہ سے) باقی رہتا ہے۔ مثلاً وَیْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةِ کے بعد الَّذِیْ کو ملاتے ہوئے تو ہمزۂ وصل گر جائے گا اور لُّمَزَةٍ پر وقف کرنے کے بعد الَّذِیْ سے ابتداء کرنے میں باقی رہے گا۔ ایسے ہی وصل میں اگر ادغام یا اخفاء ہے تو وقف میں اظہار ہوگا۔ و نظائرہ کثیرۃ۔ اسی طرح وصل کا حکم ہے کہ مدہ حذف کر دیا جائے اور وقف کی حالت میں پڑھا جائے گا مثلاً وَاسْتَبَقَا الْبَابَ اور قَالُوا الْحَمْدُ میں اِسْتَبَقَا اور قَالُوْا پر وقف کرو تو الف مدہ باقی رہے گا اور اگر مابعد سے ملاؤ تو حذف ہو جائے گا۔

اجتماع ساکنین کا بیان: (۱۳۰) اسی طرح ان صورتوں میں جس سے وصل و وقف کی وجہ سے حکم میں فرق پڑتا ہے اجتماع ساکنین علی غیر حدہ بھی ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ اجتماع ساکنین کہتے ہیں دو ساکن کے جمع ہونے کو۔ (۱) علیٰ حدہ۔ (۲) علی غیر حدہ۔ اگر دو ساکن حرف اس طرح جمع ہو کہ پہلا ساکن مدہ ہو اور دونوں ایک کلمہ میں ہوں جیسے دَآبَّۃٍ۔ آٰلْـٰٔنَ تو یہ اجتماع ساکنین علیٰ حدہ ہے اور اس کا حکم یہ ہے کہ وقف و وصل دونوں حالت میں باقی رکھا جائے اسی طرح حروف مقطعات الٓمّٓ یٰسٓ میں ملا کر پڑھو یا وقف کرو پڑھا جائے گا۔ دوسری قسم علیٰ غیر حدہ ہے جس میں علیٰ حدہ کی دونوں شرطیں یعنی حرف مدہ ہونا اور ایک کلمہ میں ہونا مفقود ہوں یا ان میں کی ایک شرط مفقود ہو جس کی تین صورتیں ہوں گی دونوں ساکن ایک کلمہ میں ہوں مگر پہلا ساکن مدہ نہ ہو جیسے وَالْفَجْرِ۔ اَلْقَدْرِ وغیرہ اس کا حکم یہ ہے کہ وصلاً دوسرے ساکن کو حرکت سے بدل دیا جائے گا اور وقفاً دونوں ساکن باقی رہیں گے ② دونوں ساکن الگ الگ کلمہ میں ہوں اور پہلا ساکن مدہ ہو جیسے قَالَا الْحَمْدُ۔ قَالُوا الْئٰنَ۔ اس میں ایک حرف مدہ ساکن کلمہ کے آخر میں اور دوسرا ساکن کلمہ کے شروع میں ہے اس کا حکم یہ ہے کہ وصل کی حالت میں حرف مدہ حذف ہو جائے گا اور وقف کی حالت میں باقی رہے گا ③ تیسری صورت یہ ہے کہ نہ دونوں ساکن ایک کلمہ میں ہے نہ حرف مد ہے اسی کا حکم مصنف نے وتحريك الساكن غير المده سے بیان کیا کہ وصل کی حالت میں دوسرے ساکن کو اصل قاعدہ کے مطابق کسرہ کی حرکت دی جائے گی۔ قاعدہ یہ ہے کہ ''الساكن اذا حرّك حرّك بالكسر'' یعنی ساکن کو جب حرکت دینی ہو تو کسرہ سے دو اور قُلِ الْحَقُّ۔ اِنِ ارْتَبْتُمْ۔ قَدِ یَرٰی الَّذِیْ اسی مثالیں ہیں اور اسی کی علامت میں کہیں کہیں نون قطنی (چھوٹا نون) لکھا جاتا ہے البتہ کچھ مثالیں اس قاعدہ سے مستثنیٰ ہیں۔ ① میم جمع ساکن ہو اور اس کے بعد حرف ساکن ہو تو اس پر ضمہ آئے گا جیسے کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ۔ اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ۔ اس لیے کہ پہلے آچکا کہ میم جمع اور ہاء ضمیر میں اصل اعراب ضمہ کا ہے ② الٓمّٓ اللّٰهُ جو سورۂ آل عمران میں ہے اسے جب اللّٰه سے

وصل کریں گے تو فتحہ آئے گا جس کی ایک وجہ تو پہلے آ چکی کہ فتحہ کی صورت میں تفخیم ہوگی اور لفظ اللہ میں جہاں تک ہو سکے تفخیم کرنا بہتر ہے دوسری وجہ یہاں بیان کی کہ تخفیف مقصود ہے جو فتحہ کی صورت میں حاصل ہوتی ہے اس لیے کہ فتحہ اخف الحرکات ہے۔ ۳ مِنَ النَّاسِ جیسی مثالیں یعنی مِنْ جارہ کے بعد ساکن آئے جیسے مِنَ الْجنَّةِ۔ مِنَ اللّٰهِ۔ مِنَ الْقَوْلِ وغیرہ اس میں علت فتح تخفیف ہے۔ اس لیے کہ مِنْ کا استعمال کثیر ہے اور کثرت کا تقاضا یہ ہے کہ اس میں تخفیف کا خیال رکھا جائے۔ ایک چوتھی صورت بھی مستثنیات کی ہے اور وہ یہ کہ واؤلین کے بعد ضمہ آئے تو ضمہ ہوگا جیسے دَعَوُا اللّٰهَ اصل میں دَعَوْا تھا۔

م: واما اشباع (۱۳۱) الحركة بعد حذف المدة في نحو واستبقا الباب وقالا الحمد فليس بثابت عندنا مع مخالفة العربية واحد اركان القرأن موافقة العربية۔ هذا والجزء الثاني (۱۳۲) من الترتيل معرفة الوقوف من محل الوقف والابتداء وكيفيتهما قالوا على المجيزان لا يجيز احدًا الا بعد معرفة الوقف والابتداء لانه لابد للقاري منهما بالضرورة فانهما من لوازمه من حيث هو لاجل التنفس والاستراحة فان لم يعرف محلهما وكيفيتهما فكيف يمتثل بالترتيل المامور به عند الحاجة مع مخالفة العربية

ت: اور بہرحال حرکت میں اشباع حرف مد کے حذف کرنے کے بعد وَاسْتَبَقَا الْبَابَ اور قَالَا الْحَمْدُ جیسی مثالوں میں ثابت نہیں ہمارے نزدیک (اصول) عربیت کی مخالفت کرنے کی وجہ سے اور قرآن کے ارکان میں سے ایک عربیت کی موافقت ہے۔ خوب سمجھ لو۔ اور دوسرا جزء ترتیل کا وقوف کی پہچان ہے محل وقف اور محل ابتداء اور ان دونوں کی کیفیت سے متعلق علماء فرماتے ہیں کہ مجیز (استاذ مقری) پر واجب ہے کہ کسی کو اجازت نہ دے مگر وقف وابتداء کی معرفت کے بعد اس لیے کہ قاری کیلئے یہ دونوں ضروری ہیں بداہۃً اس لیے کہ یہ قاری من حیث ہو قاری کے لوازمات میں سے ہے سانس لینے اور آرام کرنے کی وجہ

سے پس اگر ابتداء وانتہاء کے محل اور کیفیت وقف کو نہ پہچانے گا تو کیسے بجالائے گا ترتیل کے اس حکم کو جس کا حکم ہے (وقف کی) ضرورت کے وقت قواعد عربیہ کی مخالفت کرنے کے ساتھ۔

ش: (۱۳۱) بعض حضرات کے نزدیک وَاسْتَبَقَا الْبَابَ جیسی مثالوں میں یعنی صیغہ تثنیہ غائب کے بعد ساکن آئے تو اس میں اشباع ہے یعنی حرکت زبر کو بڑھایا جائے تاکہ اس کے بعد الف تثنیہ ہونا معلوم ہو اور صیغہ واحد اور تثنیہ میں امتیاز ہو جائے۔ مصنف اس قول کی تردید فرما رہے ہیں اس لیے کہ امام حفص رحمہ اللہ کے یہاں ثابت نہیں دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ یہ قول اس وقت اختیار کیا جاتا جب عربی قواعد کے موافق ہو۔ حالانکہ یہ عربی قواعد کے خلاف بھی ہے۔ اس لیے اہل عرب سے حرف مد کے حذف کرنے کے بعد اشباع ثابت نہیں تو جو بات عربی قواعد کے خلاف ہو وہ قابل تسلیم نہیں۔ باقی رہا ان کا یہ اشکال کہ پھر واحد وتثنیہ میں امتیاز کیسے ہوگا اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں امتیاز سیاق وسباق سے ہو جائے گا۔

(۱۳۲) ترتیل کا بیان پورا ہوگیا والحمد للہ۔ اب آگے چونکہ وقف کا بیان شروع ہوگا اس لیے مصنف اس سے پہلے علم وقف کی اہمیت پر کلام فرما رہے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ جس طرح ترتیل کے جزء اول کا حاصل کرنا ضروری ہے جس کی اہمیت ماقبل صفحات میں معلوم ہو چکی اسی طرح جزء ثانی کو حاصل کرنا اور اس سے واقف ہونا بھی ضروری ہے اس لیے کہ قاری کو تلاوت قرآن میں سانس لینے اور آرام کرنے کے لیے وقف کرنے کی ضرورت بھی پیش آئے گی تو کہاں وقف کرنا چاہیے اور کہاں نہ کرنا چاہیے اسی طرح جب وقف ہوگا تو ابتداء کا بھی سوال پیدا ہوگا کہ کہاں سے ابتداء ہونی چاہیے تو ان دونوں کا علم حاصل کرنا ضروری ہوا اسی لیے حضرات علماء مجودین نے لکھا کہ طالب علم جب تک علم وقف سے بھی واقف نہ ہو جائے اس وقت تک اسے سند واجازت نہ دینی چاہیے۔ وقف کی ضرورت اور اہمیت پر مزید کلام ہم وقف کے بیان شروع کرنے کے بعد کریں گے۔ انشاء اللہ۔

تم الجزء الاول بفضل اللّٰہ وکرمہ فی مجالس شتّٰی مع فترات طویلۃ واخرہ سادس من رمضان المبارک سنۃ سبع وتسعین وثلث ماۃ مع الالف وصلی اللّٰہ علیٰ محمد والہ وصحبہ اجمعین

الوقف (۱)

ش: (۱) تجوید کے مسائل سے فارغ ہو کر اب وقف کا بیان سنیے۔ وقف کہتے ہیں لغت میں رکنے ٹھہرنے کو۔ اصطلاح میں وقف کے معنی ہیں کلمہ کے آخر پر آگے پڑھنے کے ارادہ سے اتنی دیر رک جانا جس میں سانس لے سکے۔

علماء نے اس فن کو مستقل شمار کیا ہے چنانچہ خلاصۃ البیان کے مصنف کے شیخ و استاذ مولانا قاری عبدالرحمٰن صاحب رحمہ اللہ اپنی تالیف فوائد مکیہ میں تحریر فرماتے ہیں۔ ''جاننا چاہیے کہ قاری مقری کے واسطے چار علموں کا جاننا ضروری ہے ایک تو علم تجوید دوسرے علم اوقاف تیسرے رسم عثمانی چوتھے علم قرآءت تو علم وقف کو مستقلاً شمار کیا گیا حالاں کہ علم وقف ترتیل ہی کا جزو ہے اور اس کے بغیر ترتیل کامل نہیں ہوگی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد پہلے گزر چکا اَلتَّرْتِیْلُ تَجْوِیْدُ الْحُرُوْفِ وَمَعْرِفَةُ الْوُقُوْفِ۔ بہر حال یہ علم بھی قاری کے لیے بہت زیادہ ضروری ہے بلکہ علماء نے تو لکھا ہے کہ استاذ اور شیخ اپنے شاگردوں کو اس وقت تک قرآءت کی سند و اجازت نہ دے جب تک وہ اس فن سے بھی واقف نہ ہو جائے اس لیے کہ قاری کے لیے قرآءت میں ابتداء اور انتہاء بھی ضروری ہے کہاں سے پڑھنا چاہیے کہاں ختم کرنا چاہیے۔ کس جگہ سانس توڑنا چاہیے تھک گیا تو کہاں رکنا چاہیے اس لیے اگر علم الوقف والابتداء کسی کو حاصل نہیں تو وہ تجوید میں بھی ناقص ہے۔

وقف کی اہمیت و ضرورت کے سلسلہ میں سلف صالحین اور اکابر امت کے اقوال بھی ملاحظہ فرمائیے۔

بعض علماء فرماتے ہیں کہ علم وقف کو حاصل کرنا واجب ہے اس لیے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلًا کی تفسیر دو جزء منقول ہیں جب جزو اول کا حاصل کرنا ضروری ہے تو جزو ثانی کا حاصل کرنا بھی ضروری ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں لقد عشنا برھة من الدھر وان احدنا لیؤتی الایمان قبل القران وتنزل السورة علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فیتعلم

حلالها وحرامها وامرها وزجرها وما ينبغي ان يوقف عنده ومنها۔
حاصل یہ کہ جس طرح قرآن کریم کے حلال وحرام امر ونہی کو سیکھتے تھے اسی طرح یہ بھی سیکھتے تھے کہ کہاں وقف کرنا چاہیے اور کہاں نہیں۔

امام ابوزکریا رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین اور تمام علمائے سلف وخلف میں وقف مرغوب ومطلوب تھا جس پر صحیح احادیث بھی ثابت ہیں چنانچہ صحیحین میں ہے کہ ام المؤمنین حضرت سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ پڑھتے اور وقف فرماتے۔ آگے خود کتاب میں آجائے گا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خطیب کو سوء وقف کی وجہ سے روک دیا۔

امام جزری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ بات صحیح بلکہ تواتر تک پہنچی ہے کہ سلف صالحین جیسے امام ابوجعفر یزید بن القعقاع رحمۃ اللہ علیہ امام نافع بن ابی نعیم رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابوعمرو بن العلاء رحمۃ اللہ علیہ امام یعقوب حضرمی رحمۃ اللہ علیہ اور امام عاصم رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ ائمہ نے اس علم کا اعتناء اور اہتمام کیا اور سیکھا سکھایا ہے۔

امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب تم كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ پڑھو تو یہاں مت رکو بلکہ ساتھ ہی ساتھ وَيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ بھی پڑھو۔ ان الفاظ سے بھی وقف کی اہمیت معلوم ہوتی ہے۔

امام ھذلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ الوقف حلية التلاوة وزينة القارى وبلاغ التالى وفهم المستمع وفخر العالم۔

علامہ ابن الانباری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں من تمام معرفة القرأن معرفة الوقف والابتداء اذلا يتأتى لاحد معرفة معانى القرأن الا بمعرفة الفواصل۔

بہر حال ان اقوال سلف وخلف سے اس علم کی ضرورت واہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔

م: وهو قطع النفس على أخر الكلمة زمنا يتنفس فيه عادة بنية استيناف القرأة (۲) وهو ان اضطر (۳) فيه للعى وضيق النفس

فاضطراری والافاختیاری بالتحتانیة وھو للاستراحة حیثما ینقطع ما بعدہ عمّا قبله بوجه ما واختلف عن العاصم (۴) فی محل الوقف والابتداء فقیل انه کان یطلب حسن الوقف وقیل انه کان یطلب حسن الابتداء فله مراعاة حسن الحالین بعد الجمع بین القولین

ت: وقف سانس توڑ دینا ہے کلمہ کے آخر پر اتنی دیر کہ اس میں عام طور پر سانس لیا جاسکے قرآءت جاری رکھنے کے ارادہ سے اور یہ رکنا اگر مجبوراً ہوگیا رکنے میں تھکنے اور سانس کے تنگ ہوجانے کی وجہ سے تو وقف اضطراری ہے ورنہ وقف اختیاری ہے۔ اور (اختیاری) آرام کرنے کے لیے ہے جہاں ختم ہوجائے اس کا مابعد اس کے ماقبل سے کسی طرح اور امام عاصم رحمہ اللہ سے اختلاف ہے وقف وابتداء کے محل میں' پس بعض فرماتے ہیں کہ وہ پسند کرتے تھے حسن وقف کو' اور بعض فرماتے ہیں کہ وہ چاہتے تھے حسن ابتداء کو' پس امام عاصم رحمہ اللہ کے نزدیک دونوں حال کے حسن کی رعایت کرنا ہے دونوں قول کے جمع کرنے کے بعد

ش: (۲) وقف کی تعریف میں کئی قیود ہیں۔ علی اخر الکلمة۔ اس سے اشارہ ہے کہ وقف کلمہ کے آخر پر ہی کرنا چاہیے درمیان کلمہ پر نہیں۔ زمنا یتنفس فیه عادةً اس سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ وقف اسی وقت ہوگا جب کہ اتنی دیر رکے جس میں سانس لے سکے اور اگر زیادہ دیر رکا تو پھر سکوت یا قطع کہلائے گا۔ بنیة استیناف القرآءة کی قید سے قطع کو نکال دیا۔ اس لیے کہ قطع میں آگے پڑھنے کا ارادہ نہیں ہوتا۔

باعتبار محل اقسام وقف: (۳) وقف کی باعتبار وقف واقع ہونے کی چار قسمیں ہیں (۱) وقف اضطراری۔ (۲) وقف اختیاری۔ باقی دو کا بیان آگے آئے گا۔ اضطراری یہ کہ آدمی سانس ختم ہونے کی وجہ سے رک جائے اور اگر یہ صورت نہیں بلکہ اپنے اختیار سے کرتا ہے تو یہ وقف اختیاری ہے وقف اضطراری میں جہاں چاہے رک سکتا ہے اس لیے کہ آگے سانس ہی گھٹ رہا ہے تو کس طرح پڑھ سکے گا اور وقف اختیاری اس جگہ ہوگا جہاں مابعد کا ماقبل سے کوئی تعلق باقی نہ رہے یہی مطلب ہے مصنف کے قول وھو للاستراحة حیثما

ینقطع ما بعدہ عما قبلہ بوجہ ما کا۔

(۴) یہیں پر ایک ذیلی اختلاف یہ بھی ہے کہ حسن ابتداء بہتر ہے یا حسن وقف، حسن ابتداء کا تو یہ مطلب ہے کہ وقف کہیں بھی ہو جائے لیکن ابتداء ایسی جگہ سے کی جائے جو بہتر ہو اور حسن وقف کا مطلب یہ کہ وقف دیکھ کر عمدہ جگہ کیا جائے کہ ماقبل کا مابعد سے تعلق نہ رہے۔ امام عاصم رحمہ اللہ سے دونوں قول مروی ہیں مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر دونوں اقوال کو جمع کر دیا جائے تو اس سے بہتر صورت بن جائے گی وہ یہ کہ ابتداء بھی حسن ہو اور وقف بھی حسن ہو۔ بہر حال اختلاف ہے اور دونوں قول منقول ہیں۔ اسی لیے کہیں لفظ لا اور کہیں لفظ میم مرسوم ہوتا ہے۔

م: فلذالک ربما یرسم علی الفواصل لا وعلیٰ غیرھا المیم اما (۵) محل الوقف فھوان تم بحیث انہ لا یبقی انتظار المسند الیہ او بہ فان لم یتعلق ما بعدہ بما قبلہ اصلا فتام وان لم یتعلق اعرابًا فکاف وان تعلق اعرابا فحسن وان لم یتم بل یتعلق لفظا ومعنیً کلیھما فقبیح۔

ت: پس اسی لیے کبھی فواصل پر لا اور کبھی دوسری جگہ میم لکھا رہتا ہے۔ بہر حال محل وقف پس اگر تام ہو جائے اس طور پر کہ نہ باقی رہے مسند الیہ یا مسند بہ کا انتظار، پس اگر اس کے مابعد کا تعلق ماقبل سے بالکل نہ رہے تو وقف تام ہے اور اگر نہ تعلق رہے اعرابا یعنی لفظا تو وقف کافی ہے اور اگر اعرابًا یعنی لفظاً تو وقف حسن ہے اور اگر تام نہ ہو بلکہ تعلق ہو (ماقبل کا مابعد سے) لفظاً اور معنیً دونوں طرح تو وقف قبیح ہے۔

ش: (۵) مصنف رحمہ اللہ وقف کی باعتبار محل تقسیم فرما رہے ہیں۔ وقف اگر ایسی جگہ کیا جائے جہاں لفظی اور معنوی دونوں تعلق ختم ہو جائے تو اس کو وقف تام کہتے ہیں اور اگر صرف تعلق لفظی ختم ہو اور معنوی تعلق باقی ہو اسے وقف کافی کہیں گے اور اگر معنوی تعلق ختم ہو جائے اسے وقف حسن کہیں گے اور اگر لفظی و معنوی دونوں تعلق باقی ہوں اور پھر وقف کیا جائے تو وقف قبیح کہلائے گا۔ اس تعریف کے بعد چند مسائل وقف لکھے جاتے ہیں جو موقع

کے مناسب ہیں۔

۱ وقف کرنے میں محل اوقاف کے مراتب کا لحاظ کرنا ضروری ہے ایسا نہ ہو کہ وقف تام یا وقف کافی تک باوجود سانس پہنچ جانے کے وقف حسن یا قبیح پر کیا جائے۔

۲ وقف میں توقف اور تاخیر صرف اسی قدر ہونی چاہیے کہ سانس بآسانی لیا جاسکے اس کے خلاف جائز نہیں۔

۳ اگر کسی شخص کا سانس پھولتا ہو تو حسب ضرورت وقف میں تاخیر کی جاسکتی ہے تاکہ قرآءت اطمینان کے ساتھ ادا ہو لیکن بوجہ مزید تاخیر کے اس کو وقف نہیں کہیں گے بلکہ سکوت ہوگا جب کہ پڑھنے کا ارادہ ہو۔

۴ پڑھتے پڑھتے سانس تنگ ہونے لگے تو پہلے سے اس کا خیال رکھے کہ درمیان کلام یا وسط کلمہ پر وقف نہ ہونے پائے ورنہ وقف غلط ہوگا۔

۵ وقف اختیاری کے لیے محل وقف چاہیے خواہ علامت وقف ہو یا نہ ہو۔

۶ وقف تام پر باقتضائے ختم کلام وقف ضروری ہے اس لیے کہ وقف کلام کے تمام ہونے پر دلالت کرتا ہے۔

۷ وقف کافی پر وقف بہتر ہے اس لیے کہ تعلق کا نہ ہونا ہی وقف کے لیے اصل محل ہے۔

۸ وقف حسن پر وقف جائز ہے اس لیے کہ اس پر وقف کرنے سے کوئی قباحت لازم نہیں آتی البتہ وقف اختیاری بہتر نہیں اور ابتداء جائز نہیں (بلکہ اعادہ ہوگا)۔

۹ وقف قبیح پر وقف اختیاری جائز نہیں اس لیے کہ اس پر وقف کرنے سے قباحت لازم آتی ہے۔

۱۰ حروف مقطعات پر وقف جائز نہیں اگر اضطراری وقف ہو جائے تو پھر سے ابتداء کرنا چاہیے۔ البتہ آخر حرف پر وقف جائز ہے جیسے كٓهيٰعٓصٓ وغیرہ۔ (جامع الوقف ص ۸و۹)

﴿فائدہ﴾ وقف کی ان چاروں قسموں کی مثال یہ ہے۔ وقف تام جس کے ماقبل کا مابعد سے

لفظی اور معنوی کوئی تعلق نہ ہو جیسے سورۂ بقرہ میں وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ پر وقف کرنا۔ لفظی تعلق ختم ہونا تو ظاہر ہے۔ معنوی تعلق اس طرح نہیں ہے کہ یہاں تک مومنین متقین کے اوصاف وغیرہ بیان کیے گئے اور اس کے بعد کفار کے حالات بیان ہوں گے۔ وقف کافی کی مثال (سورۂ بقرہ کے اوائل میں) لَا يُؤْمِنُوْنَ پر وقف ہے کہ لفظی تعلق تو ختم ہو گیا کہ جملہ پورا ہے لیکن معنوی تعلق باقی ہے کہ اس میں کفار کا ذکر ہے اور آگے بھی خَتَمَ اللّٰهُ میں انہی کا ذکر ہے۔ وقف حسن کی مثال اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ پر وقف سورۂ فاتحہ میں ہے کہ لفظی تعلق باقی ہے آگے رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ اسی کی صفت ہے لیکن معنی الحمد للہ میں پورے آگئے اس اعتبار سے تعلق نہیں۔ وقف قبیح ایسے کلمہ پر وقف جو غیر مفید ہو اور کلام تام نہ ہو جیسے صرف اَلْحَمْدُ پر یا رَبِّ پر یا مَالِكِ پر۔ اس لیے کہ مضاف کا ذکر ہے لیکن مضاف الیہ کا پتہ نہیں۔

م: اما التعلق اللفظي فهو التعلق الاعرابي(٦) واما المعنوی فما هو بين الحالين فصاعدًا من المعنى فقط ويجوز الوقف على التام والكافي فالابتداء بما بعدهما(٧)

ت: بہر حال تعلق لفظی ہی کا نام تعلق اعرابی ہے۔ اور بہر حال معنوی پس وہ جو دو یا دو سے زیادہ حال کے درمیان ہو صرف معنی سے اور جائز ہے وقف کرنا تام اور کافی پر بھروسہ پھر ابتداء ان دونوں کے مابعد سے ہوگی۔

ش: (٦) تعلق لفظی صرف تعلق اعرابی کو کہتے ہیں جیسے مبتدا و خبر۔ موصوف صفت۔ جار مجرور۔ مضاف مضاف الیہ۔ موصول صلہ۔ فعل فاعل وغیرہ۔ یہ سب تعلق لفظی ہے ان میں سے ایک پر وقف کرکے پھر ابتداء درست نہیں اور تعلق معنوی مطلب یہ کہ جو دو معنی کے درمیان ہو یعنی دو قسم کی حالت بیان کی جارہی ہے ایسے تعلق کو معنوی کہیں گے۔

(٧) ان چاروں قسم کا حکم بیان کر رہے ہیں۔ وقف تام اور وقف کافی پر وقف کرنا جائز ہے اس کے بعد پھر ابتداء ہوگی اعادہ نہ ہوگا۔

م: وقد سمو (٨) الها في المصاحف رموزًا مرتبةً بحسب

تفاوتهما ضعفا وقوة وهی غیر الفواصل المنزلة الموسومة علىٰ هیئة الحلقة المدورة فاكد الاوقاف (۹) هو اللازم المرموز بالمیم ثم المطلق المرموز بالطاء ثم الجائز المرموز بالجیم ثم المجوز المرموز بالزای ثم المرخص المرموز بالصاد

ت: اور تحقیق کہ علماء نے مصاحف میں اشارات لکھے ہیں ترتیب وار ان کے مختلف ہونے کے اعتبار سے قوت اور ضعف میں اور وہ رموز ان فواصل کے علاوہ ہیں جو منزل من اللہ ہیں گول حلقہ کی شکل پر۔ پس سب سے زیادہ مؤکد وقف لازم ہے جس کا اشارہ میم سے کیا گیا پھر وقف مطلق جس کا اشارہ طاء سے کیا گیا پھر وقف جائز جس کا اشارہ جیم سے کیا گیا۔ پھر وقف مجوز جس کا اشارہ زاء سے کیا گیا پھر وقف مرخص جس کا اشارہ صاد سے کیا گیا۔

ش: (۸) چونکہ ہر آدمی معانی اور مطالب سے واقف نہیں ہوتا کہ اسے تعلق کے باقی رہنے اور ختم ہونے کا پتہ چل سکے۔ اس لیے علماء نے مواقع وقف کی علامتیں مقرر کی ہیں۔ اگر علماء رموز وعلامات مقرر نہ کرتے تو عوام کے لیے بڑی پریشانی ہوتی۔ البتہ گول حلقہ (دائرہ) کی شکل میں جو علامت بنی ہوئی ہے وہ منزل من اللہ ہے لیکن اس کا مقصد وقف کے محل کو بتلانا بھی نہیں ہے ورنہ علماء کو پھر علامات مقرر کرنے کی کوئی ضرورت پیش نہ آتی۔

(۹) یہ پانچ علامتیں ترتیب وار علماء نے اسی طرح مقرر کی ہے جن میں سب سے اہم علامت میم ہے اس کے بعد طاء پھر جیم پھر زاء پھر صاد ہے۔ معنی کے اعتبار سے سب واضح بھی ہیں۔ وقف مرخص کا مطلب کہ وقف کرنے کی رخصت ہے اگرچہ نہ کرنا بہتر ہے۔

م: ولنعلم تلك (۱۰) الرموز لمن لاوقوف له فی العربیة وان لم یكن كذالك فلا یعرف محل الوقف والابتداء مع ثبوت الاوقاف علی الفاصلة وغیرها مطلقًا عند الحاجة فهذا احداث للدین لا فی الدین(۱۱) فمع الترتیب لا یستحسن ترجیع المرجوح بلا مرجح

وحاجۃ (۱۲)

ت : اور کتنی عمدہ ہیں یہ علامتیں اس شخص کے لیے جس کو عربیت میں واقفیت نہیں اور اگر ایسا نہ ہوتا تو نہ پہچان سکتا تھا محل وقف وابتداء کو حالانکہ اوقاف ثابت ہیں فاصلہ وغیرہ پر مطلقاً ضرورت کے وقت' پس یہ نئی بات دین کے لیے نکالنا ہے نہ کہ دین میں پس (مذکورہ) ترتیب کے ساتھ اچھا نہیں ہے مرجوح کو ترجیح دینا بغیر مرجح اور ضرورت کے۔

ش : (۱۰) مصنف رحمہ اللہ ان رموز کا فائدہ بیان کر رہے ہیں کہ جن لوگوں کو زبان عربی سے واقفیت نہیں ان لوگوں کے لیے یہ بہترین اور مفید چیز ہے ورنہ عام امت کیسے سمجھ سکتی تھی کہ ہمیں کہاں وقف کرنا چاہیے اور کہاں نہیں۔ اب اس نہ جاننے کی وجہ سے دو صورتیں پیش آ سکتی تھیں یا تو علامت وقف نہ ہونے کی وجہ سے کسی جگہ بھی وقف نہ کیا جائے اور یہ ممکن نہیں اور یا پھر اپنی مرضی سے جہاں چاہے رک جائے اس صورت میں بے محل رکنے سے کراہت معصیت اور گناہ حسب مرتبہ آ سکتا ہے۔ اس لیے ضرورت تھی کہ علماء کاملین جو فن سے پورے واقف اور علوم وفنون میں کامل دستگاہ رکھتے ہوں توجہ دیں اور اس قسم کے رموز کو قرآن کریم میں مقرر کریں۔

(۱۱) لہٰذا اس کو بدعت کہنا غلط ہے۔ اگر بدعت ہے تو بدعت صرف بمعنی جدید ہے یعنی ایک نئی چیز ہے لیکن چونکہ شریعت کے مخالف نہیں اس لیے اس کو بدعت سیۂ جو مفضی الی الاثم والنار ہو نہیں کہہ سکتے جیسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رمضان المبارک میں تراویح کے لیے لوگوں کو ایک امام پر ختم قرآن کے لیے جمع کر دیا۔ علماء نے اس کو بدعت حسنہ کہا اور بموجب حدیث عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ سنت میں داخل ہے۔ مصنف رحمہ اللہ نے اس عمدہ عمل کو احداث للدین لافی الدین کہہ کر بڑی عمدہ تعبیر مختصر الفاظ میں فرما دی کہ یہ نئی بات دین ہی کی حفاظت کے لیے وجود میں آئی نہ کہ دین و اسلام میں رخنہ اندازی کرنے کے لیے۔

(۱۲) اوپر پانچ علامتیں مرتب طریقہ پر بتلائی گئیں اسی کے متعلق یہ حکم ہے سو جب

اس میں ترتیب ہے تو پھر اس ترتیب کی رعایت کرنا ضروری ہے اس لیے راجح پر مرجوح کو ترجیح دینا اچھا نہیں خصوص جب کہ ضرورت نہ ہو مثلاً ایک جگہ وقف مطلق کی علامت طاء بنی ہوتی ہے دوسری جگہ وقف مرخص یا مجوز کی علامت صاد یا زاء ہے تو طاء پر وقف چھوڑ کر صاد یا زاء پر وقف نہ کرنا چاہیے۔

م : اما الفواصل (۱۳) فهي احب الاوقاف مطلقًا ان وقف عليها بالسنة ويجوز ايضا فيها رعاية المعنى للعربية كما رسمت الرموز عليها لتلك الرعاية لكن ليس فيها مطلقا اعادة لئلا يلزم مخالفة السنة (۱۴)

ت : بہرحال فواصل پس وہ مطلقاً اوقاف میں سب سے زیادہ پسندیدہ ہیں۔ اگر اس پر وقف کرے سنت کے اعتبار سے اور اس میں معنی کی رعایت کرنا بھی جائز ہے عربیت کی وجہ سے جیسا کہ رموز اس پر لکھے ہوئے ہیں اسی رعایت کی وجہ سے۔ لیکن اس میں مطلق اعادہ نہیں ہے تا کہ نہ لازم آئے سنت کی مخالفت

ش : (۱۳) فواصل جمع ہے فاصلہ کی۔ اصطلاح لغت میں فاصلہ مقفیٰ اور موزوں کلام کو کہتے ہیں جس کے آخر میں ایک ہی حرف یا ایک ہی ترتیب ہو جیسے سورۂ فاتحہ میں یاء مدہ کے بعد حرف ساکن آیا ہے۔ اَلْعَالَمِیْنَ۔ رَحِیْم۔ اَلدِّیْنِ۔ نَسْتَعِیْنُ۔ الخ تو قرآن کریم میں گول دائرے اسی مقفیٰ اور موزوں عبارت کی علامت ہیں اس کے علاوہ اور بھی مقاصد ہیں اس پر بھی وقف کرنا درست ہے لیکن اس میں بھی ترتیب ہے بعض فواصل پر وقف زیادہ بہتر ہے اور بعض پر کم ہے اسی وجہ سے علماء نے ان فواصل پر بھی علامتیں لگائی ہیں کہیں میم کہیں طاء کہیں جیم زاء صاد وغیرہ۔ لہٰذا فواصل پر وقف کرنے کی صورت میں بھی یہ دیکھ لیا جائے کہ راجح کو چھوڑ کر مرجوح پر وقف نہ ہو۔

(۱۴) البتہ اگر موجودہ ترتیب کے مطابق فواصل پر مثلاً وقف حسن کی علامت ہو جس میں قاعدہ کی رو سے اعادہ ہوتا ہے لیکن اس صورت میں جب کہ یہ علامت فواصل پر ہے مطلقاً

اعادہ کرنا ضروری نہیں ہے بلکہ موقع کے اعتبار سے ابتداء یا اعادہ کا حکم لگائیں گے۔ یہاں وقف حسن کے ساتھ فاصلہ کی علامت حلقہ مدورہ بھی ہے اور فواصل کا ایک مقصد علامت وقف بھی ہے۔ لہٰذا ان دونوں باتوں کا خیال رکھنا چاہیے۔

م: ویجوز الوقف علی الحسن (۱۵) لا الابتداء بما بعدہ فانہ قبیح سویٰ رأس الآیۃ کما مرّ۔ فلا بتداء (۱۶) حیث ما یحسن امّا بالاعادۃ او بما قبلہ

ت: اور جائز ہے وقف حسن پر لیکن نہ ابتداء کی جائے مابعد سے اس لیے کہ یہ قبیح ہے (بلکہ اعادہ ہوگا) سوائے رأس آیت کے جیسا کہ گزر چکا۔ پس ابتداء جس جگہ سے اچھی ہو یا اس کے اعادہ سے یا اس کے ماقبل کے اعادہ سے

ش: (۱۵) وقف حسن کا حکم یہ ہے کہ اس پر وقف کرنا جائز ہے لیکن پھر اسی موقوف علیہ یا اس کے ماقبل سے اعادہ ہوگا۔ ابتداء یعنی آگے سے پڑھنا جائز نہیں۔ البتہ وقف حسن کی علامت رأس آیت پر ہو تو ابتداء بھی جائز ہے جیسا کہ ابھی گزر چکا۔

(۱۶) فرمایا کہ ایک جگہ وقف کرنے کے بعد پھر کبھی تو اس کے بعد والی آیت سے پڑھنا ہوتا ہے جس کو ابتداء کہتے ہیں اور کبھی اس موقوف علیہ یا اس کے پہلے سے لوٹانا چاہیے جس کو اعادہ کہتے ہیں۔ یہ مختلف صورتیں اس لیے ہیں کہ جس طرح وقف کی چار قسمیں ہیں ایسے ہی ابتداء کی بھی چار قسمیں ہیں۔ ① ابتداء تام ② ابتداء کافی ③ ابتداء حسن ④ ابتداء قبیح۔ ایسی جگہ سے ابتداء جہاں سے نئی بات اور نئی عبارت شروع ہوگی۔ ابتداء تام کہلائے گا۔ وہکذا تو ابتداء میں بھی ان باتوں کا خیال رکھنا چاہیے۔

م: فان الابتداء ایضًا کالوقف تام و کاف وحسن وقبیح لابد فیہ من الرعایۃ ان لم یکن الثلثۃ الاول بعیدۃ (۱۷) ولا یجوز الوقف علی القبیح (۱۸) الا عند الاضطرار فالابتداء بالاعادۃ ولا رمز (۱۹) لاکد الوصل سوی رأس الآیۃ واحکام الاضطراری (۲۰) کاحکام

الاختیاری

ت : پس بے شک ابتداء کی بھی وقف کی طرح تام۔ کافی۔ حسن۔ قبیح (چار قسمیں) ہیں۔ ضروری ہے اس میں رعایت کرنا اگر پہلے تین دور نہ ہوں۔ اور وقف کرنا قبیح پر جائز نہیں مگر مجبوری کے وقت پس (اس صورت میں) ابتداء اعادہ کے ساتھ ہوگی اور (لفظ) لا علامت ہے سب سے زیادہ مؤکد وصل کی سوائے رأس آیت کے اور اضطراری کے احکام اختیاری کے احکام کی طرح ہیں۔

ش : (۱۷) مطلب یہ ہے کہ کبھی ایسا ہوسکتا ہے کہ ابتداء تام یا ابتداء کافی کرنا چاہیں تو کافی سے پہلے لوٹانا ہوگا پھر جہاں پہنچے تھے وہیں آ کر پھر سانس ٹوٹ سکتا ہے اس صورت میں ابتداء تام یا کافی یا حسن وغیرہ سے ابتداء کی کوشش بے سود ہے لہٰذا جہاں وقف کیا تھا وہیں سے یا اس کے آس پاس سے ابتداء کر دینی چاہیے۔

(۱۸) وقف قبیح ایسے تو ناجائز ہے لیکن اگر سانس وغیرہ ختم ہونے کی وجہ سے وقف قبیح ہوگیا تو پھر مسئلہ یہ ہے کہ ابتداء بالاعادہ ہوگی چاہے اسی حرف موقوف علیہ سے اعادہ کیا جائے یا اس کے ماقبل سے اگر یہ مناسب ہو۔

(۱۹) جس طرح وقف کی علامتیں مقرر کی گئیں ہیں اسی طرح عدم وقف کی علامتیں بھی علماء نے مقرر کی ہیں۔ جس طرح مؤکد وقف کے لیے میم تھا اسی طرح عدم وقف کی مؤکد علامت لفظ لا ہے جس کا مطلب یہ ہوگا کہ یہاں ماقبل کو مابعد سے ملا کر ہی پڑھنا چاہیے۔

(۲۰) وقف اختیاری میں جن مسائل اور احکام کا خیال رکھنا ضروری ہے اسی طرح اضطراری وقف کی صورت میں بھی ان احکام کا خیال رکھا جائے گا۔

م : وربما يجتمع القسيم مع الاخر فی محل واحد باختلاف الحيثيات والروايات فيتعدد انواع الاوقاف ورموزها فی محل واحد كذالك ألا ترىٰ الیٰ اختلاف الحنفية والشافعية فی وقف وما يعلم تاويله الا اللّٰه فيرسم ههنا عند الشافعية رمزلا وعند الحنفية ميم

اللازم (۲۱)

ت : اور کبھی جمع ہو جاتی ہے قسیم دوسرے کے ساتھ ایک ہی جگہ میں حیثیات اور روایات کے اختلاف سے پس متعدد ہو جائیں گی وقف کی قسمیں اور اس کے رموز ایک ہی جگہ میں اسی طرح' کیا آپ دیکھتے نہیں حنفیہ اور شافعیہ کے اختلاف کو وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللَّهُ کے وقف میں پس یہاں حضرات شافعیہ کے یہاں لفظ لا کی علامت لکھی جاتی ہے اور حنفیہ کے نزدیک میم لازم کی

ش : (۲۱) اس پوری عبارت کا حاصل یہ ہے کہ رموز اور علامات وقف میں کبھی ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ ایک ہی موقع اور محل پر کئی علامتیں نظر آئیں گی تو اس کی وجہ یہ ہوگی کہ روایت اور حیثیت کا اختلاف ہوگا یعنی کسی کے نزدیک وہاں وقف کرنا بہتر ہوگا اور کسی کے نزدیک وصل! اول قول پر ط یا م رسماً ہونی چاہیے اور قول ثانی پر لا ہوگی جیسے وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللَّهُ میں حنفیہ اور شافعیہ کا مشہور اختلاف ہے کہ إِلَّا اللَّهُ پر وقف ہوگا یا وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ اسی کا معطوف ہے۔ حنفیہ قول اول کے قائل ہیں اور إِلَّا اللَّهُ پر وقف واجب ہے اس لیے میم لازم لکھا گیا ہے اور شافعیہ کے یہاں فِي الْعِلْمِ پر عطف ہے تو إِلَّا اللَّهُ پر لا لکھا گیا ہے تو ایک ہی موقع پر دو متضاد علامتیں بنی ہوئی ہیں! علامہ ابن الجزری رحمہ اللہ نشر میں فرماتے ہیں کہ وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللَّهُ پر وقف تام ہے اور اس کے مابعد سے مستقل جملہ شروع ہو رہا ہے یہی قول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ رئیس المفسرین۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ وغیرہم رضی اللہ عنہم کا ہے۔ یہی مذہب امام ابوحنیفہؒ اور اکثر محدثین کا ہے۔ اسی قول کے قائل امام نافع رحمہ اللہ۔ امام کسائی رحمہ اللہ۔ یعقوب رحمہ اللہ۔ فراء رحمہ اللہ۔ اخفش رحمہ اللہ۔ امام ابوحاتم رحمہ اللہ وغیرہ ہیں۔ عروہ رحمہ اللہ مشہور تابعی ہیں فرماتے ہیں کہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ راسخین فی العلم تاویل نہیں جانتے ہیں۔ بس یہ کہتے ہیں کہ ہمارا تو اس پر ایمان ہے۔ درک حقیقت اور وصول الی المعرفت سے ہم عاجز ہیں۔ (بحوالہ نہایۃ القول المفید ص ۱۵۵) لہٰذا حنفیہ کا قول ہی محقق اور راجح ہے۔

م: لکن اللزوم (۲۲) والوجوب فی محل الوقف عرفی کوجوب سائر اصول العربیة الواجبة فان الوصل وکذاضده الفصل ای الوقف من احکام اللسان العربیة ومن ثم لا یجب ولا یحرم وقف ولا وصل شرعًا الا ان یقصد بهما معنی یوجب الاثم او الکفر لقصده

ت: لیکن لزوم اور وجوب محل وقف میں عرفی ہے۔ جیسے تمام قواعد عربیہ لازمہ کا وجوب عرفی ہے اس لیے کہ وصل اور اس کی ضد فصل یعنی وقف تو زبان عربی کے قواعد میں سے ہیں اور اسی وجہ سے نہیں واجب ہے اور نہ حرام ہے کوئی وقف نہ وصل شرعاً مگر یہ کہ ان دونوں سے ایسے معنی کا ارادہ کیا جائے جو گناہ کو یا کفر کو لازم کرے (تو گنہگار ہوگا) اس کے ارادہ کی وجہ سے

ش: (۲۲) اب تک کی بحث میں آپ نے واجب جائز حرام وغیرہ کے الفاظ سنے کہیں وقف واجب ہے تو کہیں حرام ہے۔ ہوسکتا ہے کہ یہ سن کر آپ کے ذہن میں یہ بات آئے کہ یہ سب باتیں اور مسائل کتاب اللہ اور حدیث سے ثابت ہوں گے اس لیے کہ اسی میں فرض و واجب جائز و حرام کی بحث ہوتی ہے۔ مصنف رحمہ اللہ اس شبہ کو اس عبارت سے دور کر رہے ہیں۔ فرمایا کہ یہ وجوب اور حرمت کی بحث شرعی نہیں بلکہ عرفی ہے اور عرف سے مراد عرف اہل تجوید یا عرف اہل لغت ہے اس لیے کہ ہر فن اور زبان کے کچھ اصول و قواعد ہوتے ہیں جن کا استعمال ضروری یا عدم استعمال ضروری ہوتا ہے۔ مثلاً اہل نحو کہتے ہیں کہ فاعل کو رفع دینا اور مفعول کو نصب دینا واجب ہے اور مطلب یہ ہے کہ اصول نحو اسی کا تقاضا کرتے ہیں نہ یہ کہ شرعی طور پر رفع دینا واجب ہے اور رفع نہ دو تو گنہگار ہوگا بس اسی طرح علم تجوید کے قواعد میں وجوب کا مطلب یہ ہے کہ اصول تجوید اور قواعد فن اسی کا تقاضا کرتے ہیں اور حرام کا مطلب یہ کہ قواعد تجوید میں لغت و زبان کے اعتبار سے اس کے جواز کی کوئی گنجائش نہیں البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ جو علم و فن جتنا زیادہ اقرب الی الشرع ہوگا وجوب و حرمت کی بحث میں کچھ نہ کچھ شرعیت اور مذہبیت کو بھی دخل ہوگا اس لیے گو علم تجوید اور علم

وقف میں وجوب وحرمت اصطلاحی ہے شرعی نہیں لیکن اگر اس کے خلاف کرنے سے ایسے معنی کا قصد کیا جائے جس سے گناہ یا کفر کا اثر پیدا ہوتا ہو تو پھر خلاف کرنا شرعاً گناہ ہوگا مگر یہ گناہ قواعد وتجوید کی رعایت نہ کرنے کے سبب نہیں بلکہ شریعت کے خلاف دوسری معنی کے قصد کرنے کی وجہ سے ہوگا یہی مطلب ہے مصنفؒ کی عبارت ''لقصده'' کا۔

م: لکن لما (۲۳) کان فیهما ایهام ما لا یلیق فکل منهما لا یلیق من غیر حاجة ومع حاجة الوقف الابتداء بالاعادة فان الوقف والوصل وان لم یدلا علیٰ معنی لکن لما کان الوقف الاختیاری عادة حیثما ینقطع الکلام بوجه ما غالبًا فالوقف یدل علی انقطاع الکلام عما بعده وکذا مقابله الوصل مع انه الاصل یدل علی الاتصال بالطبعیة من الدلالة اذا وصل فی محل ووقف فی محل اخر

ت: لیکن چونکہ ان دونوں میں ایسی چیز کا وہم تھا جو مناسب نہیں اس لیے یہ دونوں مناسب نہیں بغیر ضرورت کے اور وقف کی ضرورت کے ساتھ ابتداء ہو اعادہ کے ساتھ پس بے شک وقف و وصل اگرچہ (بذات خود) کسی معنی پر دلالت نہیں کرتے لیکن چونکہ وقف اختیاری عام طور پر ایسی جگہ ہوتا ہے جہاں کلام پورے طور پر ختم ہو جائے اس لیے وقف دلالت کرتا ہے کلام کے (تعلق) ختم ہو جانے پر مابعد سے اور اسی طرح اس کا مقابل وصل باوجودیکہ وہ اصل ہے دلالت کرتا ہے بالطبع دلالت طبعیہ سے ملنے پر' جب وصل کیا جائے ایک محل میں اور وقف کیا جائے دوسرے محل میں۔

ش: (۲۳) اس ساری بحث کے بعد پھر بھی بات یہ ہے کہ چونکہ وقف کی جگہ وصل اور وصل کی جگہ وقف کرنے میں غیر مناسب معنی کا وہم پیدا ہو سکتا ہے اس لیے بلا ضرورت نہ وقف کرنا چاہیے نہ وصل اس لیے کہ اگرچہ وقف و وصل اپنی ذات میں کوئی معنی نہیں رکھتے لیکن چونکہ انسانی مزاج یعنی عرف یہ بن چکا ہے کہ جہاں کلام یا مضمون یا جملہ پورا ہو جاتا ہے وہاں رک جاتے ہیں اور جہاں مضمون باقی رہتا ہے تو وہاں کلام کا سلسلہ جاری

رہتا ہے اس لیے بلا ضرورت وقف و وصل سے خلاف مقصود کا شبہ پیدا ہو جائے گا۔ وقف سے یہ معلوم ہو گا کہ یہاں مضمون یا جملہ پورا ہو گیا حالانکہ وہ ناقص ہے اسی طرح بلا موقع و ضرورت وصل سے یہ شبہ پیدا ہو گا کہ یہاں سلسلۂ کلام چل رہا ہے۔ حالانکہ جملہ یا مضمون پورا ہو چکا تھا۔ اس عرف عام کا لحاظ کرتے ہوئے کلام میں نہ بلا ضرورت وقف کرو نہ بلا ضرورت وصل ہم کہتے ہیں کہ یہی طرز قرآن کریم میں بھی اختیار کرو کہ ضرورت کے موقع پر وصل ہو تا کہ تعلق معلوم ہو اور ضرورت کے موقع پر وقف کرو تا کہ مابعد کا ماقبل سے تعلق معلوم نہ ہو اور جب وقف کی ضرورت پیش آ جائے مثلاً سانس وغیرہ تنگ ہو گیا تو بعد میں اعادہ کر لو تا کہ اس کا تعلق اصلی باقی رہے اس لیے کہ وقف تو ضرورت کی وجہ سے کیا گیا ہے۔

م: كالوجه الممنوع (۲۴) من بين السورتين اى الرابعة ولذالك (۲۵) قال رسول صلى الله عليه وسلم خطيبا بئس خطيب القوم انت واقامه لما قال الخطيب من يطع الله ورسوله فقد رشد ومن يعصهما فوصل رشد بمن يعصهما ووقف عليه وينبغي له ان يقف على رشد او يصل كلامه الى اخره

ت: جیسے وہ صورت جو ممنوع ہے دو سورتوں کے درمیان یعنی چوتھی صورت۔ اور اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے ایک خطیب کو فرمایا "تو بہت برا خطیب ہے اور اسے روک دیا جب خطیب نے مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ رَشَدَ وَمَنْ يَّعْصِهِمَا پڑھ کر رَشَدَ کو مَنْ يَّعْصِهِمَا کے ساتھ ملا دیا اور اس پر وقف کر دیا حالانکہ اس کے لیے مناسب یہ تھا کہ رَشَدَ پر وقف کرتا یا اپنے کلام کو آخر تک ملاتا چلا جاتا۔

ش: (۲۴) اسی وجہ سے کہ وقف غیر محل میں ہونا مقصود کے منافی ہے دو سورتوں کے درمیان جب بسم اللہ آ جائے تو اس میں چوتھی صورت یعنی وصل اول فصل ثانی کو ناجائز قرار دیا گیا ہے کما مر۔ اس لیے کہ اس صورت میں بسم اللہ کا ماقبل والی سورت سے تعلق معلوم ہوتا ہے حالانکہ بسم اللہ کا تعلق آئندہ آنے والی سورت سے ہوتا ہے۔

(۲۵) یہ بھی بلا ضرورت وقف کے معیوب اور قابل گرفت ہونے کی دلیل ہے دیکھیے ایک خطیب مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ رَشَدَ وَمَنْ يَّعْصِهِمَا پڑھ کر وقف کر رہا تھا آنحضور ﷺ نے اسے روک دیا اور برملا اس کی ملامت فرمائی یا تو وہ فَقَدْ رَشَدَ پر رکتا اور یا فَقَدْ غَوٰى پر جا کر سانس ختم کرتا تا کہ غلط معنی پیدا ہونے کا احتمال نہ رہتا معلوم ہوا کہ گو وقف نہ واجب نہ حرام ہے مگر خلاف واقعہ مفہوم پیدا ہونے سے وجوب اور حرمت کی بحث آجائے گی ورنہ خطیب کو روکنے کی وجہ نہ تھی اگرچہ علماء نے اس کو روکنے کی اور بھی وجوہ تحریر فرمائی ہیں مثلاً آپ ﷺ نے اس پر اس لیے نکیر فرمائی کہ مَنْ يَّعْصِهِمَا میں ضمیر تثنیہ استعمال کی حالانکہ صاف وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ کہتا تا کہ دونوں کی معصیت مستقلاً معلوم ہو جائے وغیرہ وغیرہ جو کتب احادیث میں آجائیں گی مگر مذکور فی المتن کا بھی احتمال بلکہ اقرب الی الامکان ہے اس لیے مصنف رحمہ اللہ نے اس کو بلا ضرورت وقف کے حرام ہونے کی دلیل میں پیش کیا۔

م: ام الفواصل التوقيفية (٢٦) فلا غراض اخر لا للوقف لكن الانقطاع (٢٧) والاتصال في وصل الكل تابعان لاعتبار المعتبر لاستقامة (٢٨) المعنى كما هو شان سائر الكلام بخلاف الوقف فانه لاحاجة للاعتبار بعده كما مرو لذالك يلزم بالقبيح الاعادة

ت: بہرحال فواصل توقیفیہ پس دوسرے مقاصد کے لیے ہے نہ کہ وقف کے لیے۔ لیکن انقطاع اور اتصال وصل کل میں دونوں تابع ہیں معتبر کے اعتبار پر معنی کے درست ہونے کی وجہ سے جیسا کہ وہ ہر کلام کی شان ہے۔ برخلاف وقف کے۔ پس بے شک ضرورت نہیں ہے اس کے بعد اعتبار کرنے کی جیسا گزر چکا اسی وجہ سے لازم آتا ہے وقف قبیح پر اعادہ۔

ش: (۲۶) پہلے بھی یہ بات آچکی ہے کہ قرآن کریم میں فواصل توقیفیہ یعنی گول دائرے جو ہر آیت کے بعد ہے وہ اصلاً وقف کی علامت بتانے کے لیے نہیں آئے ورنہ تو علماء کو رموز طاء وجیم وغیرہ لگانے کی ضرورت ہی پیش نہ آتی بلکہ وہ دوسرے مقاصد کے لیے

ہے مثلاً رعایت سجع وغیرہ بتلانا مقصود ہے۔ اس لیے حضرات علماء نے رموز لگا کر بے کار کام نہیں کیا بلکہ امت پر بڑا احسان فرمایا **فجزاھم اللہ عنا خیرا الجزاء واحسنہ**

(۲۷) ہوسکتا ہے کہ یہ اشکال ذہنوں میں کھٹک پیدا کرے کہ جب قرآن کریم میں کسی جگہ بھی وقف ضروری نہیں بلکہ اصل وصل ہے تو پھر اگر کوئی آدمی پورا قرآن یا کافی مقدار ایک سانس میں پڑھ لے تو اسے یہ کیسے پتہ چلے گا کہ مضمون ایک ہے یا الگ۔ ماقبل والا مضمون ہے یا بدل گیا حالانکہ قرآن کریم میں بے شمار مضامین ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس وقت اعتبار کرنے والے کے اعتبار پر موقوف رہے گا مثلاً ایک شخص سورۂ بقرہ ایک سانس میں پڑھ جائے تو سمجھنے والا سمجھ جائے گا کہ **اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ** تک مؤمنین کے اوصاف اور **وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ** تک کفار کا حال بیان ہوا اور **وَمِنَ النَّاسِ** سے منافقین کا ذکر شروع ہو رہا ہے اور نہ سمجھنے والے کے لیے جگہ جگہ وقف کرنے کی صورت میں بھی پتہ نہیں چلے گا۔

(۲۸) تو اگر کسی میں پورے قرآن کریم یا مثلاً سورۂ بقرہ ایک سانس میں پڑھنے کی طاقت ہو تو پڑھے کوئی حرج نہیں اس لیے کہ معنی اس صورت میں بھی درست ہے اور جب کسی نے وصل کر لیا تو اب وقف کے اعتبار کرنے کی کوئی ضرورت نہیں اس لیے کہ وقف تو وصل کے بعد کا درجہ ہے جب وصل حاصل ہے تو وقف کے کیا معنی اس لیے وقف قبیح میں اعادہ ہے معلوم ہوا کہ وقف اصل نہیں ہے۔

م: وقالوا (۲۹) الاوقاف من تفسیر القرآن کما قالوا وصل الاول فی فصل الثانی او بالعکس لا الوقف معًا فی المعانقۃ

ت: علماء کرام یہ بھی فرماتے ہیں کہ اوقاف قرآن کریم کی تفسیر ہے جیسا کہ فرماتے ہیں کہ وصل اول فصل ثانی یا اس کا برعکس (تفسیر قرآن سے ہے) ہاں معانقہ میں وقف دونوں جگہ نہ کیا جائے۔

ش: (۲۹) علماء کے قول مذکور کا مطلب یہ ہے کہ وقف کے ذریعہ سے تفسیر سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ کم از کم اتنا تو سمجھ میں آتا ہے کہ یہاں ایک مضمون پورا ہو گیا یہاں سے

دوسرا مضمون شروع ہو رہا ہے۔ جیسے وصل اول فصل ثانی یا برعکس میں ایک قسم کا مطلب سمجھ میں آتا ہے البتہ جہاں وقف معانقہ ہو وہاں دونوں جگہ وقف کرنا نہ چاہیے۔ معانقہ کی صورت یہ ہے کہ کسی کلمہ سے پہلے اور اس کے بعد بھی تین نقطہ کی علامت لگی ہو جیسے لا ریب ∴ فیه ∴ هدی للمتقین کیونکہ دونوں جگہ وقف کی صورت میں فِیْهِ کا تعلق نہ ماقبل سے نہ ما بعد سے رہے گا حالانکہ وہ مستقل جملہ نہیں ہے۔ قرآن کریم میں وقف معانقہ ۳۵ جگہ ہے۔

م: واما کیفیة (۳۰) الوقف باخر الموقوف علیه فثلثة الاسکان مطلقاً وهو الاصل فی الوقف واقواه للتضاد بین الوقف والابتداء وبین السکون والحرکة

ت: اور بہرحال وقف کی کیفیت موقوف علیہ کے آخر پر پس تین ہیں مطلقاً اسکان اور یہی وقف میں اصل اور قوی ہے وقف اور ابتداء کے درمیان اور حرکت وسکون کے درمیان تضاد ہونے کی وجہ سے۔

ش: باعتبار کیفیت اقسام وقف: (۳۰) اس کی تین قسم ہیں ① وقف بالاسکان ② وقف بالاشمام (۳) وقف بالروم۔ سب سے عمدہ اور بہتر اور اصل وقف بالاسکان ہے۔

وقف بالاسکان اس وقف کو کہتے ہیں جس میں کلمہ موقوف علیہ کے آخری حرف کی حرکت کو سکون سے بدل دیا جائے وقف بالاسکان کے اصل ہونے کی دو دلیل مصنفؒ نے ذکر کی۔ اور دونوں دلیل قوی اور مضبوط ہے۔ پہلی دلیل یہ ہے کہ یہ بات تو معلوم ہی ہے کہ کلمہ کی ابتداء حرکت سے ہوتی ہے اسی لیے ابتداء باسکون جائز نہیں اور ظاہر ہے کہ ابتداء کی ضد وقف ہے جب ابتداء کے لیے حرکت لازم ٹھہری تو انتہاء یعنی وقف کے لیے حرکت کی ضد سکون ہی رہے گی۔ ہر ایک نے ایک ایک تقسیم کر لیا۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ وقف سانس کے پھولنے اور تھکنے کی وجہ سے کیا جاتا ہے ایسے موقع پر طبیعت ہلکی سے ہلکی چیز کو چاہتی ہے اور ثقیل چیز طبیعت پر گراں گزرتی ہے اور یہ بات یقینی ہے کہ حرکات کی بہ نسبت سکون بہت زیادہ خفیف اور ہلکا ہے تو موقع کے اعتبار سے مناسب چیز دی گئی اور اس میں بھی سکون کا

کمال اصلاً مطلوب ہے حرکت کی بو تک نہ آئے تا کہ خفت باقی رہے اور ابتداء کے وقت طبیعت چست ہوتی ہے اگر گراں چیز دے دی گئی تو ثقیل معلوم نہیں ہو گی چنانچہ حرکت جو سکون کی نسبت ثقیل ہے ابتداء کے لیے تجویز کیا گیا واللہ اعلم۔

م: وھی لزمت للابتداء فبقی ضدھا السکون لضدہ الوقف ولان الوقف لضیق النفس وللعی فھو یقتضی الخفۃ والسکون اخف من الحرکات ویجوز الروم (۳۱) فی غیر المفتوح والمنصوب فقط والاشمام فی المضموم والمرفوع فقط وقد سبق فی باب السکون حد کل واحد من الثلثۃ وموانعھما (۳۲) السکون والحرکۃ العارضۃ ومیم الجمع والتاء المربوطۃ

ت: اور حرکت لازم ہے ابتداء کے لیے پس باقی رہی حرکت کی ضد سکون ابتداء کی ضد وقف کے لیے اور اس لیے کہ وقف سانس کے تنگ ہونے اور تھکنے کی وجہ سے ہوتا ہے پس وہ تقاضا کرتا ہے خفت کا اور سکون تمام حرکتوں سے خفیف ہے اور جائز ہے وقف بالروم مفتوح اور منصوب کے علاوہ میں اور اشمام صرف مضموم اور مرفوع میں اور سکون کے باب میں تینوں کی تعریف گزر چکی اور ان دونوں (روم و اشمام) کے موانع سکون۔ حرکت عارضہ۔ میم جمع اور گول تاء ہیں

ش: (۳۱) دوسری قسم وقف بالروم جو ضمہ و رفع اور کسرہ و جر کی حرکت میں جائز ہے اور اشمام صرف ضمہ و رفع کی حرکت میں جائز ہے۔ ماقبل میں تینوں کی تعریف گزر چکی۔ فتحہ ضمہ کسرہ۔ اور رفع نصب جر میں فرق یہ ہے کہ اول کا اطلاق مبنی کے اعراب پر اور ثانی کا اطلاق معرب کے اعراب پر ہوتا ہے۔

(۳۲) حاصل بحث یہ ہے کہ اسکان ہر موقع پر ہو سکے گا یعنی متحرک کو ساکن کر دو اور یہی اصل ہے (البتہ اگر حرکت زبر ہو تو ابدال بالالف ہو گا۔ کما سیأتی) لیکن روم اور اشمام ہر جگہ صحیح نہ ہو گا بلکہ اس کے کچھ موانع بھی ہیں جس کو ذکر کیا جا رہا ہے [1] سکون! موقوف علیہ کلمہ پر پہلے سے سکون ہو تو وقف بالسکون ہو گا۔ یہاں روم و اشمام اس لیے جائز نہیں کہ ان

میں یا حرکت کا ثلث یا اس کا اظہار کیا جاتا ہے اور یہاں تو سرے سے حرکت ہی نہیں اور وقف بالاسکان کا مطلب یہ ہے کہ متحرک کو ساکن کیا جائے پھر اس میں یا اصل حرکت بقدر ثلث ادا کی جائے کمانی الروم یا حرکت کا اظہار کیا جائے کمانی الاشمام تو یہ دونوں عمل اصلیت کو بتلانے کے لیے ہیں [۲] حرکت عارضی۔ جو اجتماع ساکنین کے لیے وصل کی صورت میں لائی گئی اب جب اس پر وقف کیا جائے گا تو وہ عارضی حرکت ہی ختم ہوگئی روم و اشمام کس حرکت کی بنیاد پر ہو! [۳] میم جمع کلمہ کے آخر میں ہو اور اس پر وقف کے لیے سکون لایا جائے گا تو روم و اشمام جائز نہیں۔ [۴] تاء مربوطہ یعنی گول تاء اس لیے کہ وہ وقف کی حالت میں ہاء بن جائے گی تو وقف بالابدال ہوگا جیسے اَلْقَارِعَةُ کی صورت میں وقف بالا بدال ہوگا۔

م: اماهاء الكناية (۳۳) فتمنعهما ان كان قبلها واو اوياء او مدتان او ضمة او كسرة والافلا

ت: بہرحال ہاء کنایہ (ہاء ضمیر) پس مانع ہے روم و اشمام کو اگر ہو اس سے پہلے واو یا یاء (مطلقاً) یا دونوں مدہ ہوں یا ضمہ یا کسرہ ہو ورنہ نہیں۔

ش: (۳۳) پانچواں مانع ہاء کنایہ ہے جب کہ اس سے پہلے مطلقاً واؤ یا یاء ہوں یا واؤ یا یاء مدہ ہوں یا ھاء ضمیر سے پہلے ضمہ ہو یا کسرہ۔ واؤ اور یاء کی مثال اَلْقَوْهُ۔ اِلَيْهِ۔ مدہ کی مثال عَقَلُوْهُ اور فِيْهِ ضمہ کی مثال رَسُوْلُهٗ کسرہ کی مثال بِهٖ۔ یہ صورتیں روم و اشمام سے مانع ہیں۔ اس لیے کہ اس صورت میں حرکت کا علم ہو جائے گا ہاں اگر یہ موانع نہ ہوں تو پھر روم و اشمام جائز ہے۔ البتہ بعض مشائخ جیسے علامہ دانی رحمہ اللہ ہر حال میں اشمام و روم کی اجازت دیتے ہیں۔ منقول از حواشی حضرت والد صاحب مدظلہ

م: واذا ضربت الوجوه الثلثة للمد العارض (۳۴) في الوجوه الثلثة للوقف فحاصلة تسعة اوجه والمقروء منها في نحو رب العٰلمين ثلثة وهي المدود الثلثة بالاسكان فقط وفي نحو يوم الدين اربعة الثلثة بالاسكان والقصر بالروم وفي نحو نستعين سبعة التثليث بالاسكان

وبالاشمام والقصر بالروم أما الوقف على (۳۵) وسط الكلمة ولو كان بالرسم وعلى اخرها بغير التنفس او بغير الكيفيات الثلثة فلا يجوز رواية ودراية الاعلىٰ مرسوم الخط كما سياتي

ت: اور جب ضرب دی جائے گی مد عارض کی تین وجوہ (طول توسط قصر) وقف کی تین صورتوں (اسکان روم اشمام) میں پس اس کا حاصل نو وجہیں ہوں گی ان میں سے مثلاً رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ میں تین وجوہ پڑھی جائیں گی اور وہ تین مد ہیں صرف اسکان کے ساتھ اور مثلاً یَوْمِ الدِّیْنِ میں چار وجہیں ہوں گی تین اسکان کے ساتھ اور (ایک) قصر بالروم اور مثلاً نَسْتَعِیْنُ میں سات وجہیں جائز ہوں گی تین اسکان کے ساتھ اور تین اشمام کے ساتھ اور (ایک) قصر بالروم بہرحال درمیان کلمہ پر وقف کرنا اگرچہ رسماً ہو اور اس کے آخر پر (وقف کرنا) بغیر سانس لیے ہوئے یا (مذکورہ) تین کیفیتوں کے بغیر پس نہیں جائز ہے نہ روایۃً نہ درایۃً مگر رسم الخط پر جیسا کہ آئندہ آجائے گا۔

ش: (۳۴) مد عارض وغیرہ کے ضرب کی پوری بحث ما قبل میں مفصل طور پر آچکی ہے۔

(۳۵) یہ وقف کے بارے میں ان صورتوں کا بیان ہے جو صحیح نہیں ① ایک صورت یہ کہ درمیان کلمہ پر کوئی وقف کرنے لگے اگرچہ وہ رسماً ہی درمیانی کلمہ ہو لغت کے اعتبار سے نہ ہو جیسے بِئْسَمَا میں بِئْسَ پر وقف رسماً درمیان کلمہ میں آنے کی وجہ سے غلط ہوگا۔ ② دوسری صورت یہ کہ کلمہ کے آخر پر بغیر سانس ختم کیے وقف کرتا ہے تو یہ بھی جائز نہیں ③ یا کوئی ان تینوں کیفیت اسکان روم اشمام کے علاوہ چوتھی صورت نکالے مثلاً حرکت کاملہ سے یا اختلاس سے وقف کرے تو یہ بھی غلط ہے اور نہ روایۃً صحیح ہے نہ درایۃً۔ یعنی اس طرح وقف نہ سنا گیا نہ قاعدہ کی رو سے صحیح ہے وقف صرف مرسوم الخط کے آخر پر صحیح ہے جس کا ذکر آگے آجائے گا۔

م: ويجوز الاختبار (۳٦) بالوقف على اخر كل كلمة بالكيفيات الثلثة حين الافادة والاستفادة فيسمى الوقف اختباريا

بالموحدة وهو متعلق بالرسم وكيفية الوقف واذا انتظر القارى بالوقف لاستيعاب سائر القرآئت والروايات والطرق فيسمى وقفا انتظاريًا ومتعلقه الجمع لاختلاف الروايات المتواترة من السبعة او العشرة

ت: اور جائز ہے وقف اختباری ہر کلمہ کے آخر پر تینوں کیفیت کے ساتھ افادہ و استفادہ کے وقت‘ پس اس کا نام رکھا جائے گا وقف اختباری (باء موحدہ کے ساتھ) اور اس قسم کا تعلق ہے رسم اور کیفیت وقف سے اور جب قاری انتظار کرے وقف میں تمام قرآءت اور روایات اور طرق کو جمع کرنے کا تو اس کا نام رکھا جاتا ہے وقف انتظاری اور اس کا متعلق (مقصود) جمع کرنا ہے سبعہ یا عشرہ کی متواتر روایات کے اختلاف کو

ش: (۳۶) وقف کی باعتبار وقف واقع ہونے کے دو قسموں اختیاری اور اضطراری کا ذکر تو شروع میں ہو چکا یہ بقیہ دو کا بیان ہے۔ اگر کلمہ کے آخر پر اس لیے وقف کر رہا ہے کہ استاذ اپنے شاگرد کو طول توسط قصر تینوں کی مقدار یا اسکان روم اشمام کی کیفیت بتلانا چاہتا ہے تو اس کا وقف وقف اختباری (بالباء الموحدہ) ہے جس کا تعلق رسم اور کیفیت وقف سے ہے۔ اور اگر قاری قراء سبعہ یا عشرہ کی مختلف قرآءتوں یا روایتوں کو ایک آیت میں جمع کرنے کے لیے رک رہا ہے تو اس کا نام وقف انتظاری ہے۔ گویا ایک قرآءت پوری کر کے دوسری قرآءت کا انتظار کر رہا ہے اور مقصود ہی اختلاف قرآءت کو ذکر کرنا ہے۔ اپنے ناقص خیال میں ان دو قسموں کو وقف اختیاری میں داخل کر لیں اور اصلاً دو ہی قسم وقف اختیاری و اضطراری رکھیں تب بھی کوئی اشکال نہیں اس لیے کہ یہ دونوں وقف انتظاری و اختیاری بھی اپنے اختیار سے ہوتے ہیں اور اس صورت میں اس سوال کا جواب بھی بن سکتا ہے کہ مصنفؒ نے دو قسم کو تو شروع میں اور دو قسم کو یہاں اتنی دوری پر کیوں بیان کیا تو وجہ یہ ہوگی کہ وقف اختیاری کا تفصیلی ذکر شروع فرمایا اور یہ بھی اسی میں داخل ہے اور اگر یہ صورت اختیار نہ کی جائے تو پھر اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ ان دونوں قسموں کے بیان کرنے کے بعد چونکہ انہی کے مسائل کی ضرورت زیادہ تھی اس لیے ان کو بیان کیا اور ان دونوں کی زیادہ ضرورت

نہیں نہ ہی ان کی ان کی تفصیلات ہیں اس لیے مؤخر کر دیا۔

م: **واما كيفية الابتداء (٣٧) فلا بد فيه من الحركة فان الابتداء بالساكن متعذر او متعسر فان تحرك المبدوبه فان الابتداء بتلك الحركة والافلا بدله من همزة الوصل المتحركة ورعاية حركتها الصحيحة لانه ربما لم يرسم فى الدرج الحركة وقد مضىٰ سائر احكام الهمزة فى باب الهمزة من الاسقاط والاثبات والحركة**

ت: اور بہر حال کیفیت ابتداء پس ضروری ہے اس میں حرکت۔ اس لیے کہ ابتداء بالساکن متعذر یا مشکل ہے پس اگر (وہ حرف) جس سے ابتداء کی جارہی ہے متحرک ہو تو ابتداء اسی حرکت سے ہوگی ورنہ ضروری ہے اس کے لیے ہمزۂ وصل متحرکہ اور اس کے صحیح حرکت کی رعایت کرنا اس لیے کہ کبھی درمیان میں ہونے کی وجہ سے حرکت نہیں لکھی جاتی ہے اور ہمزہ کے تمام احکام اس کے باب میں اسقاط اثبات اور حرکت وغیرہ کے گزر گئے

ش: **ابتداء کا بیان**: (۳۷) وقف کا بیان اور اس کے احکام و مسائل پورا فرمانے کے بعد چونکہ کچھ مختصر احکام ابتداء کے بھی تھے اس لیے اسے بھی بیان کر رہے ہیں۔ یہ پہلے ہی معلوم ہو چکا کہ ابتداء کے لیے حرکت ضروری ہے اور بغیر حرکت کے ابتداء نہیں ہو سکتی اس لیے ہمیں جس کلمہ یا حرف سے ابتداء کرنی ہے اگر وہ متحرک ہے تو ابتداء اسی حرکت سے ہونی چاہیے اور اگر وہ متحرک نہیں بلکہ ساکن ہے تو ہمزۂ وصل متحرک لگاؤ۔ ہمزہ پر حرکت وہی لگائی جائے جو پہلے سے موقع کے مناسب ہو۔ اور اس کا خاص طور سے خیال رکھا جائے اس لیے کہ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ درمیان میں ہونے کی وجہ سے حرکت لکھی نہیں جاتی تو صحیح حرکت کا خیال رہے اور بقیہ مسائل ہمزہ کے بیان میں گزر چکے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

الحمد للہ وقف کا بیان پورا ہوا۔ اب آگے تیسرے علم رسم عثمانی کے متعلق کچھ مسائل پیش کیے جائیں گے۔

م: **ومرسوم (٣٨) الخط قد اجمع الامة عليه لا يجوز**

مخالفته كتابة ولا قرآءة والاصل في الوقف (٣٩) موافقة الرسم والاصل في الرسم موافقة اللفظ وقد يخالفه في الحالين نحو فما اتن ے الله بالنمل باثبات الياء وصلًا وعن الحفص في الوقف الاثبات بالخلف

ت: اور رسم الخط پر علماء امت کا اجماع ہے کہ اس کی مخالفت جائز نہیں ہے نہ لکھنے میں نہ پڑھنے میں اور وقف میں اصل رسم کی موافقت ہے اور رسم میں اصل لفظ کی موافقت ہے اور کبھی مخالف ہوتی ہے رسم اصل کے دونوں حالتوں میں جیسے فَمَآ اٰتٰنِ ءَ اللّٰہُ سورۃ نمل میں یاء کے ثابت کرنے کے ساتھ وصل کی حالت میں اور امام حفص سے وقف کی حالت میں اثبات ہے اختلاف سے

ش: رسم خط کا بیان: (۳۸) رسم خط سے مراد یہ ہے کہ جس طرز اور ہیئت پر اور جن حروف سے سیدنا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں قرآن کریم ایک جگہ لکھا گیا اسی رسم الخط پر عمل کرنا لکھنے اور پڑھنے میں واجب ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے دور میں قرآن کریم ایک جگہ جمع نہیں تھا بلکہ مختلف چیزوں درختوں کے پتے' چمڑے اور پتھر وغیرہ پر لکھا ہوا تھا۔ حضرت ﷺ کی طرف سے چند امین صحابہ رضی اللہ عنہم اس خدمت پر مامور تھے جن میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ جب وحی آتی آپ ﷺ کسی صحابی کو بلاتے اور حضرت جبرئیل علیہ السلام کی تلقین کے مطابق جیسا وہ فرماتے آپ ﷺ لکھنے کا حکم فرماتے۔ اس لیے قرآن کریم کے الفاظ جس طرح توقیفی ہیں رسم الخط بھی توقیفی ہے۔ جب لوگ زیادہ سے زیادہ مسلمان ہونے لگے اور قراء صحابہ جنگوں میں شہید ہونے اور انتقال فرمانے لگے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مشورہ پر امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے توجہ فرمائی اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو صحابہ کرام کی جماعت کے ساتھ جمع قرآن کا حکم دیا پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں دوسری مرتبہ جمع ہوا اور اس مصحف کی کئی نقلیں بنائی گئیں جن کو اسلامی ممالک میں بھیجا۔ بہر حال رسم الخط بھی توقیفی ہے اس لیے اس کی مخالفت کسی حال میں جائز نہیں۔ شیخ

عبدالعزیز دباغ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ رسم قرآن عزیز اسرار الٰہیہ میں ایک سر ہے اس لیے کہ ایک ہی کلمہ ایک جگہ الف سے تو دوسری جگہ بغیر الف کے یا ایک جگہ واؤ سے تو دوسری جگہ بغیر واؤ کے لکھا ہے۔ کسی نے ان سے پوچھا کہ یہ رسم الخط صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرف سے ہے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہے اور آپ ہی نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حکم دیا کہ فلاں کلمہ اس ہیئت پر فلاں اس ہیئت پر لکھیں اور اس طرح رسم الخط قرآن عزیز کی خصوصیت ہے کسی اور آسمانی کتاب میں یہ خصوصیت نہیں۔

(۳۹) وقف میں اصل یہ ہے کہ رسم الخط کی موافقت کی جائے یعنی جیسا لکھا ہوا اسی طرح وقف کیا جائے اور رسم الخط میں اصل یہ ہے جس طرح بولا جائے اسی طرح لکھا جائے تو وقف کے لیے رسم الخط اصل بنا اور رسم الخط کے لیے تلفظ اصل بنا البتہ کبھی اس کے خلاف بھی ہوتا ہے یعنی جس طرح رسم الخط ہے اس طرح پڑھا اور لکھا نہیں جاتا۔ اس خلاف اصل ہونے کی کئی صورتیں ہوں گی ① رسم الخط وقف اور وصل دونوں حالتوں میں مخالف ہے جیسے سورۂ نمل میں فَمَا اٰتٰنِ ءَ اللّٰهُ ہے۔ وصل کی حالت میں یاء پڑھی جائے گی حالانکہ رسماً بالکل مفصول ہے۔ اسی طرح وقف میں یاء کے اثبات کا ایک قول ہے ② دوسری صورت یہ ہے کہ وصل میں مخالف ہو جیسے اَلرَّحْمَةُ کی گول تاء وقف میں هاء بن جاتی ہے۔

م: وفي الوصل فقط كالتاء المربوطة في نحو الرحمة وفي الرسم تاليفات كثيرة كالمقنع والعقيلة لكنه لا يبحث عنه الاماله في الوقف او الرواية حاجة (۴۰)

ت: اور کبھی مخالف ہوتی ہے صرف وصل میں جیسے تاء مربوطہ (مدورہ) جیسے اَلرَّحْمَةُ میں اور رسم میں بہت سی تالیفات ہیں جیسے مقنع اور عقیلہ لیکن یہاں بحث نہیں کی جائے گی اس سے مگر جس کی وقف یا روایت میں ضرورت ہو!

ش: (۴۰) فرمایا کہ رسم کی بحث بھی کافی طویل ہے اور اس پر مستقل تصانیف جیسے عقیلہ اور مقنع ہے۔ اور اردو میں معرفۃ الرسوم مشہور ہے یہاں پوری بحث مقصود نہیں بلکہ

رسم کے صرف ان مسائل کو بیان کیا جائے گا جن کی وقف میں ضرورت پڑتی رہتی ہے۔

م: فانواع مخالفة الرسم (۴۱) الابدال والاثبات والحذف والوصل لکن المخالف فی شئی لا یقاس علیه من نوعه غیره۔ قیل خطان لا یقاسان خط القوا فی وخط القران فهو سرّ من الاسرار الالٰهیة کالمتشابهات والمقطعات القرانیة وللّٰه اعلم بمراده بذالك۔ اما الابدال فکل تنوین منصوب مرسوم بالالف ولو تقدیرا

ت: پس رسم کی مخالفت کی قسمیں ابدال اور اثبات اور حذف اور وصل ہے لیکن کسی چیز میں مخالف کو اسی کی نوع سے دوسرے کو اس پر قیاس نہیں کیا جاتا ہے۔علماء فرماتے ہیں کہ دو خط ایسے ہیں جس پر قیاس نہیں کیا جاتا ایک خط قوافی دوسرے خط قرآن۔ پس یہ بھید ہے اسرار الٰہیہ میں سے جیسے متشابہات اور مقطعات قرآنیہ اور اللہ ہی اس کی مراد کو بہتر جانتے ہیں۔ بہرحال ابدال پس ہر منصوب تنوین جو الف کے ساتھ لکھی جائے گی اگرچہ تقدیراً ہو!

ش: (۴۱) رسم کی مخالفت کی چار صورتیں ہیں ① ابدال ② اثبات ③ حذف ④ وصل۔ ہر ایک کی تعریف اور مثالیں ترتیب وار آئیں گی لیکن اتنی بات بطور تنبیہ فرما دی کہ مخالف کی صورتیں ان مثالوں میں پائی جاتی ہیں بس انہی میں مخالفت ہو گی اس پر کسی دوسری مثال کو قیاس نہیں کیا جاتا ہے چاہے وہ اسی نوع کی ہو کیونکہ مشہور ہے کہ دو خط میں قیاس نہیں چلا کرتا ایک قیافہ شناسی کے خطوط میں دوسرے خط قرآنی میں۔اس لیے کہ یہ بھی رموز اور اسرار الٰہی ہیں جس طرح متشابہات اور حروف مقطعات میں اسرار پوشیدہ ہیں جس کی مراد کو اللہ ہی جانتے ہیں۔اس لیے جو کلمہ جس طرح لکھا جائے گا اسی طرح پڑھا جائے گا الا یہ کہ آئندہ چار قاعدوں میں جو مثالیں پائی جاتی ہیں۔

م: نحو اذا وعلیما وحکیما ومصرا ودعاء ونداء ونون التاکید فی لیکونا من الصاغرین ولنسفعا بالناصیة یبدل فی الوقف الفا وکل تاء مربوطة یبدل فی الوقف هاء ساکنة نحو الجنة ونعمة وعن

الحفص صاد ويبصط بالبقرة وبصطة بالاعراف بالسين وصلًا ووقفًا وهم المصيطرون بالطور بالخلف (۴۲)

ت: جیسے اِذًا۔ عَلِيْمًا۔ حَكِيْمًا۔ مِصْرًا۔ دُعَآءً۔ نِدَآءً اور لَيَكُوْنًا مِّنَ الصّٰغِرِيْنَ اور لَنَسْفَعًا بِالنَّاصِيَةِ میں نون تاکید وقف کی حالت میں الف سے بدلا جائے گا اور ہر گول تاء بدلی جائے گی وقف کی حالت میں ہائے ساکنہ سے جیسے اَلْجَنَّةُ۔ نِعْمَةٌ اور امام حفص کے نزدیک سورۂ بقرہ میں وَيَبْصُطُ کا صاد اور سورۂ اعراف میں بَصْطَةً کا صاد (بدلا جائے گا) سین سے وصل اور وقف کی حالت میں اور سورۂ طور کے هُمُ الْمُصَيْطِرُوْنَ (کے صاد) میں اختلاف ہے

ابدال: ۴۲) مخالفت رسم کی پہلی صورت ابدال ہے جو مذکورہ باتوں میں پائی جاتی ہے ① ہر زبر والی تنوین جس کے بعد الف لکھا جاتا ہو چاہے الف حقیقۃً لکھا ہوا ہو یا حکماً دونوں کی مثالیں اِذًا۔ عَلِيْمًا۔ حَكِيْمًا۔ مِصْرًا۔ دُعَآءً۔ نِدَآءً ② لَيَكُوْنًا مِّنَ الصّٰغِرِيْنَ اور لَنَسْفَعًا بِالنَّاصِيَةِ میں نون تاکید وقف کی حالت میں الف سے بدلا جائے گا۔ ان مثالوں میں گویا تنوین کا ایک زبر تو پڑھا گیا اور دوسرا زبر الف سے بدلا گیا اور اس طرح حالت وقف میں مد بھی ہوگا قاعدہ مد پائے جانے کی وجہ سے ③ تاء مربوطہ جس کا دوسرا نام تاء مدورہ یعنی گول تاء ہے ہر جگہ وقف کی حالت میں ہاء ساکنہ بن جائے گی۔ جیسے اَلْجَنَّةُ۔ نِعْمَةٌ وغیرہ وغیرہ۔ ④ سورۂ بقرہ میں وَيَبْصُطُ اور سورہ اعراف میں بَصْطَةً کا صاد اتفاقی طور پر اور سورۂ طور میں هُمُ الْمُصَيْطِرُوْنَ کا صاد ایک قول کے مطابق امام حفص رحمہ اللہ کے نزدیک سین سے بدل جائے گا۔ ابدال کی یہ چار صورتیں ہیں۔

م: واما الاثبات (۴۳) فكل الف انا ضمير الواحد المتكلم ولكنا هو اللّٰه بالكهف والف الظنونا والرسولا والسبيلا بالاحزاب وسلاسلا وقواريرا الاول بالانسان ثابت عن الحفص وقفا لا وصلا الا الف سلاسلا بالخلف عنه فالحذف بالاسكان والف قواريرا الثانية

یحذف عنه وصلًا و وقفًا وکذا الف ثمودا فی الا ان ثمودا کفروا ربھم بھود وثمودا واصحب الرس بالفرقان وثمودا و قد تبین لکم بالعنکبوت وثمودا فما ابقی بالنجم یحذف عنه وصلًا و وقفًا

ت : اور بہرحال (الف کا) اثبات پس ہر ضمیر واحد متکلم کے انا کا الف اور سورۂ کہف میں لٰکِنَّا ھُوَ اللّٰہُ کا الف۔ اور سورۂ احزاب میں اَلظُّنُوْنَا۔ اَلرَّسُوْلَا۔ اَلسَّبِیْلَا کا الف اور سورہ (دہر) میں سَلٰسِلَا اور پہلے قَوَارِیْرَا کا الف ثابت رہے گا امام حفص رحمہ اللہ کے نزدیک وقف کی حالت میں نہ کہ وصل میں البتہ سَلٰسِلَا کے الف میں ان سے اختلاف ہے۔ پس (اس صورت میں) حذف بالا سکان ہوگا اور دوسرے قَوَارِیْرَا کا الف حذف کیا جائے گا امام حفص رحمہ اللہ کے نزدیک وصل و وقف دونوں حالت میں اور اسی طرح سورۂ ہود میں اِلَّآ اَنْ ثَمُوْدَا کَفَرُوْا رَبَّھُمْ سورۂ فرقان میں وَثَمُوْدَا وَاَصْحٰبَ الرَّسِّ سورۂ عنکبوت میں وَثَمُوْدَا وَقَدْ تَّبَیَّنَ لَکُمْ اور سورۂ نجم میں وَثَمُوْدَا فَمَآ اَبْقٰی (ہر جگہ کے ثَمُوْدَا) کا الف حذف کیا جائے گا امام حفص کے نزدیک وصل و وقف دونوں حالت میں۔

ش : اثبات : (۴۳) اثبات یعنی کس موقع پر حرف کو باقی رکھا جائے گا۔ اس کے دو حروف ہیں۔ الف۔ ھاء۔ دونوں کے مواقع سنیے۔ الف میں ضمیر واحد متکلم کا الف سورۂ کہف میں لٰکِنَّا ھُوَ اللّٰہُ کے لٰکِنَّا کا الف۔ سورۂ احزاب میں اَلظُّنُوْنَا۔ اَلرَّسُوْلَا۔ اَلسَّبِیْلَا کا الف اور سورۂ انسان (جس کو سورۂ دہر بھی کہتے ہیں) میں سَلٰسِلَا اور پہلے قَوَارِیْرَا کا الف امام حفص رحمہ اللہ کے نزدیک وقف کی حالت میں باقی رہے گا اور وصل کی حالت میں گر جائے گا البتہ سَلٰسِلَا کے الف میں اختلاف ہے۔ ایک قول تو اوپر مذکور ہو چکا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ وقف کی حالت میں اس کے الف کو حذف کر کے متحرک کو ساکن کیا جائے اور سَلٰسِلْ پڑھا جائے۔ اور دوسرے قَوَارِیْرَا کا الف تو ہر حال میں حذف ہو گا۔ اسی طرح سورۂ فرقان میں دو جگہ اور سورۂ عنکبوت اور سورۂ نجم میں چار جگہ ثَمُوْدَا پہ الف ہے۔ یہ بھی وصل اور وقف دونوں حالت میں گر جائے گا۔ یہ تو الف کے مواقع تھے۔ ہم

نے عبارت کی ترتیب پر پوری تقریر کر دی ہے۔ ان سب میں الف کے حذف ہونے کی وجہ وہی ہے کہ رسماً لکھا ہوا ہے۔ اس لیے لکھا جائے گا کہ مگر چونکہ قرآءت پڑھنے کی ثابت نہیں تو قرآءت میں بھی اتباع ہوئی ائمہ قرآءت کی اور رسم میں بھی۔

م: وهاء السكت (۴۴) في يتسنه بالبقرة واقتده بالانعام وكتابيه معًا وحسابيه وماليه وسلطانيه بالحاقة وماهيه بالقارعة ثابت عنه في الوقف وفي الوصل علىٰ نية الوقف وكل محذوف وصلا لاجتماع الساكنين على غير حده ثابت في الوقف للرسم وارتفاع المانع نحو اقيموا الصلوة ولا تسقى الحرث ومن تحتها الانهار والالف المرسوم بعد واو الجمع علامة له

ت: اور سورۂ بقرہ میں یَتَسَنَّهْ کی ہاءِ سکتہ اور سورۂ انعام میں اِقْتَدِهْ کی ہاء اور سورۂ الحاقہ میں كِتَابِيَهْ دو جگہ اور حِسَابِيَهْ۔ مَالِيَهْ۔ سُلْطَانِيَهْ اور سورۂ القارعہ میں مَاهِيَهْ کی ہاء باقی رہیں گی امام حفص رحمہ اللہ سے وقف کی حالت میں اور وصل میں وقف کی نیت پر اور ہر وہ کلمہ جو محذوف ہوگا وصل کی حالت میں اجتماع ساکنین علیٰ غیر حدہ کی وجہ سے وہ باقی رہے گا وقف میں رسم کی وجہ سے اور مانع کے ختم ہونے کی وجہ سے جیسے اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ اور لَا تَسْقِي الْحَرْثَ اور مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهَارُ اور وہ الف جو واؤ جمع کے بعد لکھا جاتا ہے اس کی علامت ہے!

ش: (۴۴) ① اثبات میں دوسرا کلمہ ھاء ہے جو متن میں ذکر کردہ مثالوں میں ہے یہ ھاء نہ مادہ کی ھاء ہے نہ ضمیر کی صرف وقف کرنے کے لیے لائی گئی اس لیے اس کو ھاء سکتہ کہتے ہیں۔ یہ ھاء وقف ووصل دونوں حالت میں باقی رہے گی۔ ② اجتماع ساکنین علیٰ غیر حدہ کی وجہ سے جو بھی حرف مدہ وصل کی وجہ سے گر گیا ہو وہ وقف کرنے کی صورت میں باقی رہے گا جیسے اَقِيْمُوْا۔ لَاتَسْقِيْ۔ مِنْ تَحْتِهَا کے حروف مدہ اول میں واو مدہ ثانی میں یاء مدہ ثالث میں الف مدہ ہے۔

م: لا يثبت وصلا ولا وقفا وكذالك الالف بعد واوباب لن ندعوا نحو لتتلوا ونبلوا وليربوا وان تعفوا وكذا بعد لام لا الى الله تحشرون بال عمران ولا او ضعوا بالتوبة واولاذ بحنه بالنمل ولا الى الجحيم بوالصافات ولا انتم اشد بحشر لا يثبت وصلا ولا وقفا بل يثبت رسما فقط(۴۵)۔

ت: نہ وصل میں نہ وقف میں باقی رہے گا اسی طرح باب لَنْ نَدْعُوْا واوٗ کے بعد الف جیسے لِتَتْلُوْا۔ نَبْلُوْا۔ لِيَرْبُوْا۔ اَنْ تَعْفُوْا(وغیرہ) اسی طرح سورۂ آل عمران میں لَا اِلَى اللّٰهِ تُحْشَرُوْنَ اور سورۂ توبہ میں لَا اَوْ ضَعُوْا۔ سورۂ نمل میں اَوْلَا اَذْبَحَنَّهٗ سورۂ والصافات میں لَا اِلَى الْجَحِيْمِ سورۂ حشر میں لَا اَنْتُمْ (ان سب) کے لام کے بعد کا الف نہ وصل میں باقی رہے گا نہ وقف میں بلکہ صرف رسماً ثابت رہے گا

(۴۵) یہاں سے الف کے وہ مواقع بیان کیے جاتے ہیں جہاں الف رسماً آتا ہے اور پڑھنے میں بالکل نہیں آتا۔ جیسے واو جمع کے بعد قاعدہ کے مطابق الف لکھنے میں آتا ہے تاکہ وہ جمع کی علامت رہے جیسے دَعَوْا۔ وَلَّوْا۔ اسی طرح باب لَنْ نَدْعُوَا یعنی ہر ایسی جگہ جہاں فعل مضارع کے وہ صیغے جن میں نون نہیں آتا اور ان کے مادہ کے لام کلمہ میں حرف علت ہو جیسے تَتْلُوْا۔ نَبْلُوْا۔ لِيَرْبُوْا۔ تَعْفُوَا وغیرہ ان میں الف رسماً ہوگا لیکن قرآءتً نہیں۔ اسی طرح سورۂ آل عمران سورۂ توبہ سورۂ نمل سورۂ صافات سورۂ حشر میں لاء کا استعمال ہے۔ جیسے لَا اِلَى اللّٰهِ۔ لَا اَوْضَعُوْا۔ لَا اَذْبَحَنَّهٗ۔ لَا اِلَى الْجَحِيْمِ۔ لَا اَنْتُمْ۔ یہ پانچ مواقع ہیں جہاں لا لام الف سے لکھا ہے لیکن پڑھنے میں صرف لام آئے گا الف نہیں۔اس لیے کہ یہ پانچوں لا اثبات کے مواقع میں ہیں۔اب اگر الف بھی پڑھا گیا تو نافیہ کے معنی ہو جائیں گے اور مقصود بگڑ جائے گا۔

واما الحذف (۴۶) فكل تنوين غير المنصوب يحذف مطلقا

اور بہرحال حذف پس منصوب کے علاوہ ہر تنوین مطلقاً حذف کی جائے گی۔

ش: حذف: (۴۶) مخالفت رسم کی تیسری صورت حذف ہے۔ حذف کے تین مواقع ہیں (ا) زبر کی تنوین کے علاوہ اگر پیش یا جر والی تنوین آئے تو مطلقاً وقف کی حالت میں حذف ہو جاۓ گی جیسے عَذَابٌ عَظِیْمٌ میں میم پر تنوین رفع تھی وقف کی وجہ سے تنوین گر کر سکون آ جائے گا اس لیے کہ وقف حرکت پر نہیں ہوتا البتہ ملانے کی صورت میں تنوین حذف نہیں ہوگی بلکہ بقاعدۂ الساکن اذا حرك حرك بالكسر تنوین کو کسرہ دے کر پڑھیں گے اس صورت میں چھوٹا سا نون دو کلموں کے بیچ میں لکھ دیا جاتا ہے یہ قاعدہ وصل اور اجتماع ساکنین علی غیر حدہ کے بیان میں گزر چکا ہے اب مذکورہ قاعدہ سے ایک مثال كَاَیِّنْ کی مستثنیٰ ہے۔ اس لیے کہ وہاں تنوین رسماً موجود ہے اور جب رسماً موجود ہے تو وصل اور وقف دونوں حالت میں پڑھی جائے گی۔

م: وان كان الوقف بالروم لاتباع الرسم نحو عذاب عظيم ولفي ضلال مبين لا في الوصل فيكسر فيه التنوين عنه على الاصل مطلقاً قبل الساكن لا لتقاء الساكنين على غير حده كما مر في باب الوصل نحو طوىنِ اذهب ومبيننِ اقتلوا و لخبيرنِ القارعة واليمانِ الذى اما تنوين كاين فانه ثابت في الحالين لرسمه بالنون وكل محذوف (۴۷) رسمًا

ت: اگرچہ وقف بالروم کیوں نہ ہو رسم عثمانی کے اتباع کی وجہ سے جیسے عَذَابٌ عَظِیْمٌ۔ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ (ہاں) وصل میں (حذف) نہیں کی جائے گی۔ پس اس صورت میں کسرہ دیا جائے گا تنوین کو امام حفص رحمہ اللہ کے نزدیک اصل قاعدہ کے مطابق مطلقاً ساکن سے پہلے اجتماع ساکنین علیٰ غیر حدہ کی وجہ سے جیسا کہ وصل کے بیان میں گزر چکا جیسے طُوًی نِ اذْهَبْ۔ مُّبِیْنٍ نِ اقْتُلُوْا۔ لَخَبِیْرٌ نِ الْقَارِعَةُ۔ اَلْیَمَانِ الَّذِیْ۔ البتہ كَاَیِّنْ کی تنوین ثابت رہے گی دونوں حالتوں (وقف و وصل) میں نون کے رسماً ہونے کی وجہ سے اور ہر وہ (حرف) جو رسماً محذوف ہو!

ش: (۴۷) حذف کا دوسرا موقع بشکل قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ ہر وہ حرف جو رسماً محذوف ہوگا تو وہ وصل اور وقف دونوں حالت میں محذوف ہوگا۔ یہ قاعدہ مصنفؒ کی ذکر کردہ مثالوں میں اس طرح پایا جا رہا ہے کہ اَیُّہَ۔ یَدْعُ۔ یَمْحُ۔ سَنَدْعُ۔ یَدْعُ۔ اَلدَّاعِ۔ نُنْجِ۔ یُؤْتِ۔ فَارْھَبُوْنِ۔ مَتَابِ۔ عِقَابِ۔ اصل میں اَیُّھَا۔ یَدْعُوْا۔ یَمْحُوْا۔ سَنَدْعُوْا۔ یَدْعُوْا۔ اَلدَّاعِیْ۔ نُنْجِیْ۔ یُؤْتِیْ۔ فَارْھَبُوْنِیْ۔ مَتَابِیْ۔ عِقَابِیْ تھا۔ لیکن یہ الف یا واو جب لکھنے میں ہی حذف ہوگیا تو اب بالکل نہیں پڑھا جائے گا وصل ہو تو حرف مدہ کے اعتبار سے حرکت بڑھا دیں گے اور وقف ہو تو موقوف علیہ کو ساکن کر دیں گے۔

م: یحذف عنه وصلًا ووقفاً نحو ایه المومنون بالمؤمنون وایه الساحر بالزخرف وایه الثقلن بالرحمٰن ویدع الانسان بالاسراء ویمح اللّٰه الباطل بالشوریٰ وسندع بالعلق ویدع الداع بالقمر وننج المؤمنین بیونس وسوف یؤت اللّٰه بالنساء وفارھبون بالبقرة ومتاب وعقاب بالرعد لكن (۴۸) المحذوف للتماثل فی الرسم ثابت وصلًا ووقفًا نحو ماء ولا یستحیی وان تلوا الا ان یحذف فی الوصل لاجتماع الساكنین علی غیر حده

ت: امام حفص رحمہ اللہ کے نزدیک حذف کیا جائے گا وصل اور وقف (دونوں حالت) میں جیسے سورۂ مومنون میں اَیُّہَ الْمُؤْمِنُوْنَ سورۂ زخرف میں اَیُّہَ السّٰحِرُ۔ سورۂ رحمٰن میں اَیُّہَ الثَّقَلٰنِ۔ سورۂ اسراء میں یَدْعُ الْاِنْسَانُ سورۂ شوریٰ میں یَمْحُ اللّٰهُ الْبَاطِلَ۔ سورۂ علق میں سَنَدْعُ۔ سورۂ قمر میں یَدْعُ الدَّاعِ۔ سورۂ یونس میں نُنْجِ الْمُؤْمِنِیْنَ سورۂ نساء میں سَوْفَ یُؤْتِ اللّٰهُ۔ سورۂ بقرہ میں فَارْھَبُوْنِ۔ سورۂ رعد میں مَتَابِ اور عِقَابِ، لیکن جو کلمہ تماثل فی الرسم کی وجہ سے محذوف ہوگا وہ وصل اور وقف دونوں حالت میں باقی رہے گا۔ جیسے مَآءً۔ وَلَا یَسْتَحْیٖ۔ اَنْ تَلْوٗا۔ مگر یہ کہ حذف کر دیا جائے اجتماع ساکنین علی غیر حدہ کی وجہ سے۔

ش : (۴۸) لیکن اگر حرف تماثل فی الرسم کی وجہ سے محذوف ہوا ہے یعنی اسی جیسا حرف موجود ہے تو رسم کا قاعدہ یہ ہے کہ اگر حروف علت میں سے دو حرف جمع ہو جائیں تو تماثل فی الرسم کی وجہ سے ایک کو حذف کر دیا جائے گا۔ پس ایسا حرف تو وصلاً ووقفاً پڑھا جائے گا جیسے مَآءً اور لَا يَسْتَحْيِ اور اَنْ تَلْوُا میں یہی صورت ہے۔ چنانچہ لَا يَسْتَحْيِ اصل میں لَا يَسْتَحْيِيُ تھا دو یاء میں ایک کو حذف کر دیا وقس عليه باقي المثالين اور اگر ان دو متحد حرفوں میں سے ایک حرف کو اجتماع ساکنین علیٰ غیر حدہ کی وجہ سے حذف کیا جائے تو وصل میں اسے حذف کیا جائے گا اور وقف میں پڑھا جائے گا جیسے تَرَآءَ الْجَمْعٰنِ اصل میں تَرَاءَ ا الْجَمْعٰنِ تھا وصل کی وجہ سے تراء اکا الف گرا دیا۔

م : نحو تراء الجمعن ويُحْيِي اللّٰه و كل (۴۹) صلة هاء الكناية وميم الجمع تحذف وقفًا ولو كان بالروم على الهاء لا وصلًا واما الوصل (۵۰) فكل كلمة موصولة بكلمة اخرىٰ لاوقف عليه الاعلىٰ اٰخر الاخرىٰ هذا ما تيسر لي من اللّٰه تعالى (۵۱) وانا الراجي عفوربه الاحد ضياء الدين احمد الالٰه آبادى كان اللّٰه له ولوالديه واحسن اليهما واليه ولما وفقنى اللّٰه سبحانه وتعالىٰ لقرأة القراٰن قرأته من اوله الى اٰخره من طريق الولى الشاطبى بالتجويد مع الكتب الدرسية على شيخى وسندى استاذى وملاذى الحافظ الحاج سيدنا ومولانا عبد الرحمن بن محمد بشير خاں المكى المهاجر الحنفى فاجازنى بان اقرأ واقرئ فى اى مكان احل واى قطر انزل بشرطه المعتبر عند علماء هذ الاثر واخبرنى انى تلقيت ذالك عن سيدى استاذى وقدوتى وملاذى الفاضل الكامل الجهبذ النحرير اخى الشيخ عبد الله خاں بن محمد بشير خاں عن الشيخ ابراهيم سعد بن على عن الشيخ حسن

بدير عن الشيخ محمد المتولى عن الشيخ السيد احمد عن الشيخ احمد سلمونه عن السيد ابراهيم العبيدى عن مشائخ منهم الشيخ عبد الرحمن الاجهودى عن مشائخ منهم الشيخ احمد البقرى عن الشيخ محمد البقرى عن الشيخ عبد الرحمن اليمنى عن والده الشيخ شحاذه عن مشائخ منهم الشيخ الناصر الطبلاوى عن شيخ الاسلام زكريا الانصارى عن الشيخ الرضوان العقبى عن الشيخ محمد النويرى عن الشيخ محمد الجزرى محرر الفن عن الشيخ الامام الازهر بن لبان عن الشيخ احمد صهر الشاطبى عن الشيخ ابى الحسن بن هذيل عن ابى داؤد سليمان بن نجاح عن عثمان ابى عمر والدانى عن الشيخ ابى الحسن طاهر بن غلبون المقرى عن الشيخ ابى الحسن على بن محمد بن صالح الهاشمى عن الشيخ ابى العباس احمد بن سهيل الاشنانى عن الشيخ بى محمد عبيد الصباح عن الشيخ حفص صاحب الرواية عن الشيخ الامام عاصم بن ابى النجود وكنيته ابوبكر تابعى عن زر بن حبيش الاسدى عن سيدنا عثمان وعلى وابى بن كعب وابن مسعود وزيد رضی اللہ عنہم اجمعين عن النبى محمد (۵۲) صلى الله عليه وسلم عن جبرئيل عليه السلام عن اللوح المحفوظ عن رب العلمين فالحمد (۵۳) لله على ذالك واشكره على ما نزلنا واوصل الينا من هذه النعمة العظيمة والمنة الجسيمة فاسال الله تعالى ان يقبل هذه الرسالة ويجعلها لى من الباقيات الصالحات وينفع بها عباده وارجو الدعاء بخيرى الدنيا والاخرة ممن ينتفع بها والاصلاح ممن اطلع على خطأ فان الانسان لا يخلو عنها واخر دعوانا ان الحمد لله رب

العلمین وصلی اللہ تعالی علی خیر خلقه محمد و اله واصحابه واولیاء امته اجمعین۔ امین۔

ت : جیسے تَرَآءَ الْجَمْعٰنِ۔ یُحْیِی اللّٰہُ اور ہر صلہ ہاء کنایہ اور میم جمع کا حذف کیا جائے گا وقف کی حالت میں اگرچہ وقف بالروم ہو ہاء پر نہ کہ وصل کی حالت میں اور بہر حال وصل پس ہر کلمہ جو موصول ہو دوسرے کلمہ کے ساتھ اس پر وقف نہیں ہے مگر سب سے آخر پر۔

یہ ہے وہ رسالہ جس کی توفیق مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملی اور میں رب احد سے معافی کا امیدوار ضیاء الدین احمد الہٰ آبادی رحمہ اللہ ہوں اللہ تعالیٰ اس کا اور اس کے والدین کا ہو جائے اور میرے اور والدین کے ساتھ خیر کا معاملہ فرمائے اور جب حق تعالیٰ نے مجھے قرآن کریم کے پڑھنے کی توفیق بخشی تو میں نے پورا قرآن کریم تجوید کے ساتھ مع کتب درسیہ اپنے شیخ وسندی استاذی الحاج الحافظ المقری القاری مولانا عبدالرحمٰن صاحب مہاجر مکی رحمہ اللہ سے پڑھی............

ش : (۴۹) حذف کا تیسرا موقع یہ ہے کہ ہاء کنایہ اور میم جمع میں صلہ اس وقت ساقط ہو جائے گا جب ان پر وقف ہو۔ اس لیے کہ صلہ وصل کے ساتھ خاص تھا۔ کیونکہ اسی وقت ضعیف حرف کے دبنے اور ادا نہ ہو سکنے کا اندیشہ تھا اور وقف میں یہ بات نہیں رہتی۔

(۵۰) مخالفت رسم کی چوتھی صورت وصل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ہر کلمہ جب دوسرے سے متصل ہو گا تو اس پر وقف نہیں ہو گا بلکہ جو سب سے آخری کلمہ ہے اس پر ہو گا۔

(۵۱) مصنف رحمہ اللہ کتاب ختم فرما کر اپنی سند کا سلسلہ بیان فرما رہے ہیں۔ ہم آسان ہونے کی وجہ سے صرف عربی عبارت نقل کر دیتے ہیں۔

(۵۲) مصنف رحمہ اللہ کا سلسلۂ سند تجوید اکتیس واسطوں سے رسول اللہ ﷺ تک پہنچتا ہے۔ احقر شارح نے سند تجوید مظاہر علوم سہارنپور میں حضرت مولانا قاری رضوان نسیم صاحب دامت برکاتہم سے حاصل کی انہوں نے اپنے والد ماجد حضرت مولانا قاری محمد سلیمان صاحب

رحمہ اللہ صدر شعبہ تجوید مظاہر علوم اور حضرت مولانا قاری حفظ الرحمٰن صاحب رحمہ اللہ صدر شعبہ تجوید دارالعلوم دیوبند سے حاصل کی۔ ان دونوں حضرات نے مصنف کتاب حضرت مولانا قاری ضیاء الدین احمد صاحب الہ آبادی رحمۃ اللہ علیہ سے وسلسلة سنده هٰهنا مذكورة۔

﴿شارح موصوف نے یہ بات بالکل غلط تحریر کی ہے کہ استاذ القراء حضرت قاری حفظ الرحمٰن صاحب رحمہ اللہ صدر شعبہ تجوید دارالعلوم نے حضرت قاری ضیاء الدین صاحب رحمہ اللہ سے استفادہ کیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت قاری حفظ الرحمٰن صاحب رحمہ اللہ نے اولاً تجوید حضرت قاری عبد المالک صاحب رحمہ اللہ سے پڑھی بعد ازاں روایت حفص۔ قرآءات سبع و عشرہ بطریق درہ وطیبہ خاتمہ القراء فی الہند حضرت قاری عبد الرحمٰن مکی الہ آبادی رحمہ اللہ سے پڑھی ہیں۔ قاری ضیاء الدین احمد صاحب رحمہ اللہ سے بالکل نہیں پڑھا۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھو قبلہ والد صاحب رحمہ اللہ کی کتاب ''شجرۃ الاساتذہ فی اسانید القراءات العشر المتواترہ''
قاری نجم الصبیح التھانوی عفی عنہ﴾

(۵۳) مصنفؒ نے آخر میں پھر حمد وثناء پر کتاب ختم فرمائی اور ناظرین وقارئین سے دعاء کی درخواست کی۔

وانا اقول والحمد لله الذى بنعمته تتم الصالحات لقد اكملت هذه الحواشى بفضل الله وكرمه حادى عشر من شهر رمضان ١٣٩٧ھ وصلى الله على خير خلقه محمد واله وصحبه اجمعين

كتبه الفقير الى الله محمد ايوب السورتى

المدرس بدارالعلوم چھاپی

گجرات۔

(الحمد للہ کتاب کی تصحیح وتبویب سے فراغت ہوئی۔ قاری نجم الصبیح التھانوی عفی عنہ ۱۰ شوال ۱۴۲۸ھ مطابق ۲۳ اکتوبر ۲۰۰۷ء)

فہرست مضامین